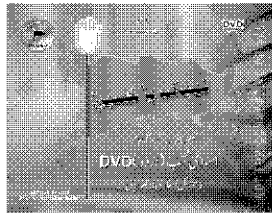


یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان



۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
Version

لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL

اہل بیت حلال مشکلات

اردو ترجمہ

کُلُّ الْحَلُولِ عِنْدَ آلِ السُّوَلِ

ڈاکٹر محمد تجانی سماوی

ترجمہ

سید امتیاز حسین

ترتیب و تدوین

اے ایچ رضوی

مارش روم
کراچی

محفوظ اکبر کھنٹی

Tel: 4124286- 4917823 Fax: 4312882

E-mail: anisco@cyber.net.pk

محفوظ

MBA

16-
18-
30-
152 ~ 164
218
228

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: _____ اہل بیتؑ حلال مشکلات

تالیف: _____ ڈاکٹر محمد تیمانی سادی

ترجمہ: _____ سید امتیاز حیدر رضوی (جہانیاں پوری)

زیر نظر: _____ سید احتشام عباس زیدی

کمپوزنگ: _____ احمد گرافکس، کراچی

طبع اول ایران: _____ انصاریان پبلیکیشنز، قم، اسلامی جمہوریہ ایران

طبع اول پاکستان: _____ محفوظ بک اینجینی، کراچی

ترتیب و تدوین: _____ اے ایچ رضوی

قیمت: _____ =/۸۵ روپے

ضروری نوٹ

اس کتاب میں ۹۱ ضروری حوالہ جات ہیں۔ جو کہ صفحہ

۲۷۶ سے صفحہ ۲۸۶ تک دیئے گئے ہیں۔

دوران مطالعہ جہاں بریکٹ میں () حوالہ نمبر آئیں

گئے۔ ان کی تشریح کتاب کے آخری صفحات میں

ملاحظہ کریں۔ شکریہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

۷	عرض مترجم
۹	مقدمہ
۱۳	پیش لفظ
۲۰	یہ ہے سچا دین
۲۳	راہ پیغمبر کو جاری رکھنے والے
۳۳	دین سے لگاؤ ماضی و حال میں
۴۲	کیا اسلام پر عمل مشکل ہے؟
۴۷	کیا اسلام ترقی کو قبول کرتا ہے؟
۵۸	سیاسی مشکلات، تمدن کا نتیجہ
۶۲	تعلیم کی طرف دعوت اور برائی سے روکنا
۶۶	مہذب انسان، آسان شریعت
۷۴	شیعہ! چند سطروں میں

۷۵	شیعہ! قرآن کریم کی روشنی میں
۷۸	شیعہ آنحضرتؐ کے اقوال میں
۸۱	اے کاش! اس روز، تمام مسلمان شیعہ ہو جاتے!
۱۰۸	ہدایت کے لئے جدوجہد
۱۱۹	شیعہ ہی اہل سنت ہیں لیکن
۱۲۳	گلن یوم عاشور اہل ارض کر بلا
۱۲۹	شیعہ اور نماز
۱۳۸	شیعہ اور نماز جمعہ
۱۴۱	مسجدوں میں سگریٹ پینا
۱۵۱	ختم بحث
۱۶۰	شیعہ اور سنی بر خلاف وہابیت
۱۷۲	خوارج اور وہابیت میں اتحاد
۱۸۲	وہابی عالم سے گفتگو
۱۹۳	وہابیت پر رسول خداؐ کی رد
۱۹۴	مومنے مبارک رسول خداؐ کا احترام
۱۹۶	بعد وفات آنحضرتؐ کے آثار کا احترام
۲۰۰	پیغمبرؐ تبرک اور احترام کو جائز سمجھتے ہیں!
۲۰۳	محمدؐ در شہدار
۲۰۶	نبیؐ کے ذریعہ خدا سے شفا طلب کرنا
۲۱۰	وہابیت کی تاریخی حیثیت
۲۱۵	وہابیت اور زیارت قبور کی تحریم
۲۱۸	اہل بیتؑ اور آج کا مسلمان

عرض مترجم

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی دور حاضر میں دنیائے تشیع کی ایک جانی پہچانی شخصیت کا نام ہے۔ دینی اور دنیاوی دونوں علوم سے آراستہ اس شخصیت نے خود سے راہ حق و حقیقت کی جستجو کی خاردار وادی میں قدم رکھا اور منزل حق تک پہنچ کر دم لیا۔ آج یہ عظیم شیعہ مبلغ اور بے مثل صاحب قلم اپنی بے دریغ کاوش اور بے مثال جہاد لسان و قلم کے ذریعہ پوری دنیا کو مکتب اہل بیت کی حقانیت سے روشناس کرانے میں ہمہ تن سرگرم عمل ہے۔

تیونس نام کے ایک اسلامی افریقی ملک کے باشندہ ڈاکٹر تیجانی نے اب تک دنیا کے بہت سے ملکوں کا دورہ کیا اور ہزاروں بھٹکے ہوئے افراد کو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے۔ ان کی کئی کتابیں ”پھر میں ہدایت پا گیا“، ”میں بھی بچوں کے ساتھ ہو جاؤں“، ”شیعہ ہی اہل سنت ہیں“، دنیا کی بہت سی اہم زبانوں میں عربی سے ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں بلکہ ایک ایک کتاب کے دس دس اور بیس بیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

قارئین! اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کا اصل نام ”کل الحلول عند آل الرسول“ ہے، اس کا فارسی ترجمہ بنیاد معارف اسلامی قم کی جانب سے ”اہل بیت کلید مشکھا“ کے نام سے شائع ہوا جس میں فارسی مترجم نے بعض حاشیہ بھی لکھے ہیں۔ اسی کا اردو ترجمہ ”اہل بیت حلال مشکلات“ کے عنوان سے پیش خدمت ہے۔ یہ کتاب اپنے اسلوب کے اعتبار سے بقیہ کتابوں سے جدا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں اغیار کے معائب پر

۲۲۱.....	مکتب اہل بیت میں مشکل کا حل
۲۲۲.....	یہ ہے وضو
۲۲۳.....	یہ ہے نماز
۲۲۸.....	یہ ہے زکات
۲۳۳.....	موقت شادی (متحدہ) کی اہمیت
۲۳۶.....	اسلامی سماج میں عورت کی مظلومیت
۲۳۷.....	راہ حل، موقت شادی (متحدہ)
۲۳۹.....	موقت شادی (متحدہ) کے فائدے
۲۵۹.....	حضرت مہدی
۲۶۲.....	اہل بیت کی کتاب ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾
۲۶۶.....	عدالت میں ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾
۲۷۶.....	حوالہ جات

روشنی ڈالتے ہوئے اپنے مسلک میں پیش آنے والی بعض چیزوں پر بھی اس طرح قلم چلایا ہے جیسے جراح کسی پھوڑے کا آپریشن کرتا ہے اور اس کا علاج کرتا ہے۔ سطحی نقطہ نظر سے ان کی بعض تحریریں سخت ہیں اور مترجم ان میں اپنی رائے محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن اس میں وہ مفید مطالب بھی ہیں جن کا گہری نظر سے مطالعہ پوری ملت اسلامیہ کو راہِ ثواب سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ حقائق کتنے ہی تلخ ہوں ہمیں ان کا اعتراف کرنا ہی چاہیے۔ بہر حال مجموعی طور سے یہ کتاب مصنف کی جرات و ہمت کی پوری عکاسی کرتی ہے۔

خداوند عالم ہم کو راہِ حق کی معرفت اور اس پر مضبوطی سے گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سید امتیاز حیدر

مقدمہ

حمد و ثناء خدا کے لیے سزاوار ہے اور وہی سارے عالم کا پروردگار ہے۔ اور اعلیٰ ترین درود و سلام پروردگار عالم کی جانب سے منتخب حضرت ابو القاسم محمد بن عبد اللہ پر ہو جو عالمین کے لیے رحمت، ہمارے سید و سردار، آخری پیغمبر اور اللہ کے رسول ہیں اور آنحضرت کی عترت طاہرہ جو ہدایت کی نشانی، گمراہی سے نجات کی مشعل، امت کا سہارا اور ملت کے نجات دہندہ ہیں۔

خداوند عالم نے محمد و آل محمد کی برکت سے ہم پر احسان کیا اور حق کی شناخت کے لیے ہدایت فرمائی۔ ایسا حق کہ جس کے بعد کوئی گمراہی نہیں ہے اور مجھے ان میوؤں کا مزہ چکھایا جو میری چھ کتابوں کا ثمرہ تھے۔

حق کو بیان کرنے کی وجہ سے میری کتابوں پر پردہ ڈال دیا گیا تھا لیکن خدا کے فضل و کرم سے شائع ہوئیں اور ان کی وجہ سے بہت سے سچے اور حق کے جو یا پاکیزہ طینت موئین عترت طاہرہ کے گرویدہ ہو گئے اور ایمان کا جز بن گئے جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔

”وما یعلم جنود ربک الا هو“ (مدثر/۳۱)

خدا کی فوج کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔

جو خطوط دنیا کے کونے کونے سے یہاں پیرس اور تیونس میں ہمیں مل رہے ہیں وہ ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اور ہمیں اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ فرج الہی نزدیک ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں میں اس کی اس آیت کو ورد کرنے لگتا ہوں کہ۔

”ام حسبم ان تدخلوا الجنة ولما ياتكم مثل الذين خلوا من قبلكم مستهم البساء والضراء وزلزلوا حتى يقول الرسول والذين آمنوا معه متى نصر الله الا ان نصر الله قريب“ (بقرہ/۲۱۴)

”کیا تم خیال کرتے ہو کہ جن آزمائشوں سے بزرگوں کو گزرنا پڑا ان کے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ وہ رنج و مصیبت میں گرفتار ہوئے، سختیاں برداشت کیں اور اس طرح ان میں لرزہ پیدا ہوا کہ انبیاء اور ان کی پیروی کرنے والے مومنین باگاہ پروردگار میں گمراہ گزرتے ہوئے کہنے لگے کہ خدا کی جانب سے نصرت کب پہنچے گی؟ بے شک (مومنین کو بشارت دے دو) کہ خدا کی نصرت قریب ہے۔“

ان ڈھیر سارے خطوط کے پڑھنے کے بعد احساس کرتا ہوں کہ بھلائی کبھی بھی بند نہ ہوگی۔ اور حق ہمیشہ کامیاب ہے۔

”بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو

زاهق“ (انبیاء/۱۸)

”ہم ہمیشہ باطل پر حق کو غالب رکھیں گے تاکہ وہ باطل کو سرنگوں کر کے نابود کرے۔“

اور جب خود خداوند عالم نے باطل کو مٹانے کا عہد کر لیا ہے تو میں جس چیز کے حق ہونے کا معتقد ہوں اس کے اظہار میں لیت و لعل نہ کروں گا یہاں تک کہ خداوند عالم میرے اور کج فکروں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ حق سے دور بھاگتے ہیں۔ اور جس چیز کے عادی بن گئے ہیں۔ چاہے وہ سو فیصد ہی غلط ہو۔ اس کے سوا کسی اور چیز کو قبول نہیں کرتے، باطل سے پرہیز نہیں کرتے۔

میں پھر خداوند عالم سے ان کے لیے ہدایت کی آرزو رکھتا ہوں اس لیے کہ صرف وہی ہے کہ جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

اور چونکہ بہت سے قارئین اور حق کے جو یا افراد کے ساتھ خطوط کے ذریعہ یا ان سے ملاقات کے وقت، یا اپنی تقریروں میں مختلف موقعوں پر تند و ترش ہو جاتا ہوں۔ لیکن مجھے اس بات کا احساس ہے کہ بعض افراد ہماری باتوں کو حق سمجھتے ہیں پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ اسلام کی نابودی کی خاطر مشرقی و مغربی متحد ہو چکے ہیں ہم ایسی مشکلات کھڑی نہیں کرنا چاہتے۔ جو مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچائیں۔

ہم نے ان کی اس بات کو ایک حد تک معقول سمجھا اور ان کے نظریہ کو پسند کیا۔ کیوں کہ ان کی کوشش یہ ہے کہ اختلاف کم کیے جائیں۔ اور مسلمانوں کی صفوں کو منظم کیا جائے لہذا ان کے نظریوں کو ماننا چاہیے۔ اور ان کی نصیحتوں کو قبول کرنا چاہیے اور ان کا ممنون ہونا چاہیے۔ اس جگہ پر امیر المومنین کا ارشاد یاد آتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

”اور تم کو چاہیے کہ اپنے امور میں اس عمل کو زیادہ دوست رکھو کہ نہ حق سے غفلت ہو اور نہ اسے کنارے چھوڑا جائے، عدالت کی ہمہ گیری رکھتا ہو اور رعیت کو پسند آئے۔ چونکہ زیادہ افراد کی ناراضگی بعض کی خوشنودی کو بے اثر بنا دیتی ہے اور اینوں کی ناخوشی لوگوں کی خوشنودی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔“

لہذا میں اپنی کتاب ”اہل بیت حلال مشکلات“ قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ وہ مسائل جو لوگوں کو مشتعل اور براہیختہ کرتے ہیں ان سے پرہیز کروں تاکہ وہ حق سے دور نہ ہوں اور ان میں ہدایت کی تلاش کا جذبہ ختم نہ ہو۔ اگرچہ میں اس بات کا معتقد ہوں کہ جذبات کو براہیختہ کرنے کی روش آزاد افراد کی نفسیات میں جوش و ولولہ پیدا کرتی ہے اسی لیے اپنی گزشتہ کتابوں میں، میں نے اس روش کا استعمال کیا ہے جس کا قیمتی و تعجب انگیز نتیجہ حاصل ہوا ہے۔

البتہ نرم اور مصلحت آمیز روش اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے چونکہ اس سے بہت سے لوگ مطمئن اور راضی ہوں گے۔ اور بلاشبہ اس کا نتیجہ شیریں و لذت بخش ہوگا۔ چنانچہ ہم نے دونوں روشوں کا استعمال کیا اور قرآن کریم کی پیروی کی ہے اور یہ دونوں روشوں آرزو اور خوف، بہشت کی آرزو رکھنے والوں کو روانہ بہشت کرتی ہے اور خوف کھانے والوں کو جہنم سے نجات دیتی ہے۔ اور مجھے قطعی طبع نہیں ہے کہ پرہیزگاروں کے پیشوا، امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ کے اس عظیم مقام کو حاصل کر لوں کہ جو نہ جنت کی لالچ میں عبادت کرتے تھے اور نہ ہی جہنم کے خوف سے عبادت کرتے تھے اور اگر پردے اٹھ جاتے تو ان کے یقین میں اضافہ نہ ہوتا، لہذا میں پروردگار سے صمیم قلب کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی رحمت کو ہمارے شامل حال کرے اور مجھے بچوں کے ساتھ ملحق کر دے۔

محمد تیجانی ساوی

پیش لفظ

میں نے اپنی گزشتہ کتابوں میں کوشش کی کہ مسلمانوں کو قائلین (قرآن و معرت) کی طرف واپس لاؤں اور ان سے چاہا کہ گمراہی سے نجات اور ہدایت کی ضمانت کے لیے ان دونوں (قرآن و اہل بیتؑ) کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ جیسا کہ رسول خداؐ کی زبانی بیان ہوا ہے اور معتبر و مورد اعتماد راویوں نے اپنی صحاح و مسانید میں سنی و شیعہ دونوں ہی سے نقل کیا ہے۔

میں نے اس مطلب پر کافی بحث کی، حتیٰ کہ بعض افراد یہ خیال کرنے لگے کہ ہماری اساس اصحاب کی تحقیر اور ان کی بے عدالتی کو ثابت کرنے میں منحصر ہے۔ لیکن خداوند عالم گواہ ہے کہ میری غرض صرف یہ تھی کہ پیغمبر اکرمؐ کی حرمت کا دفاع کروں اس لیے کہ آنحضرتؐ کے وجود ہی سے پورا اسلام سامنے آتا ہے۔ اسی طرح منزلت اہل بیتؑ کا بھی دفاع کرنا چاہتا تھا اس لیے کہ وہ بھی قرآن کے ہم پلہ و ہم رتبہ ہیں جس نے بھی ان کو پہچانا قرآن کو پہچانا اور جس نے بھی ان کو نظر انداز کیا اس نے قرآن کو نظر انداز کیا ہے۔ پیغمبرؐ نے برابر اس کی گواہی دی اور اسی پر زور دیا ہے۔

ان شاء اللہ اس کتاب میں، میں ان مسلمانوں پر ثابت کروں گا۔ جو بیسویں صدی میں جی رہے ہیں، مختلف ناموں میں بٹے ہوئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ واقعی اسلام تک رسائی پیدا کریں اور اس پر عمل کریں، ان کے لیے اہل بیتؑ کی پیروی واجب ہے۔ وہ حقیقت جس سے یہ گریزاں ہیں، یہ ہے کہ قرآن و سنت دونوں ہی میں تاویل و تحریف کی گئی ہے۔ قرآن کو مختلف معنی میں

تاویل کیا گیا تاکہ اس کو شریعت کے حقیقی مقاصد سے دور کر دیں اور سنت میں جعلی احادیث داخل کر کے تحریف کر دی گئی۔ لہذا آج قرآن کی جو تفسیریں ہمارے پاس ہیں وہ اسرائیلیت یا بعض مفسروں کی ذاتی اجتہاد سے خالی نہیں ہیں جو اس بات کے معتقد ہیں کہ قرآن کی بعض آیتیں منسوخ ہو گئی ہیں۔ اسی طرح کتب احادیث اس درجہ جھوٹ اور تحریف کا شکار ہوئی ہیں کہ کسی پر بھی سو فیصد اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

یہی وہ مقام ہے۔ جہاں معصوم ائمہ اور رہبروں کی طرف رجوع کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ صرف وہ ہیں جو کتاب خدا کی تفسیر اور احکام خدا کو بیان کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور صرف وہی احادیث پیغمبر اکرم کو تمام تبدیلیوں، تحریفوں اور غیبات سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

اگر آج مسلمانوں کی آخری خواہش سلف صالح کی جانب واپسی ہے تاکہ ان دونوں تشریحی مآخذ کو ان سے حاصل کریں اور چونکہ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ (اہل بیت) سب سے افضل ہیں، لہذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان سے پوچھیں کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم ان سے بین و واضح دلیل و برہان طلب کریں جو انسان کے لیے بہانہ کی راہ کو بند کر دیتی ہے، اسے قانع کر دیتی ہے اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ صرف حسن ظن کافی نہیں ہے حتیٰ کہ استقامت اور نیک رویہ بھی فہم کے صحیح ہونے اور غلطی سے محفوظ رہنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

نبی کے شہر علم کا در، جناب امیر المومنین اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”لوگوں کے ہاتھ میں حق و باطل ہے۔ سچ و جھوٹ، ناخ و منسوخ، عام اور خاص، محکم اور منتصابہ ہے۔ جو چیز لوگوں کے ذہن میں محفوظ ہے، جس پر حدیث بیان کرنے والے نے گمان کیا ہے۔ اور رسول خدا

کے زمانے میں ہی جھوٹ باندھا، یہاں تک کہ آنحضرتؐ خطبہ دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ”جس نے بھی عدا میری طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اس نے اپنے لیے جہنم میں جگہ تیار کر لی“۔

اور تمہارے لیے جو حدیث بیان کرتے ہیں وہ صرف اور صرف چار ہیں۔ (۱) دو چہرے رکھنے والا جو کہ اظہار ایمان کرے لیکن بظاہر مسلمان ہو، گناہ سے نہ ڈرے اور دل میں خوف نہ رکھتا ہو، عدا رسول خداؐ پر جھوٹ باندھے اور خوف نہ کرے اور اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ وہ منافق اور جھوٹا ہے تو اس کی (بیان کی ہوئی) حدیث کو قبول نہ کریں۔ اور اس کی باتوں کو سچ نہ سمجھیں۔ لیکن اگر رسول خداؐ کے دوستوں میں سے ہو تو اس کو دیکھنا اور سننا چاہیے۔ اور اس کی باتوں کو محفوظ کرنا چاہیے۔ اس کے کہے ہوئے کو قبول کرنا چاہیے۔ خدا نے تم کو منافقوں کے متعلق بتایا ہے اور جس طرح ان کی قلعی کھلنی چاہیے خدا نے بیان فرما دیا ہے۔

یہ رسول خدا اور (اہل بیت) جن پر خدا کی رحمت ہو اپنی جگہ رہ گئے اور لوگ جھوٹ و تہمت کے ذریعہ گمراہوں کے سرغنہ اور جہنم کی طرف دعوت دینے والوں سے نزدیک ہو گئے۔ انہوں نے ان منافقوں کو عہدوں پر مامور کیا اور لوگوں کے امور کو ان کے حوالہ کر دیا۔ اور انہیں کے ہاتھوں دنیا کو ہتھیا یا۔ اور لوگ تو وہاں جاتے ہیں جہاں بادشاہ اور دنیا رخ کرتی ہے۔ مگر یہ کہ خدا محفوظ رکھے۔ ان چار میں سے یہ ایک ہے۔

(۲) کچھ حدیث نقل کرنے والے ایسے ہیں جو حدیث کو رسول خداؐ سے سنتے ہیں لیکن جس توجہ سے سننا چاہیے نہیں سنتے اور غلط بیان کرتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل عدا نہیں ہوتا۔ جو حدیث اس کے پاس ہے اس کو بیان کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور کہتا ہے ہم نے اسے

رسول خدا سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو پتہ ہوتا کہ اس نے حدیث سننے میں غلطی کی ہے تو ہرگز اس کو قبول نہ کرتے اور اگر خود اسے معلوم ہوتا کہ یہ حدیث غلط ہے تو اس کو بیان کرنے سے گریز کرتا۔

(۳) اور تیسرا وہ ہے جس نے سنا کہ رسول خدا نے کسی چیز کا حکم فرمایا اور پھر اس کی نفی کر دی لیکن اس نفی کرنے کا علم اسے نہ ہو سکا یا حضرت نے کسی چیز کی نفی کی اور بعد میں اس کا حکم فرمایا۔ لیکن وہ اس حکم سے بے خبر ہے۔ لہذا جو حکم ہوا اس کی تو اسے خبر ہے۔ لیکن اس کے منسوخ ہونے کی اسے خبر نہیں ہے چونکہ اگر اسے پتہ ہوتا کہ وہ روایت منسوخ ہو چکی ہے۔ تو وہ اسے ترک کر دیتا اور جس وقت مسلمانوں نے اس سے حدیث سنی اگر جانتے کہ منسوخ ہو چکی ہے تو اسے ترک کر دیتے۔

(۴) اور چوتھا شخص وہ ہے جو خدا اور رسول کی طرف جھوٹی نسبت نہیں دیتا، خدا سے ڈرتا ہے اور رسول خدا کی حرمت کا خیال رکھتا ہے غلطی کا بھی مرتکب نہیں ہوتا۔ جو کچھ اسے یاد ہے وہی ہے جسے اس نے سنا ہے۔ اور جو کچھ سنا ہے بغیر کسی کمی اور اضافہ کے وہی روایت کرتا ہے پس ناخ کو ذہن میں محفوظ کیا اور اس پر عمل کیا اور منسوخ بھی جو ذہن میں تھا اس سے پرہیز کیا۔ خاص و عام کو سمجھا، حکم و مستحب کو پہچانا اور ہر ایک کو اسی جگہ پر قرار دیا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث رسول کے دو طرح کے معنی ہوتے ہیں۔ ایک خاص گفتگو ہوتی ہے اور ایک عام گفتگو ہوتی ہے۔ ممکن ہے کوئی سننے کے بعد نہ سمجھ پائے کہ خدا اور رسول اس سے کیا چاہتے ہیں؟ پس سننے والا تاویل کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس کلام کو سمجھے یا اس کے مقصود کو جانے یا یہ نہ جانے کہ یہ کیوں بیان ہوئی ہے؟ رسول خدا کے تمام اصحاب تو اس طرح کے نہ تھے کہ آنحضرت سے پوچھیں اور اس کے معنی کو معلوم کریں۔ بلکہ وہ تو مختصر رہتے تھے کہ کوئی صحرائی عرب اپنے اور رسول سے سوال کرے، اس

طرح نہیں بھی معلوم ہو جا
نے (حدیث) کے معنی کو
روایتوں میں اختلاف کا سب

“(۲۱۵)

امیر المومنین و سید الخطباء

ماخذ تک پانچواں اور شریعت کے
اسلام کی وفات کو ۲۵ سال سے
زندہ تھے اور احادیث کی تصحیح اور
روایت کی کیفیت سے متعلق امام
تو پھر آج چودہ صدیاں گزرنے
اختلاف کی کیا صورت حال ہوگی
ہے کہ کسی گروہ کی تائید یا رد کر
لے۔ اور اگر میں نے اپنی گزشتہ
اثنا عشری امامیہ شیعہ ہی کا مایاب
کو واضح کرتا ہے تو یہ وہ دوا نہ تھی
صورتحال کی پیداوار ہو۔ بلکہ یہ وہ
ہے اور جسے جھوٹ اور تحریف سے
کہ جسے خدا نے دلیل کو درک کر
اس نے اس حقیقت کی طرف ہدایہ
خداوند عالم فرماتا ہے:

اے پیغمبر میرے بندوں کو
سننے ہیں تو بہتر کی تلاش میں
نے ہدایت کی ہے اور وہی

یہ ہے سچا دین

دو سال قبل سان فرانسسکو میں برادران اہلسنت کی مسجد میں، میری تقریر کا یہی عنوان تھا۔ اس روز جلسہ میں افریقہ کے متعدد ممالک نیز ترکی، افغانستان اور مصر کے باشندے شریک تھے۔ اس تقریر اور پھر آزاد بحث کے نتیجہ میں بہت سے حاضرین نے اپنی رضایت کا اظہار کیا۔

ایک مصری طالب علم جس نے حال ہی میں اپنی ڈاکٹریٹ حاصل کی تھی مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کس بنا پر شیعوں کے دین کو حقیقی اسلام سمجھتے ہیں جبکہ شہرت اس کے برعکس ہے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے اہل سنت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ قرآن و سنت سے متمسک ہیں اور دیگر فرقے گمراہ ہیں؟ میں نے بہت ضبط و حوصلہ اور نرمی سے حاضرین کو مخاطب کر کے اس کا جواب دیا:

میرے بھائیو! میں حق کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھا کر کہتا ہوں اگر مجھے کوئی ایسا اہل سنت فرقہ مل جائے جو حضرت ابوبکرؓ کی طرف منسوب مذہب کا پیرو ہو تو میں انہیں مبارکباد دوں گا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا شمار پیغمبر خداؐ کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی فرقہ ملے جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب مذہب کی پیروی کرتا ہے تو میں انہیں مبارکباد پیش کروں گا۔ کیونکہ یہ دونوں اصحاب رسولؐ میں شمار ہوتے ہیں لیکن مجھے آج تک اہل سنت یا دیگر فرقوں میں کوئی ایسا گروہ نہیں ملا جو ان خلفاء یا کسی اور صحابی سے منسوب مذہب کی

پیروی کرتا ہو۔ صرف ایک شیعہ فرقہ ہے جو علی بن ابی طالبؓ سے منسوب مذہب کی پیروی کرتا ہے۔ یہ لوگ شیعہ امامیہ ہیں ان کے مقابل کوئی ابوحنفیہ کی تقلید کرتا ہے تو کوئی شافعی اور احمد بن حنبل کی یہ حضرات عظیم دانشور ہونے کے باوجود صحابی نہیں ہیں۔ انہوں نے رسول اکرمؐ کو ایک دن کے لیے بھی درک نہیں کیا اور نہ ان کے ہم نشین رہے ہیں۔ یہ حضرات تاریخ کے ایک عظیم فتنہ کے بعد معرض وجود میں آئے ہیں اور بلا شک و شبہ اس فتنہ سے متاثر ہوئے ہیں۔ (۱)۔

ہم اگر علی بن ابی طالبؓ کو تمام فضیلتوں سے الگ کر دیں تو ان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آپ سب سے پہلے مسلمان اور مومن تھے اور آپ نے اپنی ساری زندگی رسول خداؐ کی رفاقت اور ان کے دین کی خدمت میں گزار دی۔ میں آپ سے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں تعصب اور جذبات سے کنارہ کرتے ہوئے صرف اور صرف اپنی عقل کو حاکم بنائیں اور فقط خدا کی مرضی کو مد نظر رکھیں اس کے بعد اپنے ضمیر سے پوچھیں اور مجھے بتائیں کہ پیروی اور اتباع کا کون مستحق ہے؟ حاضرین میں سے سینکڑوں آوازیں بلند ہوئیں کہ علیؓ پیروی اور اتباع کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس کے بعد میں نے حاضرین کو رسول اکرمؐ کی وہ حدیثیں سنائیں جو اہل سنت والجماعت کی معتبر ترین کتب (صحاح و مسانید حدیث) میں منقول ہیں۔ یہ حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ (۲)

۲۔ علیؓ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؓ کے ساتھ ہے۔ جہاں علیؓ ہوں گے، حق بھی ان کے ساتھ ہوگا۔ (۳)

۳۔ جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کے مولا ہیں۔ (۴)

۴۔ میری نسبت علیؑ سے ایسی ہے جیسے ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ (۵)

۵۔ میرے بعد علیؑ میری امت کے اختلافات کو حل کرنے والے ہوں گے۔

۶۔ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آجائیں۔ (۶)

اگر مسلمان ان حقائق کو سمجھ لیں اور ان کی عقلیں صرف اور صرف حضرت علیؑ کے صحابی پیغمبر ہونے کی وجہ سے ان کی پیروی کی دعوت دیں تو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا کہ حقیق اسلام وہی ہے جو شیعہ امامیہ کا دین ہے۔ انہی رافضیوں کا اسلام جنہوں نے علیؑ کے علاوہ کسی اور کی پیروی کو رفض (ناپسند) کیا ہے۔

آخر کار جلسہ میں بہت گفتگو اور بحث کے بعد جو کہ بڑے صبر و حوصلہ و آرام سے انجام پائی، حاضرین میں سے بہت سے لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے مبارکباد دی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھ سے درخواست کی کہ اپنی کتابیں انہیں پیش کروں اور شیعوں کی کتابوں کے بارے میں انہیں معلومات فراہم کروں۔

اس گروہ میں ایک فرد اسی مسجد کے امام جماعت بھی تھے جب میں مصائب اہل بیتؑ پڑھ رہا تھا تو وہ گریہ کر رہے تھے۔ انہوں نے مصر سے Ph.D کی ہے۔ وہ محبت اہل بیتؑ ہیں انہوں نے مجھ سے کہا: مبارک ہو اے بھائی! مجھے یقین نہیں تھا کہ تم اتنی آسانی سے ہمیں مطمئن اور قانع کر لو گے مجھے بعض مصطفیٰ سے جو تم سے جلتے ہیں خوف محسوس ہو رہا تھا، لیکن خدا کی قسم تم نے اپنی سچی باتوں سے ان کے دل جیت لیے۔

راہ پیغمبرؐ کو جاری رکھنے والے

اہل بیتؑ سے ہماری مراد پیغمبرؐ کی عزت میں بارہ امام علیہم السلام ہیں۔ ہم نے گزشتہ کتابوں میں اس سلسلے میں جو گفتگو کی ہے۔ شیعوں اور اہل سنت کا اتفاق ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

میرے بعد ائمہ بارہ افراد ہوں گے اور یہ سب کے سب قریش سے ہوں گے (۷)

آپؐ نے مزید فرمایا۔ یہ امر (امامت) قریش ہی میں رہے گا خواہ قریش میں صرف دو ہی آدمی کیوں نہ بنے ہوں۔ (۸)

اور چونکہ کبھی جانتے ہیں کہ خدا نے آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و خاندان عمران کو دنیا کے تمام لوگوں میں منتخب کیا ہے۔ پس پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں بتایا ہے کہ خدا نے ان تمام لوگوں پر بنی ہاشم کو منتخب کیا ہے اور یہ لوگ تمام برگزیدہ افراد پر فضیلت رکھتے ہیں۔

صحیح مسلم کے باب فضائل میں (دیگر لوگوں پر فضیلت پیغمبر اکرمؐ) کے باب میں آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ

خدا نے کنانہ کو فرزندان اسماعیل سے منتخب کیا اور قریش کو کنانہ سے۔

اور بنی ہاشم کو قریش سے اور مجھے بنی ہاشم سے۔ (۹)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ خدا نے بنی ہاشم کو تمام مخلوق پر فوقیت اور فضیلت دی ہے اور بنی ہاشم پر رسول اکرمؐ کو فوقیت و فضیلت دی ہے۔ لہذا بنی ہاشم کا رتبہ آپؐ کے بعد ہے۔ اور رسول اکرمؐ نے تمام بنی ہاشم میں علیؑ اور ان کی

اولاد کو منتخب کیا اور خدا کے حکم سے انہیں اپنا جانشین بنایا ہے۔ جس طرح سے خود آپ پر درود و سلام بھیجنا واجب تھا، اسی طرح آپ نے علیؑ اور اولاد علیؑ پر درود و سلام بھیجنا واجب قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے اکثر مفسرین نے علیؑ و آل علیؑ کو آیہ تطہیر کا مصداق بتایا ہے۔ صرف آیہ تطہیر ہی نہیں بلکہ آیت مودت، آیت ولایت اور آیت اصطفاء کا مصداق بھی اہل بیت ہی ہیں۔ کتاب کے وارث، اہل ذکر، راسخون فی العلم اور سورہ اہل اتی سے مراد بھی اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں۔

رسول اکرمؐ کی وہ حدیثیں جن کی صحت پر تمام علماء فریقین کو اتفاق ہے، بہت زیادہ ہیں ان حدیثوں میں رسول اکرمؐ نے اہل بیت علیہم السلام کی فضیلتوں کو بیان کیا ہے اور انہیں ہدایت دینے والے رہبر بتایا ہے۔ چونکہ یہ حدیثیں بہت زیادہ ہیں لہذا ہم صرف دو حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ مسلم نے اپنی صحیح میں باب فضائل علی ابن ابی طالبؑ میں نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

اے لوگو! میں بھی ایک بشر ہوں، ممکن ہے جلد ہی خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ آجائے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہہ دوں۔ آگاہ ہو جاؤ! میں تمہارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک کتاب خدا ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ کتاب خدا کو مضبوطی سے تھام لو۔ دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں تمہیں خدا کا واسطہ میرے اہل بیتؑ کو بھلا نہ دینا۔ تمہیں خدا کا واسطہ میرے اہل بیتؑ کو یاد رکھنا۔ (۱۰) صحیح مسلم ج ۴، ص ۱۸۷۳، ح ۲۳۰۸

۲۔ مسلم نے اپنی صحیح میں سعد بن ابی وقاصؓ سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ علیہ السلام سے فرمایا:

”اے علیؑ تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔

مگر یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ (۱۱)

ہم اختصار کی بنا پر ان ہی دو حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان حدیثوں سے واضح اور ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ عزت پیغمبرؐ کے بزرگ تھے اور آپ ہی نے رسول خداؐ کی حفاظت کی اور ان کے راستہ کو جاری رکھا۔ رسول اکرمؐ نے اسی بات پر تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے:

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

کیا یہی حدیث کافی نہیں ہے اس بات پر کہ امت علیؑ کے بغیر ”شہر پیغمبر“ میں داخل نہیں ہو سکتی۔ ان دو بزرگوں پر خدا کا درود و سلام ہو خدا نے گھر میں صرف دروازہ سے داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت علیؑ نے صرف رسول خداؐ سے علم حاصل کیا ہے آپ بچپن ہی سے رسول خداؐ کی تربیت میں رہے اور ہمیشہ رسول اکرمؐ کے ساتھ رہتے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے گزشتہ اور آئندہ کا علم آپ کو عطا کیا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:

”جبریلؑ نے مجھے کوئی ایسی چیز نہیں دی جو میں نے علی ابن ابی طالبؑ کو نہ سکھائی ہو۔“

اس بارے میں خود حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں:

”اگر مسند قضاوت بچھا دی جائے تو میں اہل توریت کے لیے توریت سے اور اہل انجیل کے لیے ان کی انجیل سے اور اہل قرآن کے لیے قرآن سے فیصلہ کروں گا۔ (۱۲)“

آپ مزید فرماتے ہیں: ”سلونی قبل ان تفقدونی“

”مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ میں تمہارے درمیان سے اٹھ جاؤں۔ (۱۳)“

تاریخ اسلام میں تمام مسلمان اور اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ دین و دنیا کے سب سے بڑے عالم علی ہیں۔ آپ دنیا کے پارسا ترین اور زاہد ترین فرد تھے آپ نے ہر طرح کی مصیبت اور سختیوں میں صبر کے اعلیٰ ترین مدارج کا مظاہرہ کیا اور جنگوں میں آپ کی شجاعت کی برابری کون کر سکتا ہے؟ اسی طرح خطا کاروں کو معاف کرنے اور غنہ و بخشش کا مظاہرہ کرنے میں بھی آپ کا ثانی نہیں ہے۔

ان مطالب کو کامل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رسول اکرمؐ اور اہل بیتؑ کے درمیان رشتہ اور ربط کے بارے میں آپ کے ارشادات پر توجہ کی جائے۔

☆ اسرار پیغمبران (اہل بیتؑ) کے حوالہ کیا گیا ہے جو بھی ان کی پناہ میں آئے اس نے راہ حق اختیار کی ہے، (وہ علم رسولؐ کے مخزن ہیں اور ان کی شریعت کے احکام کو بیان کرتے ہیں۔ قرآن و سنت ان کے یہاں محفوظ ہیں، وہ پھیلے ہوئے پہاڑ کی طرح دین کے پاسبان ہیں۔ انہیں کے ذریعہ اس کی پشت مضبوط ہے اور اس کے پہلو کی کچلی دور ہوئی ہے۔

(نسخ البلاغہ/خطبہ ۲)

☆ خدا کی قسم ہمیں پیغاموں کے پہنچانے، وعدوں کو پورا کرنے، امر و نہی کو بیان کرنے کا پورا علم ہے اور ہم اہل بیتؑ پر ہی علم و حکمت الہی کے دروازے کھلے ہیں۔ (نسخ البلاغہ/خطبہ ۱۲۰)

☆ کہاں ہیں وہ لوگ جو جھوٹ بولتے ہوئے اور ہم پر ستم روا رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ”راخون فی العلم“ ہیں نہ کہ ہم۔ خدا نے اس کے عوض ہمیں بلندی دی اور انہیں پستی میں ڈال دیا۔ ہمیں عطا کیا اور انہیں محروم کیا۔ ہمیں اپنی عنایت کے دائرہ میں رکھا اور انہیں باہر کر دیا۔ ہم ہی سے طلب ہدایت اور گمراہی کی تاریکیوں کو

چھانٹنے کی خواہش کی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کے کشت زار سے ابھرے ہیں۔ نہ امامت کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ بنی ہاشم کے علاوہ کوئی اس کا اہل ہو سکتا۔ (نسخ البلاغہ/خطبہ ۱۳۴)

☆ بلاشبہ، آل محمدؐ کی مثال آسمان کے ستاروں کے مانند ہے۔ اس لیے اگر ایک ستارہ غروب ہوتا ہے تو دوسرا ستارہ ظاہر ہو جاتا ہے گویا تمہارے حق میں خدا نے خیر و برکت کو کمال کی حد تک پہنچایا ہے اور جو کچھ تم آرزو کرتے ہو (خدا نے) تمہیں بخشا ہے۔ (نسخ البلاغہ/خطبہ ۱۰۰)

☆ اس امت میں کسی کو بھی آل محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آکر ملنا ہے۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لیے ہیں انہی کے بارے میں پیغمبرؐ کی وصیت اور انہی کے لیے نبیؐ کی وراثت ہے۔ اب حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا۔ (نسخ البلاغہ/خطبہ ۲)

☆ اور (میں اپنے نبیؐ کے طریقے اور) شاہراہ حق پر گامزن ہوں اور اسے باطل کے راستوں سے جدا کرتا رہتا ہوں۔ اپنے نبیؐ کے اہل بیتؑ کو دیکھو! ان کی سیرت پر چلو ان کے نقش قدم کی پیروی کرو۔ وہ تمہیں ہدایت و فلاح سے باہر نہیں ہونے دیں گے اور نہ گمراہی و ہلاکت کی طرف پلٹائیں گے۔ اگر وہ کہیں ٹھہریں تو تم بھی ٹھہر جاؤ اور اگر وہ انہیں تو تم بھی اٹھ کھڑے ہو۔ ان سے آگے نہ بڑھ جاؤ ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور نہ (انہیں چھوڑ کر) پیچھے رہ جاؤ ورنہ تباہ ہو جاؤ

گے۔ (نسخ البلاغہ/ خطبہ ۹۷)۔

☆ وہ علم کے لیے باعث حیات اور جہالت کے لیے سبب مرگ ہیں۔ ان کا علم ان کے علم کا، ان کا ظاہر ان کے باطن کا اور ان کی خاموشی ان کے کلام کی حکمتوں کا پتہ دیتی ہے۔ وہ نہ حق کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور نہ اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں وہ اسلام کے ستون اور بچاؤ کا ٹھکانہ ہیں۔ ان کی وجہ سے حق اپنے اصلی مقام پر پلٹ آیا اور باطل اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور اس کی زبان جڑ سے کٹ گئی۔ انہوں نے دین کو سمجھ کر اور حاصل کر کے اس پر عمل کیا ہے نہ یہ کہ صرف سنا اور لوگوں سے بیان کر دیا ہو۔ یوں تو علم کے راوی بہت ہیں مگر اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی تمہیانی کرنے والے کم ہیں۔ (نسخ

البلاغہ/ خطبہ ۲۳۹)

ہاں! یہ نسخ البلاغہ کے کچھ گوشے ہیں جنہیں میں نے امام علیؑ کی زبان سے نقل کیا ہے یہ کلام پیغمبرؐ اور آل پیغمبرؑ کے درمیان حقیقی رابطہ کی شکل کو بیان کرتا ہے نیز اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ صرف اہل بیتؑ ہی مختلف زمانوں اور صدیوں میں پوری بشریت کے اختلاف فکر و ذوق کے باوجود آنحضرتؐ کی راہ پر چلانے والے اور ان کے دین کی تبلیغ کرنے والے ہیں۔

امامؑ مسلمانوں کے نزدیک عترت طاہرہ کی منزلت کی وضاحت پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ یہ خود عترت طاہرہ کے محور و سردار ہیں اور پھر اپنی اس اہم ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے خدا و رسولؐ نے آپ کے سپرد کیا ہے کہ آپ اسے لوگوں کے درمیان نبھائیں اور اسے ترک نہ کریں۔

آپ فرماتے ہیں:

تو تم کہاں جا رہے ہو اور تمہیں کدھر موڑا جا رہا ہے حالانکہ ہدایت کے جھنڈے اور بلند نشانات ظاہر و روشن ہیں اور حق کے مینار نصب ہیں

اور تمہیں کہاں بھکایا جا رہا ہے اور کیوں ادھر ادھر بھٹک رہے ہو جبکہ تمہارے نبیؐ کی عترت تمہارے درمیان موجود ہے جو حق کی باگیں، دین کے پرچم اور سچائی کی زبانیں ہیں۔ ذکر خیر اور صدق گفتار سے ہم آہنگ ہیں لہذا انہیں بھی قرآن کے مانند محترم جانو! اور پیاسے اونٹوں کی طرح ان کے سرچشمہ ہدایت پر اترو۔

☆ اے لوگو! خاتم النبیین کے اس ارشاد کو سنو کہ (انہوں نے فرمایا) ہم میں سے جو مر جاتا ہے وہ مردہ نہیں ہے۔ اور ہم میں سے (جو بظاہر مر کر) بوسیدہ ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں بوسیدہ نہیں ہے۔ جو باتیں تم نہیں جانتے ان کے متعلق زبان سے کچھ نہ نکالو اس لئے کہ حق کا بیشتر حصہ انہیں چیزوں میں ہوتا ہے جن سے تم بیگانہ اور نا آشنا ہو۔ (جس شخص کی تم پر بحث تمام ہو) اور تمہاری کوئی بحث اس پر تمام نہ ہو۔ وہ میں ہوں۔ کیا میں نے تمہارے سامنے ثقل اکبر (قرآن) پر عمل نہیں کیا اور ثقل اصغر (اہل بیت) کو تم میں نہیں رکھا (چھوڑا)۔ میں نے تمہارے درمیان ایمان کا جھنڈا گاڑا۔ حلال و حرام کی حدیں بتائیں اور اپنے عدل سے تمہیں عافیت کے جاے پہنائے۔ اور قول و عمل سے حسن سلوک کا فرش تمہارے لیے بچھا دیا اور تم سے ہمیشہ پاکیزہ اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔

جس چیز کی گہرائیوں تک نگاہ نہ پہنچ سکے اور فکر کی جولانیاں عاجز رہیں۔ اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دو۔ (نسخ البلاغہ/ ۸۷)۔

محترم قارئین! اگر امام علیؑ کے کلام پر توجہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ وہ خود حدیث ثقلین کی تفسیر ہیں۔ وہی حدیث جسے اہل سنت حضرات نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب خدا اور اپنی عترت اگر ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

پیغمبرؐ نے تمہارے درمیان وہی چیزیں چھوڑی ہیں جو گزشتہ انبیاء اپنی امتوں کے درمیان چھوڑا کرتے تھے اس لیے کہ وہ لوگوں کو راہ روشن اور نشان محکم قائم کیے بغیر یوں ہی بے قید و بند انہیں نہیں چھوڑتے تھے۔ پیغمبرؐ نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے اس حالت میں کہ انہوں نے کتاب کے حلال و حرام و اجبات و مستحبات، ناخ و منسوخ، رخص و عزائم، خاص و عام، عبر و امثال، مطلق و مقید، محکم و متشابہ کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی اس کی گتھیوں کو سلجھا دیا۔ اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں جن کا جاننا واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اس کے بندے ان سے واقف نہ رہیں تو مضائقہ نہیں ہے۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کا واجب ہونا ثابت ہے لیکن حدیث میں اس کو منسوخ کیا گیا ہے۔ کچھ مطالب ایسے ہیں جن کا وجوب سنت میں واجب ہے اور اس پر عمل نہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں ان کا وجوب برطرف ہو جاتا ہے۔ قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے کچھ کبیرہ ہیں اور کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کی توقعات پیدا کی گئی ہیں کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصہ بھی مقبول ہے اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ (نسخ البلاغہ/ خطبہ ۱)

دین سے لگاؤ ماضی و حال میں

ظاہری بات ہے کہ دین اسلام جسے پیغمبر اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لائے آخری دین و شریعت ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

”ماکان محمد ابدا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین“ (احزاب/ ۴۰)

محمدؐ تم میں سے کسی شخص کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں۔

جب حضرت محمدؐ آخری پیغمبر اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے۔ تو پھر آپ کے بعد نہ کوئی پیغمبر ہے اور نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب الہی ہے۔ دین اسلام، دین خالص ہے جس میں تمام گزشتہ دین و آئین جذب ہو گئے ہیں۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وہ ہے جس نے اپنے پیغمبرؐ کو ہدایت اور دین حق پر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے اور خدا شاہد و گواہ کے عنوان سے کافی ہے۔

لہذا رسول اکرمؐ کی بعثت کے بعد سارے انسانوں پر واجب اور لازم ہے کہ گزشتہ ادیان جیسے یہودیت، عیسائیت سے دست بردار ہو جائیں اور اسلام اختیار کر لیں۔ شریعت محمدیؐ کی رو سے خدا کی عبادت کریں کیونکہ خدا اس دین کے علاوہ کسی اور دین کو قبول نہیں کرے گا۔ قرآن میں ارشاد ہے۔

”جو خدا کے دین کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں

میں سے ہوگا۔ (آل عمران/۸۵)

اس آیت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہود و نصاریٰ لاکھ دعویٰ کریں کہ ہماری شریعتیں صحیح ہیں اور ہم حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کی پیروی کرتے ہیں۔ لیکن انہیں دراصل رسول اکرم کی پیروی کرنی ہوگی۔ کسی یہودی و عیسائی کا اپنے دین پر باقی رہنے کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت محمد تمام عالم بشریت کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں اور آپ سارے عالم کے لیے رحمت ہیں اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ گزشتہ آسمانی شریعتیں بالکل بے اہمیت ہیں۔ خدا کے علم میں یہ بات تھی کہ اس کے بندوں نے شریعتوں کو تحریف کیا۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق اس کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر ڈالا۔ وہ گمراہ ہو گئے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ ایسے میں رسول اکرم کی بعثت سارے عالم کے لیے رحمت ہے تاکہ سب حق کو حاصل کریں اور جنت کے مستحق ہو جائیں۔

لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ حق سے کتراتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات و گمراہی میں گرفتار ہیں۔ خدا ایسے افراد کے بارے میں فرماتا ہے:

اہل کتاب اور مشرکوں سے جو لوگ کافر تھے جب تک ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل نہ پہنچے وہ اپنے کفر سے باز آنے والے نہ تھے۔ خدا کی طرف سے رسول بھیجے گئے تاکہ انہیں پاک آسمانی کتابیں پڑھ کر سنائیں، اس کتاب میں پُر زور اور درست باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اہل کتاب پیغمبر کے بارے میں اس وقت متفرق (اختلاف سے دوچار) ہوئے جب کہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلیل آچکی تھی۔ (بنہ/۱-۲)۔

کسی یہودی یا عیسائی کے لیے یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں محمد پر ایمان رکھتا ہوں لیکن اپنے دین پر باقی ہوں جیسا کہ بہت سی عیسائی عرب راہبوں سے میں نے سنا ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ خدا کو یہ بات ہرگز قبول نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ

رسول اکرم کی کامل طور سے پیروی کریں۔ اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

جو لوگ ہمارے پیغمبر انہی کے قدم بقدم چلتے ہیں جس کی بشارت کو اپنے یہاں توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ نبی جو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان پر حلال اور ناپاک اور گندی چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے۔ اور وہ سخت احکام اور رنج و مشقت کا بوجھ جو زنجیر کی مانند ان کی گردن پر تھا ان سے ہٹا دیتا ہے۔ پس یاد رکھو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے، اس کی عزت کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (قرآن) کی پیروی کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے تو یہی لوگ اپنی دلی مرادیں پائیں گے۔ (اعراف/۱۵۷)۔

خدا کی یہ دعوت نہ صرف یہود و نصاریٰ، بلکہ ساری انسانیت کو شامل ہے اس میں کسی طرح کا کوئی استثناء نہیں ہے۔

خدا ارشاد فرماتا ہے:

اے رسول تم کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کے پاس اس خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں جس کے پاس سارے آسمان و زمین کی بادشاہت (حکومت) ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے وہی مار ڈالتا ہے پس لوگو! خدا اور اس کے رسول، نبی آدمی پر ایمان لاؤ جو خود بھی خدا اور اس کی باتوں پر (دل) سے ایمان رکھتا ہے اور اسی کے قدم بقدم چلو تاکہ ہدایت پاؤ۔

قرآن صراحت کے ساتھ اعلان کر رہا ہے کہ صرف رسول اکرم کی نبوت کا معتقد ہونا کافی نہیں ہے بلکہ آپ کی تعلیمات پر عمل بھی ضروری ہے۔ اور پیغمبروں کو بھیجے کی حکمت و مصلحت بھی یہی ہے۔ لہذا تاریخ ہمیں کہیں بھی یہ نہیں دکھاتی کہ دنیا کے کسی پیغمبر نے اپنی امت سے یہ کہا ہو کہ مجھ سے پہلے جو

تمہارا دین تھا اس پر باقی رہو۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ پیغمبران خدا اپنے سے سابق پیغمبروں پر ایمان اور ان کی تصدیق کو لازم جانتے تھے تاکہ کوئی اُن کی نبوت پر اعتراض اور خدشہ نہ کر سکے اور عوام جہالت کی بنا پر انہیں خدانہ مان بیٹھیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

پیغمبر (محمدؐ) اور مومنین جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے، سب کے سب خدا، اسکے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں یا نبیوں پر ایمان لائے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم خدا کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرا ارشاد سنا اور مان لیا۔ پروردگار! ہمیں تیری ہی مغفرت کی خواہش ہے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(بقرہ/۲۸۵)

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام، مومن بندوں کے لیے خدا کا آخری تحفہ ہے۔ اور اس کے احکام و قوانین اہم اور ہر زمان و مکان سے سازگار ہیں۔ یہ قیامت تک کے لیے ہیں کیونکہ رسول اکرمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آنے والی ہے۔ خدا اس سلسلہ میں ارشاد فرما رہا ہے:

میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے دین کو اسلام کے عنوان سے پسند کر لیا۔ (مائدہ/۳)

آج کل مسلمانوں کا ایک طبقہ اسلام اور دینی احکام کا پابند نہیں ہے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کو عملی طور پر لاگو نہیں کیا جاسکتا اور عوام کی کثرت اسلامی احکام کو عملی طور پر اپنانے سے قاصر ہے۔ حتیٰ کے بعض روشن خیال دانشور یہ کہتے ہیں کہ زمان و مکان کے تقاضے کے مطابق اسلام میں رد و بدل ہونا چاہیے اور

تمام موارد میں اجتہاد ہونا چاہیے۔

روشن خیال اور تمدن مآب افراد ممکن ہے بہت سے جوانوں کی گمراہی کا سبب بن جائیں کیونکہ یہ افراد اسلامی دوتی کا بہت زیادہ دکھاوا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ سب سے زیادہ انہیں اسلامی احکام کو لاگو کرنے کی فکر ہے۔ وہ مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ بھی بتاتے ہیں کہ پندرہ صدیوں سے ان کے دین میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ آج زمانہ کتنا بدل چکا ہے جب دین آیا تھا تو آمد و رفت اور ٹرانسپورٹیشن کے ذرائع حیوانات ہوا کرتے تھے اور آج کا زمانہ راکٹوں کا زمانہ ہے جنگی رفتار آواز کی رفتار سے بھی زیادہ ہے۔ آج کا زمانہ ٹیلی فون، فیکس اور کمپیوٹر کا زمانہ ہے آج چند سیکنڈ میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ لہذا ہم قرآن کو اسی سطحی انداز سے نہیں لے سکتے۔ مثلاً آج کل چور کا ہاتھ کاٹنا یا قاتل کا سر تلواریں سے اڑانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اس سلسلہ میں یہ لوگ عجیب و غریب فلسفہ پیش کرتے ہیں۔

میں بھول نہیں سکتا کہ ایک روز یونیورسٹی کے ایک استاد جو روشن خیال بھی تھے سے گفتگو ہوئی۔ گفتگو کے درمیان ہم نے ان سے کہا: آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

علی کے جیسا جواں مرد اور ذوالفقار کے جیسی تلوار نہیں ہے

(مناقب خوارزمی ۱۰۱)۔

وہ مجھ پر بہت ہنسے اور کہنے لگے ڈاکٹر! اس طرح کی باتیں پھر نہ کہنا ایسے کلام رسولؐ کے زمانہ میں مامعنی تھا۔ جب دشمن پر غالب آنے میں تلوار کا اہم کردار ہوا کرتا تھا اور یہ واحد ہتھیار تھا کہ جس پر بہادر رجز، شعر اور قصیدہ کہتے تھے۔ لیکن آج ہم مشین گن کے زمانہ میں ہیں جس سے ایک سیکنڈ میں ۷۰ گولیاں نکلتی ہیں۔ آج جیٹ لڑاکا جہازوں کا زمانہ ہے جو چند سیکنڈوں میں ایک بڑے شہر کو نابود کر دیتے ہیں۔ بلکہ ہم ایٹم بم اور جدید ہتھیاروں کے زمانہ میں

ہیں جو چند لمحوں میں ایک برا عظم کو پوری طرح نابود کر سکتے ہیں۔ اور آپ ان سب سے بے خبر ہیں اور ابھی علی بن ابی طالبؑ کی شجاعت و بہادری کی تعریف کر رہے ہیں۔

ہم نے کہا: ہاں! البتہ جو باتیں آپ نے کہی ہیں یہ ان کی مخالف بھی نہیں ہے اور ہر جگہ کے لیے ایک بات موجود ہے۔ کیا آپ نے خداوند عالم کا وہ کلام نہیں دیکھا جہاں پر اس نے مقابلہ کرنے والے اسلحوں کا جدا جدا تذکرہ کرنے کے بجائے سبھی کو ایک کلمہ میں بیان فرمایا ہے:

”واعذوا لہم ما استطعتم من قوۃ“ (انفال/۶۰)

اور ان سے (مقابلہ) کے لیے جس قدر بھی قوت اکٹھا کر سکتے ہو کرو۔

ہر شخص اپنے زمانہ کی زبان میں مصدر قوت کی تعریف کرتا ہے۔ چاہے سب کے لیے ایک ہی معنی ہاتھ آئے یعنی اسلحہ۔ چنانچہ پروردگار عالم فرماتا ہے:

(وانزلنا الحديد فيہ باس شديد) (حدید/۲۵)

ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں سختی، جنگ (میں کام آنے کی صلاحیت) اور لوگوں کے لیے فوائد ہیں۔

لہذا تمام اسلحے چاہے وہ ابتدائی ہوں جیسے تلوار و نیزہ یا جدید ہوں جیسے بم، مشین گن، ٹینک..... ان سبھی کو کلمہ ”باس شدید“ اپنے اندر شامل کر لیتا ہے اور دوسری طرف تمام راحت و آرام کے وسائل مثلاً گاڑیاں، ہوائی جہاز، کشتی، ٹیلی ویژن وغیرہ کو ”منافع للناس“ اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ کتنا پاکیزہ ہے وہ پروردگار جس نے لوہے کو خلق کیا اور اسے لوگوں کے حوالہ کیا اور جو باتیں وہ نہیں جانتے تھے تعلیم فرمائیں۔

اس طرح قرآن تک سبھی کی دسترس ہے اور ہر نسل اپنی زبان میں اسے سمجھتی اور محسوس کرتی ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ قرآن کو سطحی اور ظاہری طور پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ اور چور کے ہاتھ کاٹنا یا قاتل کا سر قلم کرنا۔ ان سے اگر آپ کی

مراد یہ ہے کہ احکام الہی میں بشری تقاضوں کے تحت تبدیلی ہونی چاہیے اور آپ کے خیال میں یہ احکام بندگان خدا کے لیے مناسب نہیں ہیں اور مہربانی و نرمی سے دور ہیں تو اس کلام کو قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے کہ یہ سو فیصدی کفر ہے۔

لیکن اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ترقی کرنی چاہیے اور مجرموں کو سزا دینے اور پھانسی دینے کے وسائل کو جدید بنانا چاہیے تو یہ بحث کا مقام ہے کیونکہ یہ چیزیں امور ثانوی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اسلامی شریعت نے اس پر سختی نہیں کی ہے گرچہ قصاص میں حدود الہی کے اجرا کے سلسلہ میں سختی کی ہے۔ اور خداوند عالم نے فرمایا ہے:

اے مومنین! تم پر قصاص واجب کیا گیا ہے۔ اے عقل رکھنے والو!

قصاص میں زندگی ہے۔ تاکہ تم تقویٰ کو اپنا شعار بنالو۔

(بقرہ/۱۷۹-۱۸۰)

اب یہ کہ چور کا ہاتھ تلوار سے یا چاڑ سے یا پھر کسی جدید وسیلہ سے کاٹنا چاہیے اس کی بازگشت حاکم شرع یا مرجع تقلید کی طرف ہے کہ وہ اجتہاد کرے اور اپنا نظریہ دے۔

استاد محترم! اہم یہ ہے کہ الہی احکام کو یورپی حکومتوں کے ہاتھوں وضع کیے گئے احکام کے ساتھ تبدیل نہ کریں۔ اور کیا خود یورپیوں نے مجرم کے لیے پھانسی کی سزا کو ختم نہیں کر دیا ہے چاہے اس کا جرم کتنا بڑا کیوں نہ ہو؟ اس طرح اس کام کے ذریعہ حکم خدا کو ترک کرتے ہوئے قصاص کو ختم کر دیا ہے۔ اور اگر ایسا ہوا تو اس زمانہ کا زندگی سے خاتمہ ہو جائے گا۔ مجرم فساد و تباہی پھیلائیں گے اور انسانوں کو نابود کر ڈالیں گے اور زندگی ایک ایسے جہنم میں تبدیل ہو جائے گی کہ اس میں کوئی خیر نہ ہوگا۔

استاد کہنے لگے: شر کا علاج ترسے نہیں، کیا جاسکتا اور اعداد و شمار سے بچو۔

چلتا ہے کہ بہت سے موت کی سزا پانے والے بے گناہ تھے۔

میں نے کہا: معذرت چاہتا ہوں آپ کی باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ خود کو پروردگار عالم سے زیادہ عقل و فہم رکھنے والا سمجھتے ہیں۔ اور یہ بات غلط ہے۔ اور یہ کہ اکثر موت کی سزا پانے والے بے گناہ تھے یہ ایک دوسری بات ہے۔ البتہ یہ بات سمجھنا چاہیے کہ اسلام صرف جہنم یا الزام کی بنیاد پر سزا نہیں دیتا بلکہ سزا کے لیے اقرار، اعتراف، گواہ و شاہد وغیرہ ضروری ہے۔ بہر حال ہماری یہ گفتگو کسی نتیجہ پر نہ پہنچی اس لیے کہ ہر ایک اپنی بات پر جما ہوا تھا۔

کتنا بہتر ہوگا کہ ہم اپنی گفتگو آنحضرتؐ کے متعلق حضرت امیر المومنینؑ کے کلام سے تمام کر دیں آپ فرماتے ہیں:

اللہ نے اپنے رسولؐ کو چمکتے ہوئے نور روشن دلیل کھلی ہوئی راہ شریعت اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا۔ ان کا قوم و قبیلہ بہترین قوم و قبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے۔ جس کی شاخیں سیدمی اور پھل جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا مولد مکہ اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے جہاں سے آپ کے نام کا بول بالا ہوا اور آپ کا آوازہ (چارسو) پھیلا۔ اللہ نے آپ کو مکمل دلیل شفا بخش نصیحت اور (پہلی جہالتوں کی) تلافی کرنے والا پیغام دے کر بھیجا اور ان کے ذریعہ سے (شریعت کی) نامعلوم راہیں آشکار کیں۔ اور غلط سلط بدعتوں کا قلع قمع کیا (قرآن و سنت میں) بیان کیے ہوئے احکام واضح کیے تو اب جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے تو اس کی بدبختی مسلم، اس کا شیرازہ درہم برہم اور اس کا منہ کے بل گرنا سخت و (ناگزیر) اور انجام طویل حزن اور مہلک عذاب ہے۔ (نسخ البلاغہ/ عربی ۱۶۱۔ اردو ۱۶۰)

ٹھیک یہی قرآن کریم کی عبارت ہے جو فرماتا ہے:

جو بھی اپنے لیے اسلام کے علاوہ اور کوئی دین اختیار کرے تو اس سے

ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھانا اٹھانے والوں میں ہوگا

..... (آل عمران/ ۸۵)

میرے خیال میں اس بیان کے بعد اب اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ چالوسی کرتے ہوئے اپنے یہودی و مسیحی دوستوں سے کہیں کہ چونکہ ہم سبھی ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم بھی حق پر ہیں اس لیے کہ جس خدا نے موسیٰ و عیسیٰ کو مبعوث فرمایا اسی خدا نے محمدؐ کو بھی مبعوث فرمایا اور اگر ہم پیغمبروں کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں تو کیا ہوا، جس خدا نے ان کو مبعوث فرمایا اس میں تو اختلاف نہیں رکھتے! جبکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

(اے رسول) تم ان سے پوچھو کہ کیا تم ہم سے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ (وہی) ہمارا بھی پروردگار ہے اور (وہی) تمہارا بھی پروردگار ہے۔ ہم اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو۔ اور ہم تو زے کھرے اسی کے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ سب کے سب یہودی یا نصرانی تھے (اے رسول) ان سے پوچھو تو کہ تم زیادہ واقف ہو یا خدا اور اس سے پڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی موجود ہو (کہ وہ یہودی نہ تھے) اور پھر وہ چھپائے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے بے خبر نہیں ہے۔ (بقرہ/ ۱۳۰-۱۳۹)۔

کیا اسلام پر عمل مشکل ہے؟

یہ وہ دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی بنیاد نہیں اور جو بھی اس طرح کا دعویٰ کرے وہ یا تو جاہل اور بے وقوف ہے یا اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہے یا پھر اسلام کا دشمن ہے۔ اور لوگوں کو اس سے متفرک کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کو شش میں ہے کہ لوگ اپنے دینی احکام سے دست بردار ہو جائیں۔

یا آخری صورت یہ ہے کہ وہ غلو کرنے والا دھیالوس ہے۔ جو ضدی فقہاء کے علاوہ اور کسی کے نظریہ کو قبول نہیں کرتا جنہوں نے لوگوں پر خدا کی پرستش کو حرام کر ڈالا اور خود کو لوگوں کے لیے خدا کا جانشین مقرر کر دیا ہے۔ لہذا یہ اپنی عقل یا اپنی مخصوص روایتوں کے تحت حلال و حرام کرتے ہیں اور فتویٰ دیتے ہیں! اس کے متعلق جو جملہ سب سے پہلے کہنا چاہئے آنحضرت کا کلام ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

آسانی پیدا کرو اور لوگوں پر سختی نہ کرو۔ بشارت دو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو (۱۳)۔

خود پر بھی سختی نہ کرو تا کہ خداوند عالم تم پر سختی نہ کرے۔ جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا۔ (۱۵)

اور اکثر اپنے اصحاب کے درمیان فرماتے تھے:

میں نہ تمہارے لیے بد سختی اور بیچارگی چاہتا ہوں اور نہ ہی ذلت و رسوائی۔ بلکہ مجھے تو خدا نے آسانی چاہنے والے معلم کی صورت میں

مبعوث فرمایا ہے (۱۶)۔

اور یہ مشہور ہے کہ آنحضرت جب دو باتوں کے درمیان کوئی چیز اختیار کرنا چاہتے تو سب سے آسان کو اختیار فرماتے تھے۔

اور اسی طرح جیسا کہ بعض خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت شارع نہیں تھے (۱۷)۔ آنحضرت کی امر و نہی سوائے پروردگار عالم کی تبلیغ کے اور کچھ نہیں تھی۔

آنحضرت جو کچھ پروردگار عالم کا حکم ہوتا اسے بغیر کسی کی یا زیادتی کے لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ اور جو کچھ کہتے سوائے وحی الہی کے کچھ اور نہ ہوتا۔ اس لیے کہ وہ اپنی خواہش نفس کی بنیاد پر گفتگو نہ کرتے تھے بلکہ سب وحی ہوتی تھی۔

”وما ينطق عن الهوى“ ان هو الا وحى يوحى“ (نجم/۳-۴)

اب ہم قرآن سے استغنا کر لے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ کیا اسلام مشکل و دشوار ہے؟ قرآن کے شروع کے مطالعہ میں ہی ہم اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ مشقت و تکلیف کو اپنے بندوں سے ختم کرتا ہے اور ان کے لیے ہرگز حرج مرج نہیں چاہتا۔ وہ فرماتا ہے:

خدا نے تم کو منتخب کیا اور تمہارے لیے دین میں کسی قسم کی مشقت و تکلیف کو قرار نہیں دیا۔ (ج/۷۸)

اور دوسری جگہ فرماتا ہے:

خدا تو تمہارے لیے ہرگز سختی و مشکل نہیں چاہتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں (آلودگیوں سے) پاک رکھے اور تم پر اپنی نعمت (دین اسلام) کو تمام کرے تاکہ تم شکر گزار رہو (مائدہ/۶)

اور ایک مقام پر فرماتا ہے:

خداوند عام تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے نہ کہ مشکل و سختی (بقرہ/۸۵)۔

یہ آیات امت اسلامی سے مربوط ہیں جنہوں نے دین اسلام کو قبول کیا

ہے اور عبادات و معاملات میں اس کے احکام و قوانین کو اختیار کیا ہے لیکن پروردگار کی رحمت سبھی کے شامل حال ہے چاہے وہ کسی بھی دین و آئین کا پیرو ہو۔ وہ سب ہی پر مہربان ہے اور اس نے کبھی بھی کسی کو مشقت میں نہیں رکھا۔ خداوند عالم انسان کی خلقت کے متعلق فرماتا ہے:

اس نے اسے نطفہ خلق کیا پھر راہ کو اس پر آسان کر دیا (میس/۱۹)
لہذا الہی راہ جسے انسان اپنی زندگی میں کوشش کے ساتھ طے کرتا ہے تاکہ اس کی طرف پلٹ سکے بہت ہی آسان راہ ہے اس میں ذرا بھی مشقت اور دشواری نہیں ہے۔

خداوند عالم نے اپنی کتاب میں چار جگہ انسان کو آسان باتوں کے لیے مکلف کیا ہے اور فرمایا ہے:

۱۔ خداوند عالم نے کسی کو بھی اس کی توانائی سے زیادہ حکم نہیں دیا ہے (بقرہ/۲۸۶)

۲۔ کسی کو بھی اس کی قوت سے زیادہ مکلف نہیں کیا ہے (انعام/۱۵۲)

۳۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنی توانائی کے مطابق نیک عمل انجام دیا۔ بے شک ہم کسی کو بھی اس کی قدرت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے (اعراف/۳۲)

۴۔ اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف دیتے ہی نہیں اور ہمارے پاس تو لوگوں کے (اعمال کی) کتاب موجود ہے جو بالکل ٹھیک (حال) بتاتی ہے اور لوگوں کی ذرہ برابر حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ (مومنون/۶۲)

ان آیات شریفہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خداوند عالم نے کسی بھی شخص کو اس کی توانائی سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی ہے اور یہ حضرت آدمؑ کے زمانہ سے لے کر ابھی تک رہا ہے۔

اب اگر دین میں سختی پیدا ہوگئی ہے تو یہ لوگوں کے اجتہاد کا نتیجہ ہے جنہوں نے شریعت کے اعلیٰ مقاصد کو اپنی فہم کے مطابق تاویل کیا ہے یا پھر بعض بڑے گناہوں کے مرتکب ہوئے تھے۔ پھر اپنے کو مشقتوں میں مبتلا کرتے تھے اور تکلیف دیتے تھے تاکہ شاید خداوند عالم انہیں بخش دے اور ان کی مغفرت فرمائے۔ لہذا انہوں نے کچھ باتیں ایجاد کیں اور اپنے نفس پر سختی کی۔ خداوند عالم نے بھی ان کے لیے ان امور کو لازم و ضروری قرار دیا مگر چہ آخر کار انہوں نے اسے پورا نہ کیا۔

اس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے:

اور رہبانیت (لذات سے کنارہ کشی) کی ان لوگوں نے خود ایک نئی بات نکالی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر (ان لوگوں نے) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے (خود ایجاد کر لیا) تو اس کو بھی جیسا جانا چاہیے تھانہ باہر کیے (حدید/۲۷)

یہی وہ مقام ہے جہاں رسول خداؐ کا کلام نظر آتا ہے کہ:

اپنے آپ پر سختی نہ کرو تاکہ خدا بھی تم پر سختی نہ کرے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا (۱۸)۔

اس منطق کو پیش نظر رکھنے کے بعد خداوند عالم کا کلام بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جسے اس نے رسول اکرمؐ کے متعلق فرمایا ہے:

(وہ نبیؐ) جو انہیں اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے اور جو پاک اور پاکیزہ چیزیں ان پر حلال اور ناپاک اور گندی چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے اور وہ (سخت احکام کا) بوجھ جو ان کی گردنوں پر تھا اور وہ پھندے جو ان پر (پڑے ہوئے) تھے اسے ہٹا دیتا ہے۔ (اعراف/۱۵۷)۔

لہذا انہوں نے خود یہ قید و بند اپنے لیے تیار کر رکھی تھی۔ خدا نے ایسا نہ کیا

تھا۔

اس بحث سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ دین اسلام میں کسی قسم کی مشقت، سختی، مشکل اور قید و بند نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک سہل اور آسان دین ہے جو بندوں کے لیے سوائے رحمت و مہربانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا دین ہے جس نے ہمیشہ انسانوں کی جسمانی اور روحانی کمزوری کا پاس رکھا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے:

خداوند عالم تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے بے شک انسان کمزور خلق
ہوا ہے (نساء/۲۸)۔

اور تم پر یہ تمہارے پروردگار کی رحمت تخفیف کی وجہ سے ہے
(بقرہ/۱۷۸)

اس طرح آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اہل بیت کی شناخت کے مطابق اور عام مجتہدوں کے اجتہاد اور مشکل پرستوں کی مشقت سے قطع نظر اسلام کیسا سہل و آسان دین ہے کہ آج کا انسان بھی دیگر زمانوں کے انسانوں کی طرح بغیر کسی سختی اور مشکل کے اسلام کو اپنی دنیا و آخرت کے لیے منتخب کر سکتا ہے۔

کیا اسلام ترقی کو قبول کرتا ہے؟

بے شک! اسلام نہ صرف ترقی کا مخالف نہیں ہے بلکہ خود عین ترقی و تمدن ہے۔

اسلام وہ بلند معنی و مفہوم ہے جسے انسان نے بشریت کے آغاز سے ہی پایا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات موجود ہیں جو علم اور حصول علم کا شوق دلاتی ہیں اور انسان سے چاہتی ہیں کہ زندگی کے اعلیٰ مراحل تک پہنچنے کے لیے عقل و خرد سے کام لے چاہے اسے خلاء میں کیوں نہ پہنچنا ہو۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اے گروہ جن دانش اگر تم آسمان و زمین کی حدود سے آگے جاسکتے ہو تو
جاؤ (رحمن/۳۳) (۱۹)۔

خداوند عالم نے ایک دوسری آیت میں انسان کو تمام مخلوقات پر برتر قرار دیا ہے اور اسے بتایا ہے کہ تمام کائنات اور مخلوقات اس کی خدمت پر کمر بستہ ہیں۔

فرماتا ہے:

خدا تو وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور اس کے فضل (و کرم) سے (معاش کی) تلاش کرو اور شکر کرو اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے اس میں (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں (جاثیہ/۱۲-۱۳)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

کیا تم لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (غرض سب کچھ) خدا ہی نے انہیں تمہارا تالیق کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو (خواہ مخواہ) خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں (حالانکہ) نہ ان کے پاس علم ہے نہ ہدایت ہے اور نہ کوئی روشن کتاب ہے۔ (لقمان/۲۰)

وہ مسلمان جو اپنے خدا کی کتاب میں یہ پڑھتا ہے کہ جو کچھ آسمان میں افلاک، چاند، سورج، برج، کہکشاں، ستارے، ہوا، بادل، برف و باران کا وجود ہے اور زمین پر دریا، نہریں، پہاڑ، بیابان، جنگلات، درندے، حیوانات، خزانے، معادن، پتھر، جمادات و نباتات وغیرہ ہیں کبھی کچھ اس کے لیے مسخر کر دیئے گئے ہیں تو پھر وہ کیسے ہاتھ پر ہاتھ دھرے اہل مغرب کی ایجاد و پیشرفت کا خطرہ دیتا ہے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو اس نے اپنے فریضہ کو ترک کر دیا ہے اور اپنی وقعت کو گرا دیا ہے اور اسے زبردست گھانا ہوا ہے۔ اس لیے کہ جو قرآن خدا کی جانب سے نازل ہوا ہے اس میں ساری چیزیں موجود ہیں اور کسی قسم کی کمی اور نقص اس میں نظر نہیں آتا۔

قرآن فرماتا ہے:

ہم نے کتاب میں کوئی بات فرو گذاشت نہیں کی ہے۔

(انعام/۳۸) (۲۰)۔

رسول خدا نے بھی (انسان) کو علم و دانش کے حاصل کے لیے تشویق

دلائی ہے اور فرمایا ہے: ”گہوارہ سے قبر تک علم حاصل کرو۔“

صرف یہی نہیں بلکہ اسے سب سے بلند مقام کی ترغیب دلاتے ہوئے

فرماتے ہیں:

”اگر انسان عرش سے آگے کا حوصلہ بھی رکھے تو وہاں بھی پہنچ سکتا ہے“

لہذا اسلام علم و دانش اور ترقی کے میدان میں بہت آگے گیا ہے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ کا قائل نہیں ہے۔ البتہ اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ کہیں بات طولانی نہ ہو جائے اور کتاب کے اصل مقصد سے خارج نہ ہو جائیں تو اس موضوع پر ایک مفصل بحث کرتا۔ محققوں کی ذمہ داری ہے کہ اس موضوع پر دوسری تحقیقی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

یہ مطالب اس سوال کا جواب تھے جسے شروع میں ہی عرض کیا تھا۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ترقی سے مراد فقط علمی، فقہی، تکنیکی اور صنعتی ترقی ہو جس نے یورپیوں، امریکیوں اور خصوصاً جاپانیوں کی عقلوں اور ان کے گھروں کو چکا چوند کر رکھا ہے۔ اور مسلمان اس سے بے خبر ہیں ان کے خیال میں یہ ساری قابل توجہ ایجادات اور علمی ترقی غیر مسلموں کے ہاتھوں ہوئی ہے اور اسلام ان کی پس ماندگی کا باعث ہے!!! خصوصاً بعض کمیونزم پرست جو دین کو قوم کے لیے ایفون سمجھتے ہیں۔ اگر ان کے پاس انصاف ہوتا تو یہ سمجھ لیتے کہ دین اسلام نے ہی قوموں کو زندہ کیا ہے اور انسانی ترقی کو دائمی رفتار بخشی ہے۔ کیا یہی اسلام نہ تھا جس نے ایک ناچیز قوم کو کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ تھا اسے جزیرۃ العرب میں ہر چیز کا مالک بنا دیا۔ اور اس درجہ کہ یہی پسماندہ سرزمین ساری دنیا کے لیے علم، ترقی، پیشرفت اور مدنییت کا مقصد و مرکز بن گئی۔ اور بعض یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ ”اسلام و عرب کا سورج یورپ پر چمکنے لگا“ اور یہ اقرار کیا کہ ان بادیہ نشین عربوں نے اسلام سے متشک ہونے کے بعد بھلائی کے ہر میدان میں ترقی کر لی اور ہر طرح کے ایجاد میں پیش قدم ہو گئے (۲۱)۔

اگر ترقی سے مراد وہ ترقی ہے جسے اہل مغرب و امریکہ نے اپنے یہاں کھلی آزادی کا لباس پہنا رکھا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم جنس

بازی اور برہنہ رہنے والوں کے لیے کلب کھول دیئے گئے ہیں اور جانوروں اور کتوں کے لیے میراث معین کر دی گئی ہے۔ ہر روز نئی چیز وجود میں آرہی ہے۔ اور وہ تمام اخلاقی برائیاں جس کی مغربی ٹیلی وژن سے تبلیغ ہوتی ہے تو بلاشبہ اسلام نے ایسی باتوں کو اپنے یہاں کوئی جگہ نہیں دی ہے اور نہ صرف یہی بلکہ پوری طاقت کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا ہے اور فسادِ جاہلی کے تمام مراکز کو ختم کرنے کے درپے ہے۔

یہاں ضروری ہے کہ ہم کچھ مسلمانوں کی بعض عجیب و غریب روش کی طرف بھی اشارہ کریں جو رسولِ خدا کی سنت سے تمسک کے مدعی ہیں اور خود کو (سلفی) کہتے ہیں مثلاً ہم ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ایک لمبا کرتا یا انڈیا عربی پیر بن پہنے ہوئے ہیں۔ داڑھی سینے تک لہرا رہی ہے۔ ہاتھ میں ایک عصا ہے، مسجد کے کنارے کھڑے ہیں، (اراک) لکڑی سے مسواک کر رہے ہیں اور کبھی دائیں طرف کے دانت اور کبھی بائیں سمت کے دانت رگڑے جارہے ہیں۔ کبھی اس سے نکلتی رطوبت کو تھوک دیتے ہیں تو کبھی نگل جاتے ہیں! اپنے سر کو باندھ رکھا ہے۔ حتیٰ کہ چچہ اور کانٹے سے کھانا کھانے کو تیار نہیں ہوں گے مخالفت کریں گے۔ حتیٰ کہ چچہ اور کانٹے سے کھانا کھانے کو تیار نہیں ہوں گے بلکہ ہاتھ سے نوش فرمائیں گے۔ انگلیوں کو برابر چاٹتے رہیں گے اور فرمائیں گے: میں رسولِ خدا کی سیرت پر عمل کرنا چاہتا ہوں!!!

اور بعض تو دو چار قدم اور آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے لاؤڈ اسپیکر سے اذان ممنوع کر دی ہے۔ اس لئے کہ یہ رسول کے زمانہ میں نہ تھا اور یہ بدعت ہے!!

اور بعض نے تو پسماندگی کو اس کے اوج پر پہنچا دیا ہے اور سوچ رہے ہیں کہ لوگوں کو ان باتوں کی جانب واپس لائیں لہذا جو بھی تیز آواز میں ہنستا ہے منع

کرتے ہیں، فوراً اس پر بگڑ پڑتے ہیں اور ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دیتے ہیں اور ہنسنے سے منع کرتے ہیں اس لیے کہ آنحضرتؐ فقط مسکراتے تھے۔ اور اگر انہوں نے کسی کو پیٹ کے بل لینا ہوا دیکھ لیا تو زور سے لات مارتے اور نیند سے اٹھا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے شیطان سوتا ہے۔

میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی چھوٹی بچی کی پٹائی کر رہا ہے۔ وجہ صرف یہ تھی کہ اس کم سن بچی نے مہمانوں کو داہنے ہاتھ کے بجائے بائیں ہاتھ سے شربت پیش کر دیا تھا۔ اتنے مہمانوں کے سامنے اس بچی کی اہانت اور پٹائی کر کے ان کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ سنت کی حفاظت کرنی چاہیے!!! آخر یہ کیسی سنت ہے جس سے لوگ متنفر اور بددل ہو جائیں خصوصاً اس وقت جب اسلام اس شکل میں دشمنوں اور غریبوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

ملاحظہ یہ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے اور اسلام کا منور چہرہ پیش کرنے اور اپنی طرف جذب کرنے کے بجائے ایسی ہی بری اور نازیبا حرکتوں سے متنفر کر دیتے ہیں کہ جن پر پھر کسی تبلیغ کا اثر نہیں ہو سکتا۔

ان کو یہ نہیں معلوم کہ رسولِ خداؐ نے اگر ان دنوں اراک کی شاخ کو مسواک کے بطور استعمال کیا اور اسے دانتوں کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے کام میں لائے تو یہ اس لئے تھا کہ اس زمانہ میں آج کی طرح مختلف قسم کے رش اور ٹوتھ پیسٹ نہیں تھے اور یہ آنحضرتؐ کی ترقی پسندی کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ نے اس زمانہ میں دانتوں کی صفائی اور پاکیزگی پر اس درجہ توجہ دی۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی۔ لیکن یہ ان باتوں سے قانع نہیں ہوتے اور استدلال پیش کرتے ہیں کہ اراک کی شاخ سارے برش اور ٹوتھ پیسٹ سے بہتر ہے اس میں مخصوص نمک ہے وغیرہ وغیرہ..... اگر آپ ان سے اس ترقی کے متعلق بتائیں کہ یہ ٹوتھ پیسٹ دانت اور منہ کو اسٹریلائز (sterilize) کر دیتا ہے، صاف کرنے

والا اور بہت ہی مفید ہے تو بھی وہ اس لکڑی کو بہتر سمجھیں گے۔ اور اس کو غیر طبعی ڈھنگ سے جیب میں رکھیں گے بلکہ کبھی کبھی تو آپ دیکھیں گے منہ کے خون کی وجہ سے اس کا رنگ لال ہو گیا ہے! مگر پھر بھی وہ رسول خدا کا قول دہراتے ملیں گے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

اگر مجھے اپنی امت کے لیے سختی کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنی امت پر ہر واجب نماز سے پہلے سواک کرنا واجب قرار دے دیتا۔

افسوس کہ یہ لوگ سنت پیغمبرؐ کے متعلق سوائے سطحی اور ظاہری مسائل کے اور کچھ نہیں جانتے اور آنحضرتؐ کے قول کے روحانی اور علمی گوشوں سے بالکل بے خبر ہیں۔

بہر حال یہ اندھی تقلید کی طرح ان باتوں اور حرکتوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ نہ ہی فہم و ادراک کی بنیاد پر ہے اور نہ ہی غور و تحقیق سے اس کا کوئی ربط ہے۔ فقط جو باتیں اپنے پیشواؤں اور اماموں سے سن لی ہیں اسی کی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ اس میں بہت سے تو سطحی معلومات رکھتے ہیں اور شاید صد فی صد جاہل ہوں۔ لیکن اگر ان پر اعتراض کیجئے تو کہیں گے کہ رسولؐ نے بھی علم حاصل نہ کیا تھا!!!

بس ایسے افراد پر تو اس زمانہ میں فخر و مباہات کرنی چاہیے جو قول میں بھی اور شکل و انداز میں بھی آنحضرتؐ کے پیرو ہیں!!!

ایک مرتبہ مسجد عمر بن خطاب (پیرس میں) میں نے ان سے بحث کی اور کہا: کیا آپ واقعا سنت پیغمبرؐ سے متمسک ہیں اور جو بھی نیا ہے اسے بدعت سمجھتے ہیں اور معتقد ہیں کہ جو چیز نئی ہیں وہی سب سے بدتر ہیں۔ اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت و گمراہی کا انجام دوزخ ہے؟

انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ تو میں نے کہا پھر آپ کا رپٹ پر کیوں نماز پڑھتے ہیں؟ جبکہ یہ مصنوعی اور جدید طرز پر بنا ہوا فرش ہے یہ مغربی ممالک

میں بنا ہے معلوم نہیں اسے کس مواد سے بنایا گیا ہے؟ جو چیز قطعی ہے وہ یہ کہ آنحضرتؐ نے ہرگز کارپٹ کے اوپر نماز ادا نہیں فرمائی۔ اور اصلاً اسے انہوں نے دیکھا تک نہیں!!

ان میں سے بعض کہنے لگے ہم مغربی ملکوں میں رہتے ہیں ہمارا حکم مضطر (مجبور) کا ہے لہذا فقہ میں یہ بات آئی ہے کہ ضرورت حرام چیزوں کو جائز کر دیتی ہے۔

میں نے کہا یہ کون سی ضرورت ہے آپ اس فرش کو اٹھا دیں اور زمین پر نماز پڑھیں کیونکہ آنحضرتؐ نے زمین پر نماز ادا کی ہے یا پھر کم از کم سجدہ کی جگہ پر پتھر رکھ لیں؟

امام جماعت نے مذاق اڑانے کے انداز میں ہماری طرف رخ کیا اور کہا:

تم جیسے ہی مسجد میں داخل ہوئے میں سمجھ گیا کہ تم شیعہ ہو۔ کیونکہ تم نے سجدہ کی جگہ پر کاغذ رکھا تھا ہم نے کہا: اس میں کوئی حرج ہے؟ کیا آپ جس صحیح سنت کا نعرہ لگاتے ہیں اس سے ہمیں مطمئن کر سکتے ہیں؟

اس نے کہا: مجھے بحث کرنے کو وہ بھی خاص کر شیعوں سے منع کیا گیا ہے۔ اور ہم تمہاری ایک بھی بات سننے کو تیار نہیں ہیں۔ ہمارے لئے ہمارا دین اور تمہارے لئے تمہارا دین کافی ہے۔

یہ وہ سرگذشت تھی جس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوا اور اس سے مسلمان اور روشن فکر حضرات کو اندازہ ہوگا کہ سنت پیغمبرؐ کبھی بھی علمی ترقی اور ٹیکنالوجی کی مخالف نہیں رہی ہے اور اسے ہرگز حرام قرار نہیں دیا گیا ہے۔

مرد ہو یا عورت اس پر ہرگز مناسب لباس پہننا حرام قرار نہیں دیا گیا، بس یہ ضروری ہے کہ بدن ڈھلکا چاہیے اور توہین کا باعث نہ ہونا چاہیے۔ اور عورتوں

کو پردہ کی رعایت کرنی چاہیے۔ چونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

پروردگار عالم تمہارے لباس، حالت، شکل و صورت اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ صرف تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۹۸/ ج ۲۵۶۳)

چنانچہ سنت پیغمبرؐ ہرگز ڈانٹنگ ٹیبل اور چچہ، کانٹے کی مخالف نہیں ہے۔ بلکہ اہم یہ ہے کہ انسان کھانے پینے میں ادب کا پاس رکھے اس طرح کہ ساتھ بیٹھنے والے یہ خیال نہ کریں کہ حیوانوں کی طرح شکار پر ٹوٹا پڑ رہا ہے اور کھانے پینے میں اس کے دائرہ میں اور بال شریک نہ ہوں۔

سنت پیغمبرؐ ٹوتھ پیسٹ اور برش سے دانت منہ کی صفائی کی مخالف نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس بات کی مخالف ہے کہ انسان اپنے بدن کو پاک صاف رکھے، بدن کے زائد بالوں کو دور کرے، خوشبو لگائے اور خود کو معطر کرے تاکہ لوگ اس سے متنفر نہ ہوں نیز جیب میں ایک صاف رومال رکھے۔ لیکن وہ لوگ جو سنت کی پیروی کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے بدن کی بدبو خصوصاً گرمی میں حمام نہ جانے کی حکایت کرتی ہے راہ چلتے ہوئے ہاتھ کو آب دہن سے آلودہ کرتے ہیں۔ تاکہ کی کثافت لوگوں کا خیال کئے بغیر جہاں چاہتے ہیں چھینک دیتے ہیں ہاتھ کو دامن سے صاف کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ..... خدا کی قسم سنت پیغمبرؐ سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

سنت پیغمبرؐ ہرگز ممانعت نہیں کرتی کہ مسلمانوں تک اذان کی آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ اسپیکر، مائیکروفون، ٹیپ ریکارڈر کا استعمال نہ کیا جائے حتیٰ کہ اس بات کی بھی ممانعت نہیں کرتی کہ مسجد میں ویڈیو کا استعمال کیا جائے۔ اور اوقات نماز کے علاوہ اس پر اسلامی فلم یا دینی سبق دیکھا اور سنا جائے۔

سنت پیغمبرؐ مسلمان عورتوں کے سینٹری نپکین (Sanitary Napkin) کے استعمال کی ممانعت نہیں کرتی اور اگر وہ مباح کاموں کے لیے ڈرائیونگ کرتی

۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

ہیں اور بازار جا کر دکانوں سے اپنی ضرورت کا سامان خریدتی ہیں تو سنت پیغمبرؐ اسے حرام نہیں سمجھتی۔ صرف شرعی پردہ کا خیال رکھیں۔ اپنے دامن کو حرام سے بچائیں، نامحرم کو نہ دیکھیں جیسا کہ خود پروردگار عالم کا حکم ہے۔ مختصر یہ کہ سنت نبویؐ ترقی کی مخالف نہیں ہے لیکن اس وقت تک جبکہ یہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے ہوا سے پیاریوں سے محفوظ رکھے اور سعادت بخشنے۔

اے رسولؐ ان سے پوچھو تو کہ جو زینت کے ساز و سامان اور کھانے پینے کی صاف ستھری چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہیں کس نے حرام کر دیں؟ (عراف-۳۲)

ہاں! اسلام نے ان تمام چیزوں کو حرام کیا ہے جو گندگی، کثافت و نجاست میں شمار ہوتی ہیں اور ان تمام چیزوں کا مخالف ہے جن سے آدمی فطرتاً نفرت کرتا ہو جیسے بدبو، گندے ناخن و بال، نجاست و کثافت کے عالم میں رہنا۔ چونکہ خداوند عالم جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے۔ لہذا آپؐ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہر بندہ مومن حتیٰ کہ کافر بھی جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو صورت و لباس کو مرتب کرتا ہے، خوشبو لگاتا ہے۔ حتیٰ کہ آپؐ کو کوئی گھرا یا نہ ملے گا کہ اس میں آئینہ نہ ہو۔ تو جب مرد حضرات زینت و آرائش کی فکر میں ہیں تو پھر عورتوں کو کیوں اس سے منع کیا جائے۔ اس شرط کے ساتھ کہ وہ اسلام کے معین حدود سے خارج نہ ہو جائیں اور نامحرم مردوں کے سامنے بن سنور کر نکلنے نہ لگیں۔

”الناس اعداء ماجہلوا“ (۲۲)

جس چیز کو لوگ نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ایام جوانی میں مجھے روز چار شنبہ سرمہ لگانا بہت پسند تھا اور بہت سی احادیث کی کتابیں موجود ہیں جو روایت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے اور اس کی تشویق فرماتے تھے لیکن اس کے برخلاف جب بھی میں سرمہ لگاتا تو عورت و مرد مجھے عجیب نظر سے دیکھتے اور ایک دوسرے کو

سیاسی مشکلات، تمدن کا نتیجہ

جس وقت رسول خدا نے اپنے اصحاب کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا: حبشہ کی سمت روانہ ہو جاؤ اس لئے کہ وہاں کا بادشاہ ایسا ہے کہ اس کے یہاں کسی پر بھی ظلم و ستم نہیں ہوتا۔ (اکمال فی التاريخ / ج ۲ / ص ۷۴)

کیا آنحضرتؐ نے ان اصحاب کو پاسپورٹ دیا؟ یا حبشہ سے ان لوگوں کے لیے ویزے کی درخواست کی؟ یا پیسہ تبدیل کروایا؟ نہیں!

نہ یہ مسائل اس زمانہ میں تھے اور نہ ہی اس طرح کی بات سامنے آئی۔ اللہ کی زمین وسیع تھی جب بھی انسان پر اس کا وطن دشوار ہو جاتا، مرکب پر سوار ہوتا اور خدا کی طویل و عریض زمین پر کہیں کے لیے بھی نکل پڑتا۔ اور مناسب جگہ ٹھہر جاتا۔ نہ کسی قسم کا محاسبہ ہوتا نہ سکیورٹی چیکنگ ہوتی نہ کسٹم کا مسئلہ پیش آتا نہ ٹیکس اور میڈیکل سرٹیفکیٹ کی ضرورت پڑتی اور نہ گدھے اور خچر کے لیے شہنشاہی گواہی کی ضرورت پیش آتی تھی کہ کہیں چرایا ہوا نہ ہو یا کوئی ٹیکس ادا کئے بغیر چل دیا ہو۔

کیا یہ تمدن یا کثرت جمعیت بہتر ہوگا، جس نے زمین کو مختلف ملکوں اور حکومتوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور ہر حکومت اپنے ملک کی زبان میں بولتی ہے اور ہر ملک کا الگ پرچم ہے۔ زمینی اور دریائی حدیں ہیں۔ جن پر چوکس نگہبان تعینات ہیں تاکہ ہر کس و نا کس گھس نہ آئے۔ جب قوموں کی تعداد بڑھی طبع میں شدت آئی اس طرح کہ ہر ایک دوسرے کا استحصال کرنے اور دہانے کی فکر میں پڑ گیا۔ انقلاب، بغاوتیں، جرائم بکثرت ہو گئے۔ تو ترقی یافتہ سماج تو معیوں کو الگ

کرنے لگے، ولادت و وفات کی گواہی اور شناختی کارڈ بنائے گئے، پاسپورٹ بھی بن گیا، سرحدیں بن گئیں، اب ہر شخص میں طاقت نہ تھی کہ بغیر اجازت اور ویزا دوسرے کی سرحد میں داخل ہو سکے خلاصہ یہ کہ ہر جگہ اور ہر حکومت کا ایک جداگانہ قانون بن گیا۔

میں بھی بہت سے جوان مسلمانوں کی طرح اپنے ملک کی اذیت و آزار اور سیاسی مشکلات کے بعد دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن میرے لئے سارے دروازے بند نظر آئے خصوصاً عربی اور اسلامی ممالک میں۔

میں کتاب خدا کی اس آیت کو پڑھنے کے بعد کسی درجہ حیران ہو جاتا ہوں، وہ فرماتا ہے:

بے شک جن لوگوں کی قبض روح فرشتوں نے اس وقت قبض کی ہے کہ (دارالحرب میں پڑے) اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو فرشتے قبض روح کے بعد حیرت سے کہتے ہیں تم کس (حالت غفلت میں تھے) تو وہ (معذرت کے لہجے میں) کہتے ہیں ہم تو روئے زمین پر بے کس تھے تو فرشتے کہتے ہیں کہ خدا کی لمبی، چوڑی زمین میں اتنی بھی محجاش نہ تھی کہ تم (کہیں) ہجرت کر کے چلے جاتے!! پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بڑا، برا ٹھکانا ہے (نساء/ ۹۷)

میں اپنے آپ سے کہتا ہوں سچ ہے پوری دنیا کی زمین سب کی سب خدا کی ملکیت ہے اس میں کسی قسم کا شک نہیں لیکن بعض خدا کے بندوں نے اس پر قبضہ کیا اور آپس میں تقسیم کر لیا اور دوسروں کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ اگر غیر مسلم مثلاً فرانسیسی، جرمن، انگریز، امریکن عذر کریں تو ٹھیک۔ لیکن مسلمان ملکوں کے پاس کیا بہانہ اور عذر ہے اور اگر عرب و اسلامی ممالک کے پاس کوئی بہانہ ہے بھی تو حاکم مکہ و مدینہ کے پاس کیا بہانہ رہ جاتا ہے جو مسلمانوں کو

اجازت نہیں دیتے کہ وہ آسانی سے آسکیں۔ ان سے حج و عمرہ کے لئے نکلیں لیتے ہیں اور کس مشکل سے ویزا دیتے ہیں۔

حج حیرت ہوتی ہے جب ہم قرآن میں پڑھتے ہیں
بے شک جو لوگ کافر ہو بیٹھے اور خدا کی راہ سے اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) سے جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے عبادت گاہ بنایا ہے (اور) اس میں شہری اور دیہاتی سب کا حق برابر ہے لوگوں کو روکتے ہیں۔ (حج/۲۵)

پس اگر خدا نے مسجد الحرام کو کبھی کے لئے مرکز امن قرار دیا ہے چاہے وہ وہاں ساکن ہوں یا باہر سے آئیں پھر اس ملک کی حکومت کس طرح بعض کو آنے کی اجازت دیتی ہے اور بعض کو نہیں دیتی۔ اب تو ہمیں اپنے اسلام و قرآن کی طرف پلٹنا چاہیے اور اپنے امور میں تبدیلی لانا چاہیے۔
ایک طویل مدت گزر گئی اور میں اس فکر و خیال میں سرگرداں تھا حتیٰ کہ اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے عرض کیا کرتا تھا کہ پروردگار تو کہتا ہے اور تیرا قول حق ہے:

کیا خدا کی زمین وسیع نہیں کہ تم اس میں ہجرت کرو۔ (نساء/۹۷)
اور تیرا ہی قول ہے کہ: (لوگوں کو مناسک حج ادا کرنے کے لئے بلاؤ تاکہ لوگ سوار اور پیادہ ہر طرف سے اکٹھا ہو جائیں)۔ (حج/۲۷)
بے شک تیری زمین جو وسیع و عریض ہے لیکن اس پر دوسروں کا قبضہ ہے اور یہ گھر تو تیرا ہے لیکن دوسرے اس کے مالک بن بیٹھے ہیں اور وہاں آنے سے روکتے ہیں خدایا کیا کیا جائے؟

ایک روز قرآن کے متعلق نوح البلاغہ میں امیر المومنین کے کلام کا مطالعہ کر رہا تھا کہ مجھے ایک ایسا جملہ نظر آیا جسے میں نے کئی مرتبہ پڑھا اور جس چیز کی تلاش تھی وہ مل گئی اس نے یہ معاملہ کر دیا اور میری حیران فکر کو سکون بخشا۔

حضرت امیر المومنین قرآن مجید کے متعلق نوح البلاغہ کے سب سے پہلے خطبہ میں فرماتے ہیں:

”کچھ آیات و احکام ہیں جو اپنے وقت پر واجب ہیں لیکن مستقبل میں ان کا وجوب نہیں رہتا۔“

حضرت کے اس کلام سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ وہ آیات ہیں جن پر عمل آنحضرت کے زمانہ میں ممکن تھا۔ لیکن مستقبل میں شگروں اور کافروں کے قبضہ کی وجہ سے غیر ممکن ہو جائے گا۔

لہذا اگر کوئی روز قیامت اپنے خدا سے کہے:

پروردگار! میں تیری زمین پر کمزور و لاچار تھا تو وہ خداوند عالم جس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے اسے پتہ ہے کہ وہ ایسے ہی زمانہ میں تھا تو وہ اس سے یہ نہ فرمائے گا کہ تیری جگہ دوزخ ہے اور یہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

اور اگر کوئی اس وقت اپنے رب سے کہے کہ:

پروردگار! مجھے تیرے گھر آنے سے روک دیا گیا۔ میں تیرا حج نہ کر سکا۔ تو اسے یہ جواب ملے گا: میں نے بھی تجھ سے کہا تھا اگر تم میں حج کرنے کی استطاعت و قدرت ہو تو کرنا پس تمہارا عذر معقول ہے اور جس شخص نے تم کو آنے سے روکا وہ ذمہ دار ہے اور اسی کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اے امیر المومنین! آپ پر سلام ہو۔ جس روز آپ نے اس دنیا میں آنکھیں کھولیں اور جس روز آپ نے اس دنیا سے وفات پائی اور جس روز بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔ (۲۸)

نیکی کی طرف دعوت اور برائی سے روکنا

اس نئے تمدن نے سماج کے درمیان جن سیاسی مشکلات کو جنم دیا ان میں سے ایک خود بنی بھی ہے۔ یعنی ہر آدمی صرف اپنی فکر میں ہو اور دوسروں کا ذرا بھی خیال نہ کرے۔ خود سلامت رہے، دوسرے جہنم میں جائیں! یہ بدترین صورتحال ہے جس میں آج کا انسانی سماج گرفتار ہے وہ بھی اس طرح کہ امت کے مفادات تو خطرہ میں ہوں اور انجام نامعلوم ہو لیکن نہ کوئی آواز اٹھائے اور نہ آگے قدم بڑھائے۔ ایسی صورت میں بہادری، مردانگی، ایثار، جہاد، ظالموں کے مقابلہ میں استقامت جیسے عظیم اقدار نابود ہو جائیں گے۔ دین کا رنگ پھیکا اور ضمیر کی موت واقع ہو جائے گی۔

جیسا کہ ہم نے پہلے قرآن سے استدلال پیش کیا، بعض احادیث کے ذریعہ بھی اسی طرح استدلال پیش کریں گے۔ رسول خدا کا قول جس پر سبھی کا اتفاق ہے اسے ساتھ لکھ پڑھتے ہیں۔ آنحضرت فرماتے ہیں:

”تم کو چاہیے کہ لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دو اور برائی سے روکو نہیں تو خدا تم میں سب سے برے کو تم پر مسلط کر دے گا پھر تمہارے اچھے لوگ دعا کریں گے لیکن ان کی دعا مستجاب نہ ہوگی (۲۹)۔“

نیکی کی دعوت اور برائی سے روکنا امت کی زندگی کے لیے ایک لازمی امر ہے اسی لئے اللہ نے اسے دین کے ارکان میں شمار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاصر اسلامی گروہ جو نعرہ سب سے پہلے بلند کرتے ہیں وہ امر بالمعروف اور نہی ازمنکر کا نعرہ ہے۔ لیکن ترقی یافتہ سماج شدت سے اس نعرہ کے مخالف ہیں اور

اس سے مقابلہ کے لیے انہوں نے مختلف تنظیمیں بنا رکھی ہیں۔ جیسے انسانی حقوق کی تنظیم، خواتین کے حقوق کی تنظیم اور جمعیت تحفظ حیوانات وغیرہ..... لہذا اگر خود حکومت اس اہم امر (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کو اپنے ذمہ نہ لے تو یہ محال ہے کہ لوگوں کی جماعت اسے انجام دے سکے متفرق افراد کا تو شمار ہی نہیں۔

آج آپ خود بہت سی برائیوں کے شاہد ہیں لیکن ان کی مخالفت کرنے کی قوت نہیں رکھتے یہاں تک کہ اگر نہی ازمنکر کریں تو ممکن ہے مد مقابل چاہے لڑکی ہو یا لڑکا آپ کے خلاف کورٹ میں مقدمہ درج کر سکتا ہے پھر بڑے اچھے انداز میں آپ سے کہا جائے گا اس سے تمہیں کیا سرکار! بے جا مداخلت نہ کرو! اور اگر آپ نے کہا میں امر بالمعروف اور نہی ازمنکر کر رہا ہوں تو آپ کو جواب ملے گا یہ حق تم کو کس نے دیا اور کس طرح تمہیں حاصل ہے؟

خود مجھے اس کا تلخ تجربہ ہے جیسا کہ بعض دیگر مسلمانوں کے ساتھ یہ صورتحال پیش آئی ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں تلخی، ناچاری اور افسردگی کا مزا مجھے اب بھی محسوس ہوتا ہے اور دو باتوں کے درمیان اب بھی سرگرداں ہوں:

اولاً۔ میرا عقیدہ مجھے اپنے شرعی فرائض کی ادائیگی کے لئے آگے بڑھانا ہے اور اگر خاموشی اختیار کروں تو جواب وہ ہونا پڑے گا۔

ثانیاً۔ جس فضا میں زندگی گزار رہا ہوں اس نے مجھ سے اس حق کو زبردستی چھین رکھا ہے اور مجھے خائف کر رہی ہے کہ میں پھر اس فریضہ کو انجام نہ دوں میں گورنر کی گفتگو نہیں بھول سکتا ایک روز اس نے کہا تھا کیا تم خدا کے رسول ہو؟ اور خدا نے تمہیں نئے دین کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ لوگوں کی اصلاح کرو؟ میں نے اسے جواب دیا ہرگز نہیں!

اس نے کہا: اچھا پھر جاؤ خود کو اور اپنے گھر والوں کو دیکھو اور ہمیں اپنے

شر سے نجات دو! ہم لوگوں کی سلامتی اور ان کے امن و امان کے ذمہ دار ہیں اور اگر ہر ایرے غیرے کو امر و نہی کی اجازت دے دیں تو ملک ہرج و مرج کا شکار ہو جائے گا۔

میں بھی اپنی جگہ چپ بیٹھ رہا اگرچہ اندر سے اپنے فریضہ کا احساس کرتا تھا اور کرنے نہ کرنے کے درمیان سالوں گزر گئے یہاں تک کہ رسول گرامیؐ کی حدیث نظروں سے گزری جس میں آپؐ فرماتے ہیں۔

”تم میں سے جو بھی کسی برائی کو دیکھے تو اسے خود اپنے ہاتھ سے ختم کرے اور اگر قادر نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس کا بھی امکان نہ ہو تو اپنے قلب سے اور یہ ایمان کا نہایت ہی ضعیف مرحلہ ہے (۳۰)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

”خدا نے ہم سے پہلے کسی ایسے نبی کو مبعوث نہیں فرمایا جس کے حواری و اصحاب نہ رہے ہوں وہ اس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ ان کے بعد دوسرا گروہ ان کا جانشین بننا گیا لیکن یہ جو کہتے اس پر عمل نہ کرتے تھے اور جو کرتے اس کا انہیں حکم نہ ہوتا تھا لہذا جو بھی ایسوں سے اپنے ہاتھ اور اپنی قوت سے ان سے مقابلہ اور جہاد کرے مومن ہے اور جو اپنی زبان سے ان کا مقابلہ کرے مومن ہے۔ اسی طرح جو اپنے قلب سے ان کا مقابلہ کرے وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد تو پھر رائی کے ایک دانہ کے برابر بھی ایمان باقی نہیں چلتا۔“ (۳۱)

میں نے پروردگار عالم کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہماری قوت سے زیادہ ہمیں تکلیف نہیں دی ہے۔ بے شک آنحضرتؐ کی یہ حدیث کتاب خدا کی تفسیر کرتی ہے۔ چوں کہ ماضی، حال اور مستقبل کا علم خدا کے پاس ہے لہذا اسے معلوم تھا کہ ایک زمانہ مسلمان پر ایسا آئے گا کہ وہ امر بالمعروف اور نہی ازمنکر کی قوت

نہ رکھتے ہوں گے۔ اسی کے پیش نظر اس نے حکم کو آسان رکھا۔ اور ان کی قوت سے زیادہ ان سے طلب نہ کیا آنحضرتؐ نے نبی ازمنکر کے مراحل کو تدریجاً بیان فرمایا ہے اور یہ اسلامی سماج میں تبدیلی اور قوت کے ضعف میں بدل جانے کے اوپر دلیل ہے اسی طرح حالات کے بدلنے کی صورت میں حکم شرعی میں تبدیلی کے اوپر بھی دلیل ہے۔

تو جس کے پاس قوت ہے اسے طاقت سے برائیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے لیکن جس کے پاس قوت نہیں ہے لیکن زبان سے منکرات کو روکنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ زبان سے ان کا مقابلہ کرے۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ اس کے کہنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا یا اس کی وجہ سے درد سر اور مشکلات پیدا ہو جائیں گی تو اس صورت میں منہ سے کوئی بات کہے بغیر صرف قلبی مخالفت کافی ہے۔ پس کس درجہ بے نیاز ہے وہ رب جس نے لوگوں کو ان کی قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ اور بے شمار درود ہو اس نبی رحمت پر جو مومنین پر خود ان سے زیادہ مہربان تھا اسی طرح ان کی پاک و طاہر آل پر بھی درود و سلام ہو۔ (۳۲)

مہذب انسان، آسان شریعت

بلاشبہ جو آسانی ادیان خداوند عالم کی جانب سے نازل ہوئے ہیں ان کا مقصد سب سے پہلے: انسان میں پروردگار عالم کی معرفت پیدا کرنا تھا اور اس کو بت پتی، شرک اور مختلف طرح کی گمراہی سے نجات دینا تھا۔
دوسرے: اس کی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنا تھا اور یہ مقاصد دو بنیادی چیزوں سے عبارت ہیں:

۱۔ ایمان

۲۔ عمل

اور جب کبھی ایمان و عمل کہا جائے تو اس سے مراد صحیح ایمان اور عمل صالح ہے۔ لہذا ہر ایمان و عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہے اس لئے کہ ممکن ہے انسان مختلف عقائد پر ایمان رکھے لیکن اسلام سے اس کا ذرہ برابر بھی ربط نہ ہو اور ممکن ہے کہ عقائد اسے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ہاتھ لگے ہوں اور بالفرض صحیح ہوں تو بھی ممکن ہے اس میں تغیر و تبدیلی پیدا ہوگئی ہو۔

خداوند عالم فرماتا ہے۔

اور جب ان سے کہا گیا کہ جو قرآن خدا نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہنے لگے ہم تو اس کتاب تو ریت پر ایمان لائے ہوئے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی تھی اور اس کتاب قرآن کو جو اس کے بعد آئی ہے نہیں مانتے حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے اور اس کتاب (توریت) کی جو ان کے پاس ہے تصدیق بھی کرتا ہے۔ (بقرہ/۹۱)

بعض اوقات انسان کسی کام کو یہ سمجھ کر انجام دیتا ہے کہ اس میں بشریت کے لئے فائدہ ہے جبکہ اس کے کاموں سے سوائے نقصان و ضرر کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

خداوند عالم فرماتا ہے۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ کرتے پھر تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرتے ہیں خبردار ہو جاؤ! بیشک یہ لوگ فساد ہی لیکن سمجھتے نہیں (بقرہ/۱۱/۱۲)۔

یا ممکن ہے انسان نیک کام کرے جو بشریت کے لئے بہت ہی مفید اور فائدہ مند ہو لیکن اس نے اسے خدا کے لئے انجام نہ دیا ہو بلکہ اس کا مقصد صرف دکھاوا اور ریاکاری ہو تو اس طرح کا عمل سراب اور دھوکہ ہے کہ دور سے پیاسے اس کی طرف پانی سمجھ کر آئیں لیکن جب نزدیک پہنچیں تو کچھ نہ پائیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اور ان لوگوں نے دنیا میں جو کچھ نیک کام کئے ہیں ہم انکی طرف توجہ کریں گے (کہ وہ فاسد اور غیر خالص اعمال ہیں) گویا اڑتی ہوئی خاک بنا (کر برباد کر) دیں گے۔ (فرقان/۲۳)

اگر دین انسان کے لئے راہنمائی ہے جس کے ذریعہ وہ ہدایت پائے اور ترقی کرے اس لئے کہ ابتدائے خلقت سے انسان جہاں بھی تھا وہاں دین موجود تھا اور یہ بات موجودہ تحقیقات اور آثار قدیمہ کی شناخت کرنے والوں کے ذریعہ بھی مسلم ہو چکی ہے کہ ابتدا میں رہنے والے انسان بہت سی چیزوں سے ناواقف تھے اور بہت عرصے کے بعد انھیں اس کا علم ہوا لیکن ان کے یہاں پہلے سے ہی عبادت گاہ نظر آتی ہے اور اسی مطلب کی طرف پروردگار عالم کا قول اشارہ کرتا ہے۔

لوگوں کی عبادت کے واسطے جو گھر سب سے پہلے بنایا گیا وہ یقیناً

یہی (کعب) ہے جو مکہ میں بڑی خیر و برکت والا ہے اور سارے جہاں

کے لوگوں کے لئے رہنما ہے۔ (آل عمران/۹۶)

پس یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ تمدن آسمانی ادیان کا پھول ہے اور اس اصل کی رو سے جو اسلام محمد بن عبد اللہ پر نازل ہوا نہایت ہی ترقی یافتہ تمدن ہے جس پر انسانیت سبقت حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس سے آگے بڑھ سکتی ہے بلکہ ہمیشہ اس سے ایک زینہ نیچے ہی رہے گی۔ اور اس سے وابستہ رہے گی۔

پیشک یہ قرآن متمدن انسان میں حیرت انگیز تبدیلی کا باعث ہوا ہے جو مدتوں بے دینی اور اعلیٰ معنوی قدروں کے نہ ہونے کی وجہ سے کفر والحاد کی مصیبت کو تحمل کرتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان اپنی شخصیت ڈھونڈتا رہا اور یہ چیز اسے عقیدہ کی آغوش میں تدریجاً نظر آ گئی۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

تو (اے رسول!) تم باطل سے کٹ کر اپنا رخ دین کی طرف کئے رہو وہی دین جو فطرت الہی ہے اور لوگ اسی پر خلق کئے گئے ہیں اور خلقت خدا میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی مضبوط اور سب سے استوار دین ہے لیکن بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے (آل عمران/۳۰)۔

ہاں! آج ہم چاہے روشن فکروں کے درمیان ہوں یا ان کے علاوہ کسی بھی گروہ میں ہر میدان میں عظیم اسلامی بیداری کے شاہد ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ رنگ و نسل میں اختلاف کے باوجود قوموں میں مکمل تغیر اور تبدیلی آ رہی ہے۔

ملحد بے دین اقوام جو انسانی حقوق کی تھیوری کے قائل ہیں ان میں ہم مطلق آزادی کا اعلان سن رہے ہیں اور انہیں عجیب تضاد دیکھتے ہیں۔ مثلاً وہ ڈرائیونگ کے وقت شراب نوشی کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ان کے دین میں

شراب حرام نہیں ہے خود ان کے بقول حضرت مسیح (نعوذ باللہ من ذالک) نے ان کے لئے شراب بنائی ہے۔ اور اس ممنوعیت کی وجہ وہ ایکسڈنٹ ہیں جو شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ صرف فرانس میں ڈرائیونگ ایکسڈنٹ کی وجہ سے بیس ہزار لوگ اپنی جان گنوا دیتے ہیں۔

اگر ہم ان ترقی یافتہ ممالک کے ترقی یافتہ تمدنوں کا مطالعہ کریں اور ان کا اسلامی تمدن کے ساتھ موازنہ کریں تو ایک بہت بڑے فاصلہ اور اختلاف کا مشاہدہ کریں گے۔ ایسا فاصلہ جو زمین و آسمان کے برابر ہے۔ تو کافی ہے کہ امیر المومنین کے اس خط پر ایک نگاہ ڈالیں جسے آپ نے مالک اشتر نخعی کو بصرہ کا گورنر بنانے کے بعد انھیں تحریر فرمایا تھا کہ مسلمانوں کی ہر میدان میں ترقی کا اندازہ کر سکیں (۳۳)۔

ایک محقق جب اس عہد نامہ کو دیکھتا ہے تو ان تحریروں کے درمیان بشری تمدن کے اس اعلیٰ مفہوم کو پالیتا ہے جہاں تک ابھی بیسویں صدی کا تمدن نہیں پہنچ سکا ہے۔

اس عہد نامہ میں تمام طرح کے اجتماعی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی مسائل کے ساتھ معنوی، عبادی، اخلاقی مسائل اور بشری روح و طبائع کی ترتیب کو بھی فرو گذاشت نہیں کیا گیا ہے۔

مجھے افسوس ہوتا ہے کہ بیشتر مسلمانوں نے نفع البلاغہ کو فراموش کر دیا ہے جبکہ یہ کتاب بہت ہی گرانقدر اور عرفانی خزانوں اور علمی حقائق سے پر ہے۔ لیکن مسلمان مغربی کتابوں اور تھیوری کی طرف تیزی سے بھاگتے ہیں اس امید پر کہ اس جھوٹے مغربی تمدن پر گامزن ہو سکیں۔ وہی تمدن جس نے سوائے تکبر، بد بختی اور مصیبت کے کچھ اور غریب سماجوں اور قوموں کے حوالہ نہ کیا۔

اگر ان میں سے کسی ایک سے کہیں کہ: اسلام اور اسلامی شخصیات میں

انسان و انسانیت کے لئے ہر طرح کے بہتر نمونے موجود ہیں تو آپ کو جواب دیں گے۔ اگر اس میں کوئی حقیقت ہوتی تو مسلمان پسماندہ نہ ہوتے؟ وہ پیچھے رہ گئے اور دوسرے آگے بڑھ گئے اور متقدم ہو گئے؟!

یہ اور ان کی طرح کے لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ افسوس! اسلام صرف ایک تھیوری کی صورت میں باقی بچا ہے جس پر عمل نہیں کیا جاتا اور بیشتر شخصیات جو اس پر عمل کرانا چاہتی تھیں ان پر حملہ کیا گیا، شہر بدر کیا گیا، قتل کر دیا گیا یا پھر منبروں سے ان پر لعنت و سب و شتم کیا گیا، شہر بدر کیا گیا، قتل کر دیا گیا، ان کی کتابیں، ان کے آثار بوسیدہ و ناشاختہ رہ گئے ان پر تہمتیں لگائی گئیں، ان کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا۔ (۳۴)

حالانکہ امریکہ، جرمنی اور انگلینڈ میں مغربی دانشوروں نے سب سے زیادہ اسلام سے فائدہ اٹھایا ہے اور مسلمان اس بات سے بے خبر ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

ان کے بعد کچھ ناخلف ان کے جانشین بن بیٹھے۔ جنہوں نے نمازیں کھوئیں اور نفسانی خواہش کے اسیر بن گئے۔ عنقریب یہ لوگ (اپنی) گمراہی (کے خمیازے) بھگتیں گے۔ (مریم/۵۹)

ایک روز ان میں سے ایک مجھ سے کہنے لگا۔ اگر اسلامی شخصیات سے تمہاری مراد اہل بیت کے بارہ امام ہیں جیسا کہ کتب میں آیا ہے۔ اور شیعوں نے ان کی امامت کو قبول کیا ہے ان کی پیروی کرتے ہیں اور امور دنیا میں بھی ان ہی کی تقلید کرتے ہیں تو پھر کیوں شیعوں نے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ترقی نہ کی اور کسی ایجاد و اختراع میں آگے نہ رہے۔

میں نے اسے جواب دیا: شیعہ اثنا عشری جو، ان بارہ اماموں پر ایمان لائے وہ اس درجہ کم تھے کہ جیسے پورے سیاہ لباس میں ایک نقطہ کے برابر سفیدی ہو اور انھیں ہمیشہ قتل کا خوف لاحق رہتا اس لئے کہ صدیوں تک ان کا خون مباح

رہا ہے اور ان کی ناموس کی بے حرمتی کی جاتی رہی ہے۔ اور وہ بدترین روحانی اور جسمانی شکنجوں اور سخت تکالیف میں مبتلا رہے ہیں۔

بلاشبہ اگر کوئی اس طرح کی زندگی گزارے تو ہرگز ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ تو ہمہ وقت پریشانی اور تکالیف سے دوچار رہے اور ہر آن قتل کر دیے جانے کے منتظر رہے۔

اور یہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ انسان بھوکا اور فقیر ہو تو ہر چیز سے پہلے اس کی فکر روزی، روٹی حاصل کرنے میں مشغول ہوگی۔ جس سے وہ اپنی حیات کو برقرار رکھ سکے۔ لہذا اس صورت میں کیا ہوگا جب اس کی روزی منقطع ہو جائے اور خود وہ اور اس کا کنبہ ایک لقمہ روٹی کے لئے محتاج ہو جائیں؟

لیکن اگر انسان کے لئے سہولتیں فراہم ہوں اور مناسب آسائش زندگی مہیا ہو تو اس کی فکر پر داز کرے گی لہذا آپ دیکھیں گے کہ حکومتیں علماء اور دانشوروں کے لئے ایک خاص اہمیت کی قائل ہوتی ہیں، ان کے لئے مکمل آسائش کے وسائل مہیا کرتی ہیں۔ اور اس راہ میں کافی پیسہ خرچ کرتی ہیں۔ نیز اس کے لئے بجٹ مخصوص کر دیتی ہیں۔ ان کے لئے آزمائش گاہیں، لیبارٹریاں اور مشینری فراہم کرتی ہیں تاکہ وہ باآسانی تجربہ و تحقیق کر سکیں اس کے علاوہ ان کے لئے مختلف کتب خانے فراہم کیے جاتے ہیں اور انکشافات اور جدید مقالوں کا ترجمہ کر کے ان کے حوالہ کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ایجاد نہ کریں؟ لیکن شیعہ اس فقر، تنگ دستی اور قتل واذیت کے باوجود علم و دانش کے ہر میدان میں پیش قدم رہے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ یہ مکتب اہل بیت کے پروردہ ہیں۔ اسی مکتب کے جس میں مختلف علوم کے ماہرین فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فقہ و تفسیر کی تدریس کے ساتھ ساتھ میتھ، منطک، فزکس، کیمسٹری، علم ہیئت کے علاوہ اور بہت سے دیگر علوم

اپنے شاگردوں کو تعلیم فرمائے۔ جن کی اہمیت کا اندازہ جدید دور اور صنعتی انقلاب کے بعد ہوا۔

اس جگہ میں ان مغربی دانشوروں اور مستشرقین کے اس سیمینار کا ذکر کروں گا جو ۱۹۶۸ء میں فرانس کی (اسٹراسبرگ) یونیورسٹی میں امام جعفر صادق اور ان کے علمی دور کی تحقیق میں شیعہ اثنا عشری کی علمی اور تمدنی تاریخ کے موضوع سے منایا گیا۔ جس میں امریکا، انگلینڈ، جرمنی، فرانس، بلجیم، سویٹزر لینڈ اور اٹلی کے تین سے زیادہ اہم دانشوروں اور سائنسدانوں نے شرکت کی تھی (۳۵)۔

انہوں نے امام جعفر صادق اور ان کے شاگرد جابر بن حیان کے متعلق سے گفتگو کی اور بتایا کہ جابر بن حیان نے اپنے استاد کے درس علم فلسفہ، طب اور کیمسٹری پر ایک ہزار پانچ سو سے زائد رسالے تحریر کئے۔ اور ابن الندیم نے اپنی فہرست میں اور ابن خلکان نے اپنی کتاب ﴿احوال الامام الصادق﴾ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان دانشوروں نے اس پر اجماع کیا کہ جابر بن حیان نے مختلف علمی نظریات پیش کئے ہیں۔ اور کیمیکل مواد کے علاوہ دیگر ترکیبات جو ہم بنانے اور دوسرے امور میں کام آتی ہیں ایجاد کئے اسی طرح اس پر بھی اجماع کیا کہ کیمسٹری کے اسرار و رموز کو جابر بن حیان نے کشف کیا ہے اور وہ اس بات پر بھی قادر تھے کہ معمولی دھاتوں کی کانوں کو سونے، چاندی کی کانوں میں بدل دیں اور اس کے متعلق خود کہتے تھے: میرے استاد جعفر بن محمد نے مجھے علم ودانش کا ایسا باب تعلیم فرمایا ہے کہ میں چاہوں تو پوری زمین کو خالص سونے میں تبدیل کر دوں۔

ڈاکٹر محمد یحییٰ ہاشمی جو ہمارے زمانے کے دانشور ہیں انہوں نے بھی ایک کتاب بنام ﴿الامام صادق ملہم الکیمیاء﴾ (۳۶) تحریر کی وہ اس میں کہتے ہیں: جس چیز سے ہمیں سب سے زیادہ توجہ ہوتا ہے وہ جابر بن حیان کا وہ دعویٰ

ہے یعنی یہ راز کہ دھاتوں کو تبدیل کرنا اور اجسام کو بدلنا یہ ہر کام میں ذیل ہے اور اگر آج ہم غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ریڈیو ایکٹیو (Radio Active) کے مادہ کی کھوج جس سے ایٹم کا تجزیہ ہوتا ہے اور جو مادہ کی ماہیت میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اور اس کا نتیجہ فقط ایٹمی بم کی ایجاد نہیں ہے بلکہ وہ ایسی جدید توانائیوں کی ایجاد کا منبع بھی ہے جن کا ابھی تک انسانی فکر نے احاطہ نہیں کیا ہے۔

ان سب سے قطع نظر شیعہ تمام علوم میں پیش قدم ہیں۔ جبکہ دیگر تمام مسلمانوں نے صرف فقہ، تفسیر اور اخلاق پر تکیہ کر رکھا تھا۔ اگرچہ ان موضوعات میں بھی شیعوں نے اہم مقام حاصل کیا ہے اور ان کا اولین موجد شیعوں میں سے ہی تھا اور تاریخ نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔ اور جو اس موضوع پر مزید تحقیق کرنا چاہتے ہیں وہ ﴿شیعہ وفنون الاسلام﴾ اور مقدمہ کتاب ﴿اصل الشیعہ و اصولہا﴾ کا مطالعہ کریں۔ انہیں یقین ہو جائے گا کہ شیعہ ان ائمہ کے زیر قیادت تمام علوم معارف میں دیگر جماعتوں کی بہ نسبت پیش قدم رہے ہیں ان ہی اماموں نے اسرار و علوم کو شگافتہ کیا ہے اور صحیح معنی میں علم ودانش کی طرف دعوت دینے والے بھی تھے۔

حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں:

”بلکہ میں اس علم میں ڈوب گیا جو تم پر پوشیدہ اور پنهان ہے اور اگر چاہوں تو اسے ظاہر و آشکار کر دوں (لیکن) تم اس سے اس درجہ مضطرب اور لرزہ بر اندام ہو جاؤ گے جیسے کسی گہرے کنویں میں ری“
(نسخ البلاغہ/ خطبہ ۵)۔

شیعہ! چند سطروں میں

ادھر کے چند برسوں میں خصوصاً ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد شیعوں کے متعلق کافی بحث چھڑ گئی ہے اور اس وقت مغربی پروپیگنڈہ اور عالمی ذرائع ابلاغ نے خصوصاً ایرانی شیعوں کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے، انکو کبھی خدا کے دیوانے اور کبھی قاتل و دہشت گرد کہتے ہیں اور یہی صفات لبنانی شیعوں کے لئے بھی بیان کرتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے بیروت میں امریکی اور مغربی منافع پر حملہ کر کے اسے ختم کر ڈالا تھا۔ اسی طرح ان صفات سے دنیا کے تمام شیعوں کو نواز دیا گیا اور اس سے بھی بالاتر دنیا میں جتنی اسلامی تحریکیں تھیں انھیں بھی یہ القاب دیدیئے گئے، مگر چہ ان میں اکثریت سنیوں کی ہے اور شیعوں سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے۔

مغربی ذرائع ابلاغ اور اسلام دشمنوں کے ان جھوٹے خیالی پروپیگنڈوں کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لئے کہ ممکن ہے ہر دشمن، دوست بن جائے لیکن زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب بعض مسلمان شیعوں کے متعلق اس طرح کی بات کرتے ہیں اور بلا دلیل و برہان، بغیر کسی تحقیق و جستجو کے دوسروں کی کہی ہوئی باتیں دہراتے ہیں۔

اگرچہ ہم نے اپنی کتاب ﴿الشیعہ ہم اهل السنہ﴾ (شیعہ ہی اہل سنت ہیں) میں شیعوں کی حقیقی تعریف پیش کی ہے۔ لیکن یہاں بھی شیعوں کے متعلق خدا اور رسولؐ کے ارشادات کا ایک گوشہ پیش کر رہے ہیں۔ پھر ہم موافق و مخالف علماء اور دانشوروں کی باتوں کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوں گے۔

شیعہ! قرآن کریم کی روشنی میں

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾
(سورہ البقرہ - ۷)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے وہی سب سے بہتر ہیں۔

جلال الدین سیوطی (عظیم اہل سنت عالم) اپنی معروف تفسیر ﴿الدر المنثور فی تفسیر المائور﴾ میں اس آیت کی تفسیر یوں تحریر کرتے ہیں:

ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ کیا خدا کے نزدیک فرشتوں کے مقام و منزلت پر تعجب کرتے ہو؟ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ تحقیق روز قیامت خدا کے نزدیک بندہ مومن کا مقام فرشتوں سے کہیں بالاتر ہوگا اور اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾۔
حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:

میں نے رسول خداؐ سے سوال کیا: خدا کے نزدیک سب سے بامنزلت کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہؓ کیا تم اس آیت کو نہیں پڑھتیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾۔

جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں:

ہم رسول خدا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اشتہار میں علیؑ وارد ہوئے تو رسول خدا نے فرمایا: جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کی قسم یہ اور اس کے شیعہ روز قیامت کا مایاب ہیں۔ اور اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ﴾

اس کے بعد جب بھی اصحاب رسولؐ علیؑ کو آتے دیکھتے تو کہتے خیر البریۃ آئے (۳۸)

ابو سعید کہتے ہیں:

علیؑ ﴿خیر البریۃ﴾ اور لوگوں میں سب سے بہتر ہیں (۳۹)

ابن عباس کہتے ہیں:

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی رسول خدا نے علیؑ سے فرمایا: بے شک روز قیامت تم اور تمہارے شیعہ خدا سے راضی اور خدا تم سے خوشنود ہے (۴۰)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

رسول خدا نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے خدا لا الہ الاک کے اس کلام کو نہیں سنا کہ وہ فرماتا ہے:

﴿ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ﴾

(اس سے مراد) تم اور تمہارے شیعہ ہیں۔ ہمارا وعدہ حوض کوثر ہے اس جگہ ساری امتیں حساب و کتاب کے لئے آئیں گی اور تم اور تمہارے شیعہ خوبصورت اور عزت کے ساتھ وارد ہوں گے (۴۱)۔

جن اہل سنت علماء نے اس تفسیر کو بیانت کیا ہے وہ بکثرت ہیں بطور مثال

جلال الدین سیوطی کے علاوہ طبری نے اپنی تفسیر میں حاکم حشکافی نے شواہد المتزیل میں، شوکانی نے فتح القدیر میں، آلوسی نے روح المعانی میں، مناوی نے کنوز الحقائق میں اسے بیان کیا ہے اس طرح خوارزمی نے مناقب میں، ابن صباغ مالکی نے فصول الہمہ میں، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں، شبلنجی نے نور الابصار میں، ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص میں، قدوزی حنفی نے ینایح المودۃ میں، حبشی نے مجمع الزوائد میں، متقی ہندی نے کنز العمال میں اور ابن حجر مکی نے صواعق المحرقہ میں بھی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

اس محکم اور معقول دلیل کے بعد کوئی سبب نہیں کہ تحقیق کرنے والے ان بعض تاریخ نگاروں کی بات پر قانع اور مطمئن ہو جائیں جو معتقد ہیں کہ تشیع کی پیدائش امام حسین کی شہادت کے بعد ہوئی ہے۔

شیعہ آنحضرتؐ کے اقوال میں

رسول خداؐ نے شیعوں کے متعلق بارہا گفتگو کی ہے اور ہر مرتبہ ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور انکی پیروی کرنے والے ہی کامیاب ہیں چونکہ انھوں نے حق کی پیروی کی ہے اور حق کی مدد کی ہے، باطل سے دور رہے ہیں اور اسے ذلیل کیا ہے۔

اسی طرح آنحضرتؐ نے تصدیق کی ہے کہ علیؑ کے شیعہ ہمارے شیعہ ہیں ہم اس جگہ اس حدیث پر تکیہ کرتے ہیں جسے ابن حجرؒ کی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے۔ اور دیگر علماء نے بھی نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا: ”کیا تم خوش نہیں ہو کہ حسن و حسینؑ کے ہمراہ جنت میں ہمارے ساتھ ہو گے۔ اور ہماری ذریت ہمارے پیچھے اور ہماری عورتیں ہماری ذریت کے پیچھے اور ہمارے شیعہ ہمارے واسطے اور بانیوں ہوں گے۔“ (۴۲)

آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ علیؑ اور ان کے شیعوں کو یاد کیا اور فرمایا: اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ (علیؑ) اور ان کے شیعہ روز قیامت کامیاب ہیں (۴۳)۔

اور یہ فطری بات ہے کہ آنحضرتؐ حق کی پیروی کرنے والوں کو یاد کر رہے ہیں اور ان کی صفات بیان کریں کہ وہ ہر زمانہ میں پہچانے جاسکیں تاکہ مسلمان پوشیدہ حقیقت سے پردہ اٹھاسکیں اور نزدیک ترین راستے سے ہدایت پائیں۔

آنحضرتؐ کے ہی پیہم تذکر کے پیش نظر بزرگ اصحاب کے ایک

نے وفات رسولؐ کے بعد علیؑ کی پیروی کی اور بنام شیعہ مشہور ہو گئے۔ ان میں حضرت سلمانؓ فارسی، ابوذرؓ غفاری، عمارؓ یاسرؓ، حذیفہؓ بن یمان، مقدادؓ بن اسودؓ سرفہرست ہیں حتیٰ کہ فقط شیعہ ان کا لقب بن گیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر مصطفیٰ شیبی اپنی کتاب «الصلة بين التصوف والتشيع» اور ابو حاتمؒ اپنی کتاب «الزينة» میں رقم طراز ہیں۔

ابو حاتم کہتے ہیں:

اسلام میں جس مذہب کا سب سے کم نام ہوا وہ شیعہ ہے اور یہ اصحاب کے ایک گروہ کا لقب بھی تھا جیسے حضرت سلمانؓ فارسی، ابوذرؓ غفاری، عمارؓ یاسرؓ، مقدادؓ بن اسودؓ وغیرہ.....

اس طرح مستشرقین کا یہ شبہ غلط ثابت ہو جاتا ہے جسکی پیروی بعض مسلمان محققین نے بھی کی کہ تشیع کا وجود میں آنا ایک سیاسی مسئلہ تھا جسے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کے سیاسی حالات نے پیدا کیا تھا۔ اسی طرح ان دشمنوں کی نادانی بھی کھل جاتی ہے جو تشیع کو ایرانیوں سے وابستہ کرتے ہیں۔

اس لئے کہ اس سے ان کا جہل و تعصب ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر یہ محققین امام علیؑ کی زندگی میں ان کے اصحاب کے تشیع کی کس طرح تفسیر کرتے ہیں؟ اور یہ کس طرح بیان کرتے ہیں کہ آغاز اسلام اور جنگ جمل و صفین میں کوفہ شیعوں کا مرکز تھا؟

یہ خود غرض ڈن کس طرح بیان کرتے ہیں کہ عربی اور افریقی ممالک میں شیعہ حکومتیں موجود تھیں۔ جیسے شمالی افریقہ میں مراکش، تیونس، مشرق میں مصر و حلب جب کہ اس وقت ایران تشیع سے آشنا بھی نہ تھا۔ اس لئے مراکش میں اور سیویں کی حکومت دوسری ہجری میں تھی اور تیونس میں فاطمیوں کی حکومت تیسری ہجری کے خاتمہ پر تھی اسی طرح تیسری ہجری کے واسطے میں فاطمیوں کی

اے کاش! اس روز، تمام مسلمان

شیعہ ہو جاتے!

عید غدیر نہایت ہی با عظمت اور عظیم عیدوں میں شمار ہوتی ہے۔ دنیا کے مشرق و مغرب میں مسلمان دو عیدوں میں خوشیاں مناتے ہیں۔ پہلی عید، عید فطر ہے جو ماہ مبارک رمضان کے بعد آتی ہے اور دوسری عید، عید الاضحیٰ ہے جو اعمال حج کے بعد آتی ہے۔ مسلمانوں نے شروع سے لیکر اب تک ان دونوں عیدوں کو محفوظ رکھا ہے اور اس موقع پر تمام عالم میں جشن مناتے ہیں تیسری بڑی عید، جسے ”غدیر“ کہتے ہیں یہ وہی دن ہے جب دین کامل ہوا اور خدا کی نعت مسلمانوں پر تمام ہوئی لیکن افسوس کہ اس میں انھوں نے اختلاف کیا۔ محققین تاریخ کو اس کا اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی علت وفات رسولؐ کے بعد سقیفہ بنانے والوں کی سیاسی سرگرمیاں تھیں، انھوں نے خدا اور رسولؐ کی جانب نصوص کے مقابل اجتہاد کیا اور اپنی ذاتی رائے پر مسلمانوں سے زبردستی عمل کرایا۔

یہی وہ مقام ہے جہاں امیر المومنین علیؑ کو ایک طرف کر دیا گیا، گرچہ نصوص کے مطابق وہ واقعی خلیفہ تھے اور ان کی جگہ پر وہ خلیفہ بنا جسے قریش نے اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر چنا تھا۔ وفات حضرت رسولؐ کے بعد یہ سب

مصر پر حکومت تھی۔ اور حلب (شام) اور عراق میں شیعہ حمدانیوں کی حکومت مہجری میں تھی جبکہ ایران میں صفویوں کی حکومت دسویں ہجری میں قائم ہوئی۔ بہت بڑی غلط فہمی ہے کہ تشیع کے آغاز کو ایرانیوں سے وابستہ سمجھیں۔

ہم نے اپنی کتاب ”پھر میں ہدایت پا گیا“ میں ذکر کیا ہے کہ اکثر محدثین و سنت علماء اور ائمہ ایرانی تھے۔ اور یہ کہ شیعہ نہ تھے بلکہ شیعوں اور تشیع کی نسبت شدید تعصب کا اظہار کرتے تھے بس یہی جان لینا کافی ہے کہ اہل سنت سے بڑے مفسر و محشری ہیں اور وہ ایرانی ہیں اور ان کے سب سے بڑے محدث بخاری و مسلم بھی ایرانی ہیں اور ابو حنیفہ جنھیں اہل سنت امام اعظم کہتے ہیں یہ بھی ایرانی ہیں ان کا نحوی امام سیبویہ ایرانی ہے۔ امام احمد حنبلین واصل بن ابی عیسیٰ ایرانی ہے۔ امام لغت، فیروز آبادی (صاحب قاموس المحیط) ایرانی ہے۔ غرض رازی، ابن سینا، ابن رشد بھی تو ایرانی ہیں اور یہ سب کے سب اہل سنت علماء اور پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔

سے تلخ واقعہ ہے جو مسلمانوں کے درمیان پیش آیا اور جس نے انھیں مصیبت سے دوچار کیا اور حق و باطل، جاہلیت و اسلام کے درمیان پیکار کی ابتدا کا باعث بنا۔

بے شک یہ آیت کریمہ جس میں خدا فرماتا ہے:
 محمدؐ سوائے رسول کے کچھ نہیں ہیں ان سے پہلے بھی رسول بھیجے گئے ہیں
 اگر (محمدؐ) اپنی موت سے مر جائیں یا مار ڈالے جائیں تو کیا تم اٹے
 پاؤں (اپنے کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے۔ (آل عمران/ ۱۴۴)
 اس کا عید غدیر سے براہ راست رابطہ ہے۔

رسول خداؐ نے عید غدیر کا جشن منایا جس وقت پروردگار عالم نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ اپنے بعد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنادیں اور امت پر اچھی طرح واضح کر دیں۔ چنانچہ حاضرین غدیر کی جب علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت ہو چکی اور آنحضرتؐ نے بھی مبارکباد دے دی اور جبرئیل امینؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

﴿اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً﴾ (مائدہ/ ۳)

آج ہم نے تمہارے دین کو کمال کی منزل پر پہنچا دیا تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے بہترین دین و آئین قرار دیا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

اللہ اکبر! اُس خدا کا شکر جس نے میرے دین کو کامل کیا اور مجھ پر نعمتیں تمام کیں اور میرے بھائی اور چچا کے بیٹے کی ولایت سے راضی ہوا۔
 چنانچہ مبارکباد کے لئے اسی روز ایک خیمہ نصب کیا گیا اور حاضرین میں عورتوں اور مردوں میں کوئی نہ بچا جس نے علیؑ کو ان کی ولایت پر مبارکباد نہ دی ہو۔

لیکن ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے اس الہی عید کے عظیم جشن کے ٹھیک دو ماہ بعد امت اپنی بیعت سے پلٹ گئی۔ اور اس عید اور صاحب عید کو بھلا بیٹھی اور ایسے کو اپنے لئے منتخب کر لیا جو خدا کو منظور نہ تھا۔ اور بہانہ کے لئے کبھی بزرگی اور کم سنی کو پیش کرتے تو کبھی کہتے بنی ہاشم کو نبوت جیسا عظیم شرف حاصل ہے لہذا یہ مناسب نہیں ہے کہ خلافت بھی انہیں کے درمیان رہے۔ اور کبھی یہ بہانہ کرتے کہ قریش ہر گز اس شخص کو اپنا امیر نہیں بنا سکتے جس نے ان کے بہادروں کو قتل کیا ہے اور ان کے باحیثیت افراد کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور ان کی ناک مٹی میں رگڑ دی ہے۔

ہاں! فرزند ابوطالبؑ کا کوئی گناہ نہیں، اگر ہے تو بس یہی کہ اس نے خدا کی رضا و خوشنودی کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی، اور نصرت دین کی خاطر ہر چیز کو قربان کر دیا وہ دین جو اس کے بھائی اور چچا کے بیٹے کا لایا ہوا تھا لہذا اُسے کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں، وہ اپنے ارادہ و عزم کا مال دنیا سے معاملہ نہیں کر سکتا۔

میں ہر گز امام علیؑ کے فضائل و مناقب کو شمار نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کی خصوصیات اور امتیازات کی وضاحت کر سکتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اس بات کا پہلے ہی سے علم ہے کہ اگر سمندر میرے پروردگار کے کلمات کے لئے روشنائی ہوں اور اشجار قلم ہوں تو سمندر سوکھ جائیگا لیکن میرے پروردگار کے کلمات تمام نہ ہوں گے۔

اس عظیم شخصیت کی شرافت اور فخر و مباہات کے لئے یہی کافی ہے کہ خدا نے اپنے دین کو ان کی ولایت و امامت سے کامل کیا ہے اور اپنی نعمت کو ان کی خلافت پر تمام کیا اور جن مسلمانوں نے انکی خلافت کو دل و جان سے قبول کیا ان سے خدا خوشنود ہوا۔

آپ کی عزت و فضیلت کے لئے یہ کافی ہے کہ رسول خدا نے آپ کو امام
المؤمنین، مسلمانوں کا سید و سردار، مؤمنین کے لئے امیر اور دین و ایمان کا محور و مرکز
قرار دیا ہے۔

میں ہرگز اس بات کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ عید غدیر کی صحت اور اس کی
سچائی پر برہان و دلیل پیش کروں۔ اس لئے کہ پوری امت اسلامیہ اس واقعہ کی
صحت و سچائی پر ایمان رکھتی ہے اور اسے نقل کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صرف
شیعہ اس روز جشن مناتے ہیں اور اہل سنت اپنی خواہش کے مطابق اس کی
تاویل کرتے ہیں۔

ہم جشن منانے والوں کی گفتگو سے بھی آگاہ ہوئے، اور تاویل کرنے
والوں کی باتوں سے بھی اور ولایت قبول کرنے والوں کے عقیدہ کا بھی مطالعہ
کیا۔ انھوں نے واضح نص کے ذریعہ یہ سمجھا کہ امامت اصول دین کی ایک اصل
ہے۔ اور ان کے مخالف گروہ کے عقیدہ پر بھی ہم نے بحث کی اور معلوم ہوا کہ
انھوں نے نصوص کی تاویل یوں کی ہے: یہ محمد کی اپنے داماد اور چچا زاد بھائی کے
متعلق سوائے ایک رائے اور نظر کے کچھ اور نہ تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ اس طرح
علی کی نسبت ان کے دشمنوں کے دل نرم ہو جائیں!

ہم ان کے پیروؤں کے منہ نظر سے واقف ہوئے کہ جو فقیر اور نادار افراد
تھے چنانچہ مخالفین اور دشمنوں کی حالت کا بھی اندازہ ہوا جو کہ ثروت مندوں اور
مسکینوں کا ایک بڑا گروہ تھا اور ان کی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ انھوں نے
اہل بیت رسول کی حرمت کے ساتھ بھی ہتک کی اور صرف سیدۃ الاولیاء حضرت
علیؑ پر حملہ کرنے پر اکتفا نہ کی بلکہ سیدۃ العالمین حضرت فاطمہؑ زہراءؑ کی بھی
اہانت کی اور خاندان نبوت کے خلاف شدید جنگ کا آغاز کر دیا جو ناکشیں،
قاسطین اور مارقین کی جنگ کی صورت میں تمام ہوئی۔

آخر کار امام کو حراب نماز میں شہید کیا اور شکر کا سجدہ بجا لائے۔ ان مخالفین
نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ آپ کے دونوں فرزند جو جو انان جنت کے سردار ہیں
انکو بھی شہید کر دیا۔ امام حسنؑ کو زہر کے ذریعہ اور امام حسینؑ کو ان کے روشن
ستاروں کے ساتھ کربلا میں قتل کر ڈالا۔

اس مقام پر سمجھ میں آ جاتا ہے کہ عید غدیر اس امت کے لئے امتحان تھی
لیکن انفسوس یہ متفرق ہو گئی اور اختلاف سے دوچار ہوئی اور اس طرح ٹکڑوں میں
بٹ گئی جیسے یہود نصاریٰ نے اختلاف کیا تھا، رسول اسلام نے بھی اس کی طرف
اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی ہم پر واضح ہو گیا کہ امامت جو اصول دین کی ایک اصل ہے
کنارے چھوڑ دی گئی اور اس سے نفرت کی جانے لگی۔ اور اسکے اہل افراد سوائے
صبر و شکیبائی کے کچھ نہیں کر سکتے تھے اور اس کی جگہ بغیر سوچے سمجھے ایسی جھوٹی
امارت کھڑی کر دی کہ جس کے شرک و مسلمانوں کے سر سے سوائے خدا کے کوئی اور
ختم نہیں کر سکتا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آزاد کئے جانے والے (طلاق) اد
رفسدوں نے بھی اس کی ہوس کر لی۔ اور جس کشتی نجات کو آنحضرتؐ نے
درست کیا تھا اور چلنے کے لئے تیار کر دیا تھا اس پر کچھ مخلص یتیموں کے سوا کوئی
سوار نہ ہوا اور تمام مسلمان دنیا کی محبت و ریاست کی خواہش میں ڈوب گئے اور جو
انکہ ہدایت اور راہنما تھے ان کو ایسے ہی چھوڑ دیا۔ اس طرح وہ ایسے خود پسند راہ
و مذہب کے پیرو بن گئے جس پر کتاب خدا اور سنت رسولؐ سے قیامت تک کوئی
دلیل نہیں ہو سکتی۔

یہ تھا عید غدیر اور صاحب غدیر کی سرگذشت کا خلاصہ اور غدیر کے بعد جو
سازش کی گئی اسے بھی وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ
مزید تحقیق کرنا چاہتے ہیں وہ میری دوسری کتاب "پنجوں کے ساتھ ہو جاؤ" کا

مطالعہ فرمائیں۔

فی الحال چاہے ہم سنی ہوں یا شیعہ یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم بھی تاریخ کی قربانی ہیں بلکہ ایک ایسی سازش کی قربانی جس کا نقشہ دوسروں نے تیار کیا اور اس کی داغ بیل ڈالی بلاشبہ ہم بھی طبیعت کے مطابق پیدا ہوئے، ہمارے شیعہ یا سنی ہونے کا سبب اور ہدایت و گمراہی کا باعث ہمارے والدین ہیں، ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جس گمراہی و انحراف کو چودہ (۱۴) صدیاں بیت چکی ہوں اس کا کچھ برسوں میں ختم ہونا ممکن نہیں ہے اور جو بھی یہ خیال کرتا ہے اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ معصوم ائمہؑ نے امام علیؑ سے لیکر امام حسنؑ عسکریؑ تک اپنی پوری توانائی کے ذریعہ امت میں اتحاد پیدا کرنے اور سیدھے راستہ کی ہدایت کی کوشش کی اور اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کی اور اپنے نوہالوں کو بھی فدا کر دیا تاکہ دین محمدؐ قائم رہے لیکن زیادہ تر لوگوں نے کفر ان نعمت کیا اور ان سے منہ موڑ کر حق کو پامال کر دیا۔

اسی طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اصلاح کرنے والوں اور سچے مومنین سبھی کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور مسلمانوں کے اتحاد کی تمنا، جہل و نادانی اور اندھے تعصب کے پتھر سے ٹکرا کر رہ گئی۔ قومیتوں کے پہاڑ، گونا گوں نسلیں، اور مختلف حکومتیں، ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور ان کے پس پشت ہمارے دشمن بھی ہیں جن کی محبت و دوستی کو ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا۔ وہ رسولؐ کی رسالت کے زمانہ سے لے کر آج تک پوری قوت کے ساتھ ہمیشہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ نور خدا کو خاموش کر دیں۔

اور ان کے پیچھے بھی کچھ اور موقع پرست لوگ ہیں جو سوائے اپنے فائدہ کے اور کچھ نہیں سوچتے بلاشبہ مسلمانوں کا اتحاد ان کے منافع کے لئے بڑا خطرہ

ہے لہذا انکی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ لوگوں میں تفرقہ ڈال کر انھیں بانٹ دیں۔

ان کے علاوہ ابلیس ملعون بھی تو بیکار نہیں بیٹھا ہے وہی تو ہے جس نے خداوند عالم سے کہا تھا:

میں یقیناً تیرے بندوں کو راہ راست اور صراطِ مستقیم سے گمراہ اور منحرف کر دوں گا۔ (اعراف/۱۶)

یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ وقت کافی گزر چکا ہے چودہ صدیاں بیت گئیں اور ہم سوئے ہوئے ہیں۔ حیران و پریشان ہیں۔ ہماری عقلوں پر دنیا کی زینت دھوس نے غلبہ کر رکھا ہے اور ہماری فکروں کو لا علاج بیماریوں نے گھیر رکھا ہے۔ لیکن دوسری طرف ہمارے دشمن علم اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے مسلسل ترقی کر رہے ہیں اور ہم سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں، ہمارا خون بہا رہے ہیں، ہماری دولت لوٹ رہے ہیں اور ہمیں ذلت و رسوائی کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم (مسلمان) پسماندہ ہیں۔ ہمیں متدن بنانا چاہئے۔ ہم وحشی جانور ہیں جسے رام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے سارے راستے بند کر ڈالے گئے اور ہماری سانسوں کو بھی مقید کر دیا گیا، حتیٰ کہ اگر ہم میں سے کسی کو چھینک بھی آجائے تو اس کا بھی ہزار طرح سے حساب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مصدر جو کہ زکام یا نزلہ ہے اسے مشخص کر دیا نہ ہو کہ انھیں بھی لگ جائے اور وہ بیمار ہو جائیں اور علاج مشکل ہو جائے۔

یہ سب اس لئے ہے کہ جن باتوں کا اسلام نے حکم دیا تھا انھوں نے اس پر عمل کیا اور اسے سیکھ لیا لیکن ہم نے خدا کے بہت سے احکام کو چھوڑ دیا اور ان پر توجہ نہ دی۔ اس سے زیادہ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ عقل مندوں کے لئے اشارہ کافی ہے۔

ہاں آج ہم نیند سے اٹھ بیٹھے ہیں لیکن کیسا جاگنا! ہم نے اتحاد کے نعرہ پر

تالیاں بجانا اور ناچنا شروع کر دیا ہے اور ہم میں سے ہر ایک اس بات کا معتقد ہے کہ ہم ہی اتحاد کے علمبردار ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ چند کانفرنسوں یا چند نعروں کے ذریعہ امت میں اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے۔

میں نے جس روز اس دنیا میں آنکھ کھولی اسی روز لفظ اتحاد میرے کانوں سے ٹکرایا اور مدرسہ کے پہلے دن سب سے پہلے اتحاد کی نظم پڑھی لہذا اس کے معنی میری رگ و پے میں رچ بس گئے تھے۔ اور جیسے جیسے میں جوان ہوتا جاتا تھا اتحاد کا خواب دیکھتا تھا لیکن آج ہماری عمر پچاس سال سے زیادہ ہوگئی اور اتحاد کی کوئی تصویر اور خیال تک نظر نہیں آیا۔

مسلمانوں کی یکجہتی و اتحاد سے ناامیدی و مایوسی کے بعد میں نے اسی اتحاد پر اطمینان کر لیا تھا جو دو پڑوسی ملک مصر اور شام کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ لیکن جس صبح میں اس اتحاد پر خوشحال ہوا اسی شب اس پر رویا بھی۔ البتہ دونوں قومیں ساتھ ہیں اور سوائے حکومتی قوانین کی کوئی بھی چیز انکو ایک دوسرے سے جدا نہ کرے گی۔ اور اسی روز ہماری سمجھ میں آیا کہ قوموں کی سرنوشت کچھ گئے چنے افراد کے ہاتھوں میں ہوا کرتی ہے۔ اور وہ جس طرح چاہتے ہیں نچاتے ہیں۔ لہذا اگر انہیں اچھا لگتا ہے تو وہ قوموں کو اتحاد پر آمادہ کر دیتے ہیں ورنہ ان میں تفرقہ ڈال کر جدا کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ جنگ و خونریزی پر بھی تیار کر دیتے ہیں لہذا تم دیکھو گے کہ وہی جو کل تک ایک دوسرے کے گلے ملتے تھے اور ایک دوسرے کی پیشانی چومتے تھے آج ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور جنگ میں مصروف ہیں۔

جب دشمنوں کے پاس اس درجہ قدرت و نفوذ ہے کہ وہ ان قوموں کے اتحاد کو اختلاف میں بدل سکتے ہیں جو سینکڑوں سال سے متحد تھیں، اور ان کے اندر رنجش و تناؤ پیدا کر سکتے ہیں جبکہ یہ قومیں باقدربت اور متحد تھیں پھر وہ ان

اسلامی قوموں کو ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ جو سینکڑوں سال سے اختلاف و پراگندگی کا شکار ہیں اور اب متحد ہونے کی فکر میں ہیں یہ اتحاد ان کے منافع کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے۔ مگر چہ یہ قومیں فقر، پسماندگی اور ڈھیروں قرضوں کے نیچے دبی ہوئی ہیں۔

خیر اگر ہم فرض کر لیں کہ اتحاد بھی پیدا ہو گیا تو ہم اس فقیری و جہالت کے ساتھ کیا کر سکتے ہیں اور اگر ہم استعمار کرنے والوں کو ترک کرنے اور چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی فکر میں ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اس طاقت سے بہرہ ور ہوں جو سنگروں کی جڑ کاٹ دے اور مفسدوں کو نیست و نابود کر سکے لیکن یہ بھی کیسے ممکن ہے ہم تو مسلسل انہی سے ہتھیار خریدے جا رہے ہیں جس کا استعمال ملت اسلامیہ کے زحمت کش فرزندوں اور مسلمانوں کی نابودی کی خاطر ہوتا ہے۔

اگر ہم ایک روز آگے بڑھیں تو وہ ساٹھ سال آگے بڑھ جاتے ہیں اور اگر ان سے مقابلے کے لئے کوئی ایک قوت پیدا کریں تو وہ اس طرح کی ستر (۷۰) قوتیں ہماری نابودی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ جنگ کرنا چاہیں تو انہیں ہمارے مقابلہ میں کوئی خاص زحمت و مشکل نہ ہوگی اس لئے کہ وہ ہمارے دیگر مسلمان اور عرب بھائیوں کو چڑھائیں گے اور ہمیں آپس میں ہی لڑا کر ایک دوسرے کا خون بہانے میں لگا دیں گے اور خود دور سے تماشا دیکھیں گے اور تالی بجائیں گے۔

خلیج فارس کی جنگ ہمارے کانوں اور ہماری آنکھوں سے زیادہ دور نہیں۔ کل ہی تو تھا کہ اس جنگ میں کفار کے صرف کچھ فوجی قتل ہوئے لیکن دوسری طرف لاکھوں مسلمان زندہ درگور ہو گئے۔ اور جو شخص یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں اسرائیل کو جلا کر راکھ کر دوں گا اور بعض نادانوں کو اس کا یقین بھی ہو گیا تھا اور جس نے خود اپنے عوام کو کیمیکل ہتھیاروں کے ذریعہ نابود کرنا شروع کر دیا اور

ان کے خائن و ظالم فوجیوں سے مسجد اور مقامات مقدسہ بھی محفوظ نہ رہ سکے وہ کفار کے مقابل۔ بزدلوں اور ڈرپوکوں کی طرح پیچھے ہٹ گیا اور میدان خالی چھوڑ دیا۔ اسلامی جمہوریہ ایران اور اس کے دلاور مردوں نے پوری طاقت و توانائی، بوجہ اور اپنے فرزندوں کے خون کی سنگین قیمت ادا کر کے اور مشرق و مغرب کی دشمنی، بین الاقوامی تاکہ بندی مول لے کر مسلمانوں کے اتحاد کے لئے قیام کیا۔ اور بالآخر اس کے رہبر اور بانی (آپ پر خدا کی رحمت ہو) نے دنیا سے رخصت فرمائی جبکہ آپ کی جانب سے اسلامی اتحاد کی دعوت پر مسلمانوں کے ایک نہ کہنے پر آپ کو افسوس تھا۔ اسی طرح جیسے آپ کے جد امام المتقین کو رنج و ملال تھا یہ امام شیعہ کے جاودانی اقوال کا ایک حصہ ہے آپ نے فرمایا:

﴿اگر مسلمانوں کا ہر فرد مل کر تھوک دے تو اسرائیل ڈوب جائے گا﴾

پھر مسلمان جب تھوکنے تک سے بخل کرے تو اس سے جان و مال کی قربانی کی امید کہاں رکھی جاسکتی ہے لہذا ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان میں سے بہت سے اسرائیل کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کر رہے ہیں۔ لہذا یہ حماقت ہوگی اگر کوئی ان سے اسلامی اتحاد کی امید رکھے۔

کیا آپ بھول گئے ہر روز ۵۰ ہزار فلسطینی، اسرائیلی رحم و کرم کے خطرہ رچے ہیں اور ہر روز صبح سویرے ذلت و رسوائی کے سایہ میں کام پر جاتے ہیں تاکہ اپنے اور اپنے بچوں کے لئے روٹی فراہم کر سکیں۔ اور اگر کسی روز اسرائیل ان پر اپنے دروازے بند کر دے تو وہ بھوک سے مرجائیں گے جیسا کہ اخیر ہوا بھی یہی ہے۔

پھر وہ مسلمان بھائی کہاں ہیں جنہیں اللہ نے دولت سے نوازا ہے؟ اور اپنی رحمت کے ذریعہ انہیں بے نیاز کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک شاہزادہ کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ ان بیچاروں سے کئی گنا زیادہ لوگوں کو مستغنی کر سکتا ہے جو

اسرائیل سے نہیں لڑتے اور اس کو اپنا ولی فہمت اور روزی دینے والا سمجھتے ہیں۔

خدا کا درود و سلام ہو امام علیؑ پر آپ فرماتے ہیں:

”نزدیک ہے کہ فخر، کفر پر تمام ہوا اگر فخر کوئی شخص ہوتا تو میں اسے قتل کر ڈالتا۔“

یہ سچ ہے کہ اتحاد میں طاقت ہے لیکن اتحاد کے ہر عنصر میں طاقت ہونی چاہیے اور اگر تمام عناصر بیمار اور کمزور ہوں تو ان کا اتحاد سوائے مرض و شدت اور بدبختی کے کچھ اور نہ ہوگا۔ وہ کس طرح اتحاد کے لئے تیار ہوگا جو بیماری و بھوک میں مبتلا ہے؟

کن کن باتوں کے متعلق آپ سے گفتگو کروں؟ ان جوانوں کے متعلق جن کے پاس مقابلہ کے لئے پتھر کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہیں ہے اور پتھر بھی ٹوٹ چکے ہیں اس لئے کہ اس وقت بعض لوگ ایسے پتھر کی تلاش میں ہیں جنہیں باندھ کر بھوک سے کچھ نجات حاصل کریں۔ اور عالم یہ ہے کہ اگر ایک اسرائیلی فوجی کسی ایک بچے کے پتھر مارنے کی وجہ سے زخمی ہو جائے تو دسیوں بچوں اور نو جوانوں کو مشین گن اور بم کے ذریعہ حملہ کر کے ختم کر ڈالتے ہیں۔

پس عرب ممالک کہاں ہیں جو دسیوں سال سے فلسطین کی آزادی کا وعدہ دوہرا رہے ہیں؟

اور وہ اسلامی ممالک کہاں ہیں جو اسلامی ممالک کی سربراہی کانفرنس کے زیر سایہ جمع ہوئے ہیں اور بیت المقدس کی آزادی کا نعرہ لگاتے ہیں؟ کیا آپ نے ان ممالک میں سے کسی ایک کو دیکھا جس نے ان جہاد کرنے والے بچوں کی معنوی یا مادی مدد کی ہو جن کے پاس سوائے پتھر کے کوئی ہتھیار نہیں۔ لیکن ہم اس بات کے شائبہ ہیں کہ ان ہی ممالک نے خلیج فارس کی جنگ میں پناہ گاہوں سے کس طرح ہتھیار نکالے اور اربوں ڈالر خرچ کیا اور شور مچایا کہ عراق کو نابود

کر دیں گے۔ لیکن درحقیقت انہوں نے سازش کی تھی کہ عراق کے شیعہ اقلیت کو کچل دیں۔ اس وقت عراقی اور اسرائیلی حکومت اور دوسری کٹر حکومتیں اپنی اپنی قائم ہیں لیکن شیعہ زندہ درگور ہو گئے۔ اور جو زنجیرہ بچے وہ بیابانوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ لاکھوں بیچارے عراقی، سعودی کیمپوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ اور دہائیت کی ذلت و رسوائی اور اہانت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مجھے افغانستان کے مسلمانوں کے انجام کے متعلق بھی کہہ لینے دیجئے اور دلی بھڑاس نکال لینے دیجئے کہ خدا نے ان پر رحم کیا اور انہیں کفار پر کامیابی بخشی لیکن بعد میں یہ خود ایک دوسرے کی جان کمرے درپے ہو گئے۔ گھروں کو ویران کرنے لگے، عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالا اور سیسے سارے مظالم کفار کے، شکنڈوں کے ذریعہ انجام دیئے گئے اور اس وقت بھی جارہی ہیں۔

رکیت! ہم آپ کو یوگوسلاویہ (بوسنیا) کے مسلمانوں کے متعلق بتا رہے ہیں۔ کافر قوتوں نے ان پر حملہ کیا اور مشرقی یورپ سے ان کی مکمل صفائی کے درپے ہو گئیں۔

مجھے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت پر بھی گریہ کر لینے دیجئے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان کی ناموس کی کس طرح بے حرمتی کی جاتی ہے۔ اور کس طرح ان پر حملہ کیا جاتا ہے۔ حقیق کہ بعض مسلمان عورتیں حیوانوں کی طرح بازاروں میں خریدی اور بیچی جاتی ہیں!

آئیویا، سومالیا، سوڈان اور افریقی مسلمانوں کے متعلق ہم کیا کہیں روزانہ ہزاروں مسلمان بھوک سے مر رہے ہیں جبکہ مسغری کتے اور بلیاں لذیذ کھانوں سے سیر ہیں!!

مسلمانوں کی آبرو پامال ہو رہی ہے اور بیروں تلے روندی جارہی ہے جبکہ جانوروں کے حقوق کا دفاع کرنے والی تنظیمیں گھاس کی طرح اُگ رہی

ہیں۔

بہت ہو چکا جھوٹ!

بہت ہو چکا فریب!

بہت ہو چکا نفاق!

بہت ہو چکی دورگی!

اگر ایک وطن کے جوانوں میں پراگندگی اس طرح پائی جاتی ہو تو پھر تمام مسلمانوں کے اتحاد کے خواہاں ہم کیسے ہو سکتے ہیں؟ بات زیادہ ہے اور کام کم! ۱۹۳۸ء سے لے کر خلیج فارس کی جنگ تک، ایک مختصر نگاہ ہی کافی ہے۔ ہمیں صاف نظر آ جائے گا کہ ہمیشہ کامیابی کفار کی رہی ہے اور مسلمانوں کو ناکامی، شکست، نقصان اور ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ پس اے عقلمندو! خدا کے غضب سے ہوشیار رہو!

کیا یہ کل ہی کی بات نہیں ہے جب ہم کہتے تھے کہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات پیدا نہ کریں گے اور جو کچھ زور اور طاقت کی بنیاد پر لیا گیا اسے زور اور طاقت کی بنیاد پر واپس لیں گے۔ پھر آج کیوں ہم فقیروں کی طرح ان کے پیچھے پھر رہے ہیں اور ان سے گڑگڑا کر التجا کر رہے ہیں کہ ہم سے زبردستی چھینی ہوئی زمین کا کچھ حصہ ہمیں واپس کر دو، اور اس میں واسطہ اس کے نزدیکی دوست امریکا کو بناتے ہیں؟!

ہمارے دل تھک گئے اور ہماری عقلیں خط ہو گئیں اور ہمارے قلوب پراگندہ ہو چکے ہیں۔ نہ اب ہم تمہارے اتحاد کا یقین کریں گے اور نہ ہی اس کامیابی کا جو تمہارے ذریعہ حاصل ہوا! اور کیا یہ معقول بھی ہے کہ خلیج کے بادشاہ و امراء اور دیگر مسلمان بادشاہ سلاطین فقیروں، کمزوروں، بے کسوں اور ناداروں کے ساتھ اتحاد کریں؟!

ہاں! ان کا اتحاد صرف کلمہ شہادتیں کہنے میں ہے وہ بھی صرف زبان سے۔ حتیٰ کہ ان کی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج بھی زبان سے آگے نہیں بڑھتے پھر مشکل کیا ہے؟ بس خلیب نماز جمعہ نے آواز لگا دی کہ اے لوگو! ہمارا خدا ایک ہے، ہمارا رسول ایک ہے، ہمارا قبلہ ایک ہے، پس مسلمانوں تم میں اتحاد ہونا چاہیے۔! کتنا آسان ہے یہ نعرہ بلند کرنا کہ شیعہ، نہ سنی، بس اسلامی اتحاد! لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ موجودہ صورتحال کا ٹھیک ٹھیک حساب کرنا چاہیے اور بغیر کسی فریب و دھوکے کے حقیقت سے رو برد ہونا چاہیے۔

ادھر چند برسوں سے ایک نیا نظریہ پیش کیا جانے لگا ہے اور ایک نئی بات کہی جا رہی ہے جو گویا ائمہ معصوم اور بزرگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھی۔ کہتے ہیں کہ: ان احادیث کو بیان نہ کرنا چاہیے جس میں تاریخ کا تذکرہ ہے اس لئے کہ اس سے بعض مسلمانوں کے جذبات بھڑکتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھے اور کہنے لگے ہیں کہ شیعہ و سنی میں سوائے فروع دین کے اور کوئی اختلاف ہی نہیں ہے اور یہ بھی ایسا ہی اختلاف ہے جیسا سنی قہموں میں آپس میں اختلاف ہے اس طرح انھوں نے امامت جو اصول دین کی ایک اصل ہے اس سے ہاتھ اٹھالیا۔

جو نتیجہ اس جدید صورت حال سے حاصل ہوا یہ تھا کہ ہمارے دماغ آزاد ہونے کے بعد خشک ہو گئے اور انھیں اب بحث کر کے حق تک پہنچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ اور اس کے بعد ہمیں ایک ساتھ رہنا چاہیے دشمن کے سامنے ایک ہو کر کھڑے ہونا چاہیے۔ گویا اس بات سے غافل ہیں کہ ہمارا دشمن خود ہمارے اندر ہے اس نے ہمارے گھروں کو اپنا مسکن بنالیا ہے اور خود ہمارے زیر سایہ پرورش پا رہا ہے۔

تعب تو اس بات پر ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک سے مائیں اور لینیں

کے متعلق بحث کریں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کے سینے پھیل جاتے ہیں۔ اور آپ کو روشن خیال کہنے لگتے ہیں لیکن اگر ابوالحسن، علی اور ائمہ معصومین کے پاک فرزندوں کے نام لیں تو یکا یک دل تنگ اور افسردہ ہو جاتے ہیں کہ تم نے خلفائے راشدین کی توہین کی ہے اور اس سے بھی عجیب و مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اگر دلیل و برہان کے ذریعہ ان کو زیر کر دیا اور ان کے لئے سوائے تسلیم کے کوئی راہ نہ چھوڑی تو فوراً اسلامی اتحاد کا نعرہ لگائیں گے اور آپ پر الزام لگائیں کہ آپ مسلمانوں میں اختلاف و افتراق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

کیا اس پر لعنت بھیجتا چاہیے جو کتاب خدا، سنت رسول، اور عقلین کی طرف رجوع کرنے کی بنیاد پر عقیدہ میں اتحاد پیدا کرنا چاہتا ہے اور کیا اس پر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق ڈالنے کا الزام لگایا جاسکتا ہے؟

بعض علماء حق کو جانتے ہیں لیکن اسے پوشیدہ کرتے ہیں اور اگر ان سے سوال و جواب کریں تو اس خوف کی بنیاد پر جواب نہ دیں گے کہ کہیں اسلامی اتحاد کے مخالف قرار نہ دے دیئے جائیں۔

لیکن میرا خیال تو یہ ہے کہ حق تک پہنچنے کے لئے صحیح بحث میں کوئی ایسا خطرہ نہیں ہوتا جو اسلامی اتحاد کو نقصان پہنچائے۔ اس لئے کہ جذبات و احساسات کو بھڑکانے سے بڑھ کر تو اور کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ صورت بھی بحث کے آخر میں حق کے واضح ہو جانے کے بعد آتی ہے۔

لیکن وہ خطرہ کہ جس سے بڑا خطرہ کوئی اور نہیں ہو سکتا یہ ہے کہ ہم منہ پر لگام لگا دیں اور لوگوں کو بحث و جستجو سے روک دیں اپنی عقلوں کو معطل کر دیں اور حق تک پہنچنے سے روک دیں۔ صرف اس لئے کہ اتحاد کے خواہاں ہیں! یہ وہی کام ہوگا جو عراق کی بحث پارٹی نے سنی و شیعہ میں تفرقہ ڈالنے کے لئے کیا تھا۔ پس اس سلسلہ میں ہر گفتگو منع ہے تاکہ اہل سنت حضرات بات کی حقیقت کو نہ پہنچ

لیکن۔

اور یہ بھی وہی کام ہے جسے سب سے پہلے خلفائے راشدین نے انجام دیا اور لوگوں کو نیزہ کی نوک پر رسول اسلام کی احادیث نقل کرنے سے روکا لہذا نفرت بہت سے مسلمانوں پر پوشیدہ ہو گئی۔ انھوں نے عید غدیر کو نہ پہچانا۔ انھیں کبھی معلوم کہ عید غدیر کیا ہے؟ وہ نہیں جانتے کہ اس روز کیا ہوا؟ چنانچہ یہود و نصاریٰ نے ان پر ملامت کی اور کہا اگر آیت ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾

ہمارے متعلق نازل ہوئی ہو تو اس روز ہم سبھی عید مناتے اور اس میں ایک آدمی بھی اختلاف نہ کرتا۔ اور صحابہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اور ایک گروہ پیدا ہوا ہے جو امیر المومنینؑ کے کلام سے استدلال کرتا ہے کہ حضرت نے فرمایا:

”جب تک مسلمانوں کے امور ٹھیک ہیں میں بھی خاموش رہوں گا، رہنے دو صرف مجھ پر ستم ہوتا رہے۔“ (نہج البلاغہ/ ج ۴)۔

لیکن یہ بھول گئے ہیں کہ خود حضرت نے غدیر کے واقعہ کو زندہ کیا جبکہ لوگوں نے اسے مکمل طور پر بھلا دیا تھا۔ اور تیس افراد جو اس واقعہ کے شاہد تھے ان کو گواہ بنایا اور جن لوگوں نے ان کو ٹھہرایا ان پر نفرین کی۔ اسی طرح ان کے انہوں فرزندوں نے بھی حج کے موقع پر زائرانِ خانہ خدا کے سامنے اس اہم تاریخی واقعہ کو بیان کیا اور جشن منایا۔ کیا امیر المومنینؑ نے نہیں فرمایا:

نفرین نہ کرو اور نامزائ بھی نہ کہو لیکن یہ یاد دلاؤ کہ انھوں نے کیا کیا، کیا کیا؟ تاکہ حجت مکمل ہو جائے اور استدلال پوری طرح واضح در روشن ہو جائے۔ (بحار الانوار ج ۳۲، ص ۳۹۹)۔

لہذا ہمیں امیر المومنینؑ کی اقتدا کرنی چاہیے اور ان کی پیروی کرنی چاہیے نہ کہ صرف تسلیم ہو جانے کا تذکرہ کریں جیسا کہ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ:

ہم آسانی کتاب کی بعض آیتوں کو تو مقبول کریں گے لیکن بعض کو قبول نہ کریں گے (نساء/ ۱۵۰)۔

لہذا جو نہج البلاغہ کو دلیل بنا کر ہم پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں انھیں پوری کتاب اور جو کچھ اس میں ہے سب کچھ قبول کرنا چاہیے۔ نہ کہ صرف کچھ جملے جو ان کی نفسانی خواہشات کے ساتھ سازگار ہوں اسے دلیل بنا کر اعتراض کریں۔ مثلاً نہج البلاغہ میں جس جگہ بھی کسی مجہول شخص کی تعریف ہوئی ہے فوراً کہنے لگتے ہیں کہ حضرت کا یہ کلام حضرت فاروقؓ کے متعلق ہے اور آپ نے ان کی تعریف و مدح کی ہے!

لیکن انھیں سے جب کہیں کہ ﴿خطبہ شمشقہ﴾ جس میں امامؑ نے خلفاء پر شدید اعتراض کیا ہے اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟ تو کہیں گے یہ شریف بنی کا جھوٹ ہے جس کا حضرت علیؑ سے کوئی ربط نہیں! البتہ یہ حضرت علیؑ کو دوست رکھتے ہیں اور اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ آنجنابؑ نے خلفاء کی اطاعت میں کوتاہی نہیں کی! یہ ان کے لئے دعا بھی کرتے ہیں۔ لیکن انھیں یہ یاد نہیں کہ علیؑ نفس رسولؐ ہیں اور قلب علیؑ قلب محمدؐ ہے۔ پروردگار عالم نے ان سے جس وکالت کو دور کیا ہے اور انھیں طاہر و مطہر قرار دیا ہے انھوں نے یہ بھلا دیا ہے کہ علیؑ اصل کے عین مطابق ایک نسخہ ہیں۔ وہی اصل جسے پروردگار عالم نے خلقِ عظیم سے تعبیر کیا ہے اور اس کی توصیف کی ہے اور اسی طرح اہل بیتؑ کے قلوب حسد و جلن سے خالی ہیں اور ان کے یہاں بغض و کینہ کا گزر نہیں ہے (۴۴) لہذا یہ رسولؐ تھے اور وہ رسولؐ کے وحی بالفاظ دیگر محمدؐ زید و بشیر تھے تو علیؑ ہادی اور راستہ دکھانے والے، محمدؐ نے تنزیل پر جنگ کی تو علیؑ نے تاویل و تفسیر پر جنگ کی۔

یہی سبب تھا کہ اللہ نے علیؑ کو چنا اور اپنی امامت کے لئے علیؑ کو منتخب کیا

ایسی امامت جس پر اپنے دین کو مکمل کیا اور نعمت کو تمام کر دیا اور اس عظیم ہستی کے اکرام و احترام کے لئے تاج پوشی امامت کے دن کو عید اکبر قرار دیا۔

ہاں! علیؑ نے صبر و خیر خواہی کے ساتھ ایک روز بھی اپنے حق پر سکوت اختیار نہ کیا۔ خود آپؐ لوگ اپنی صحیح میں تحریر فرماتے ہیں۔ علیؑ چھ ماہ تک بیعت کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس مدت میں واضح اور روشن دلیلوں کے ساتھ (خاصہ حق) پر احتجاج کرتے رہے اور اپنے حق کا دفاع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ سے کہا:

”ایسا دودھ دوہو کہ اس کا آدھا تمہارا ہو۔ آج اس کے لئے زیادہ محنت کرو تا کہ وہ خلافت کل تمہارے حوالے کر دے“

(الامامۃ والسیاست / ج ۱، ص ۱۸۔ انساب الاشراف ج ۱، ص ۵۸۷)
خود آپؐ لوگوں نے روایت کی ہے کہ وہ اپنی زوجہ حضرت فاطمہؑ زہراءؑ کے ساتھ باہر جاتے اور انصار سے ملاقات کرتے لیکن وہ معذرت کے ساتھ کہتے:

”اے رسول خداؐ کی نور چشم اگر آپؐ کے شوہر اور (آنحضرتؐ) کے چچا زاد بھائی ہمارے پاس پہلے آتے (اور ہم سے مدد چاہتے) تو ہم سوائے ان کے کسی اور کو خلافت کے لئے منتخب نہ کرتے۔“

اور ان کے جواب میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:
کیا یہ صحیح ہوتا کہ میں رسول خداؐ کے جسم کو بلا غسل و کفن چھوڑ دیتا اور (سقیفہ چلا جاتا) اور خلافت کے مسئلہ میں لوگوں سے جھگڑا کرتا؟
اور جناب فاطمہؑ فرماتی ہیں:

”ابو الحسنؑ نے جو کچھ کیا وہ ان کا فریضہ تھا لیکن جو کچھ ان لوگوں نے کیا اس کا حساب انھیں خدا کے یہاں دینا ہوگا“ (الامامۃ والسیاست / ج ۱، ص ۱۹ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶، ص ۱۳)۔

وہ علیؑ ہی تو تھے جنہوں نے دل سوز آہ و نالہ کے ساتھ اپنی زوجہ گورات کے وقت سپرد خاک کیا اور رسول خداؐ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”اے خدا کے رسولؐ آپؐ پر سلام ہو اور آپؐ کی بنا پر بھی جو آپؐ کے بغل میں محو آرام ہیں۔ وہ آپؐ کو بتائیں گی کہ آپؐ کی امت نے کس طرح ہمارے خلاف شورش کی اور ہمارے حق انھیں کیا۔ اے رسول خداؐ آپؐ ان (فاطمہؑ) سے کچھ نہ پوچھیے کہ ان کی حالت دیکھیں“ (آپؐ خود کچھ جائیں گے کہ ان پر کیا گزری ہے۔) (نہج البلاغہ / ج ۲، ص ۲۰۵)

وہ علیؑ ہی تو تھے جنہوں نے خلافت کے لئے دو خلیفہ (حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ) کی سنت کو قبول کرنے کی شرط سے انکار کر دیا اور قبول نہ کیا۔ یہ سب کیا ان لوگوں اور ان کی حرکتوں سے حضرتؓ کی رضامندی کی دلیل ہے؟! وہ علیؑ ہی تو تھے جنہوں نے خلافت سے انکار کر دیا اور جب ان کو مجبور کیا گیا تو بھی قبول نہ کیا یہاں تک کہ ۳۰ آدمیوں نے مذکر کے واقعہ کی گواہی دی اور اعتراف کیا کہ علیؑ رسول خداؐ کی جانب سے تمام مسلمانوں کے لئے خلیفہ معین ہوئے تھے اور آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:

”جس کے مولا علیؑ نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔“

اس طرح علیؑ نے غدیر کی واقعہ کی یاد اس وقت تازہ کی جب اسے پوری طرح فراموشی کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ لیکن افسوس کہ اس کے باوجود بہت سے مسلمان اس واقعہ سے بے خبر ہیں۔ اور اس واقعہ پر یقین نہیں کرتے۔ علیؑ کا یہ کردار صرف اس بنیاد پر تھا کہ امام علیؑ کی شجاعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ حق کے اوپر خاموشی اختیار کی جائے۔

میں ان لوگوں سے عرض کرتا ہوں کہ امام علیؑ کی شجاعت رسول خداؐ کی شجاعت سے بڑھ کر نہیں ہے، علیؑ خود فرماتے ہیں:

جب بھی آتش جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور لڑائی شدت اختیار کر

لیتی میں رسول خدا کی پناہ میں آ جاتا تھا“ (نسخ البلاغ)۔

لیکن اس کے باوجود آنحضرتؐ نے اپنے حق کے متعلق سکوت اختیار کیا اور مشرکین کے سامنے اسلام کی مصلحت کے لئے نرمی اختیار کی اور ان کی شرطوں کو قبول کیا حتیٰ کہ بعض اصحاب نے آنحضرتؐ پر ذلت قبول کرنے کا الزام لگایا۔

اور ایک شخص نے تو یہاں تک کہا:

”کیا واقعتاً تم رسول خدا ہو؟“

(مسند احمد ج ۳/ص ۳۳۰۔ صحیح بخاری ج ۳/ص ۲۰۶)۔

امام حسنؑ نے مسلمانوں کے خون کے حفاظت کے لئے جس وقت معاویہؓ سے صلح کی تو اس وقت آپؐ پر بھی یہی تہمت لگائی گئی اور چلایا مدلل المومنین (اے مومنین کو ذلیل کرنے والے) کہا گیا۔

لہذا عید غدیر حق و باطل کے درمیان ایک مرکز ہے۔ عید غدیر نے دین کے کمال کو نمایاں کیا عید غدیر نے شورش کرنے والوں کے خلاف خدا کے غضب کو ظاہر کیا، عید غدیر نے خدا کی اس امامت کو ظاہر کیا جسے اس نے اپنے برگزیدہ بندوں میں قرار دیا تھا۔

عید غدیر نے اس غضب کی ہوئی خلافت کو واضح کیا جسے رہا ہونے والوں (طلقاء) اور مفسدوں نے لباس کی طرح پہن لیا تھا۔

میں جب بھی شہید سعید آیت اللہ باقر الصدرؒ کی بات کو یاد کرتا ہوں تو ایک لحظہ بھی تردید نہیں کرتا کہ اہل بیت کے حق سے دنیا کو روشناس کرانا چاہیے۔ وہ اپنے قریبوں سے ملاقات کے وقت فرماتے تھے:

جس وقت تیجانی کا خط مجھے ملا انھوں نے مجھے خوشخبری دی کہ ہمارے بھائیوں نے اس خط میں پہلی مرتبہ عید غدیر کا جشن منایا ہے تو میں نے گریہ کیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ انھوں نے اس خط میں شیعیت کا جج

بودیا۔

حاضرین نے اس وقت یہ سمجھا کہ آیت اللہ شہید کا گریہ خوشحالی کی وجہ سے ہے اس لئے کہ مومنین کے ایک گروہ نے ہدایت پائی۔ لیکن برسوں بعد میری سمجھ میں آیا کہ آنجناب کا گریہ اس ظلم و ستم کی وجہ سے تھا جو امیر المومنینؑ اور عترت پاک علیہم السلام پر روا رکھا گیا۔ اس لئے کہ ان پر ظلم، اسلام اور تمام مسلمین پر ظلم ہے۔ گویا آیت اللہ شہید اس پر رورہے ہیں کہ اکثر مسلمان عید غدیر سے ناواقف ہیں اور ان کے کانوں تک یہ بات نہیں پہنچی ہے اور وہ خداوند عالم کے نزدیک اس کی قدر و قیمت کے متعلق لاعلم ہیں۔

عید غدیر کے متعلق اس مختصر بحث کے بعد ضروری ہے کہ اس پر میں اپنی رائے بیان کروں، البتہ یہ خود میری رائے نہیں ہے بلکہ خود کتاب وسنت کا اتباع ہے، ورنہ ہماری اور لوگوں کی رائے کتاب وسنت کی رائے کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ اتحاد اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ایک محکم اور معقول اساس نہ ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب لوگ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ اس لئے کہ رسول خداؐ فرماتے ہیں: اگر (مسلمانوں نے) دین میں اختلاف کیا تو ابلیس کے گروہ کا حصہ بن جائیں گے۔ اور رسول خداؐ نے ہی اتحاد کی بنیادوں کو واضح کیا اور فرمایا:

”میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر ان دونوں سے تمسک کرو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (دو چیزیں) کتاب خدا و میری عترت، میرے اہل بیت ہیں اور اس لطف کرنے والے اور خبر رکھنے والے خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے، یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔“

پس جو بھی ان دونوں سے تمسک کرے گا وہ ایسے اتحاد کا خواہاں ہے جس کو خدا اور رسولؐ چاہتے ہیں اور اگر کوئی اس سے دوری اختیار کرے تو وہ دانستہ یا نہ دانستہ طور پر لوگوں کو تفرقہ کی دعوت دینے والا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ اتحاد و توحید کا رہبر ہے، تو سمجھ لو کہ ایسے شخص کا دعویٰ غلط اور باطل ہے۔ ہاں! صرف اس صورت میں صحت کا امکان ہے جب وہ عقلمند کی طرف واپس آجائے۔

شاید وہ بات جو اہل سنت حضرات میں سے کسی عالم نے مجھ سے کہی اتحاد کی دعوت کرنے والوں کی صدق نیت پر دلالت کرتی ہے، وہی کہ جن کی آل محمدؐ علیہم السلام سے محبت و دوستی میں کسی بھی مسلمان کو شک نہیں ہے۔ اس عالم نے مجھ سے کہا:

ہم ہرگز تم سے اتحاد نہ کریں گے۔ ہاں! مگر اس وقت کہ جب تمہاری آیت اور معجزہ ظاہر ہو جائے۔ ہم نے کہا: کیسی آیت؟ جواب دیا: مہدیؑ، وہی جن کے متعلق تم دعویٰ کرتے ہو کہ زندہ ہیں اور لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اگر وہ آجائیں تو ہم تم سے اتحاد کریں گے اور تمہارے عقیدے کا یقین کریں گے۔

یہ ایک دردناک نتیجہ ہے لیکن بہر حال ایک ایسا حق ہے کہ جس سے راہ فرار نہیں۔ کیونکہ حقیقت بھی یہی ہے یہ امت ہرگز متحد نہ ہوگی مگر اس وقت جب حضرت مہدیؑ ظہور فرمائیں۔ اور اگر ہم یہ خیال کریں کہ ظہور امامؑ کے وقت اکثر اہل سنت، اہل بیتؑ کی طرف آجائیں گے تو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ امت کے درمیان ہمیشہ کچھ ایسے افراد ہوں گے جو تادم مرگ دشمنی اور انکار کرتے رہیں گے۔ یہ حضرت مہدیؑ کے اجداد اور ان کے شیعوں کے دشمنوں کے ساتھ رہیں گے۔ اور جو ظلم ان مقہور ہستیوں پر ہوئے ہیں یہ اس پر خاموش رہیں گے۔ یا ان کے قاتلوں کے ساتھ ہم آواز ہو جائیں گے۔ اور جو کچھ انھیں ورثہ میں ملا

ہے اس کی پیروی کرتے رہیں گے۔ ابن عمر کے مانند جو یزید کے خلاف حسین بن علیؑ کے انقلاب اور ان کی تحریک پر معترض رہتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸/ص ۱۶۳)۔

جس وقت اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو یہ ان سے جدا ہو گئے اور اپنے بچوں اور گھر والوں کو حکم دیا کہ یزید کی بیعت پر باقی رہیں اور رائل مدینہ کی پیروی کریں (البدایہ والنہایہ ج ۸/ص ۲۱۸)۔

گویا ان کے دین کی بقا و سلامتی یزید حجاج، صدام جیسے ظالم حاکموں کی نسبت جہاد (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) میں نہیں ہے بلکہ ان کے لئے اہم یہ ہے کہ اطاعت حاکم میں ذرہ برابر فرق نہیں آنا چاہیے اور جماعت مسلمین سے کٹنا نہیں چاہیے۔ خواہ ایسے ظالم حکومت کرتے ہیں۔

اور آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ سعودی دربار کا مفتی (بن باز) یہ اعلان کرتا ہے کہ شیعوں کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ مفسد اور مشرک ہیں اور ان کے یہاں شادی بھی نہیں کی جاسکتی لیکن یہی مفتی (بن باز) غیر ملکی اور غیر مسلم فوجوں کا سعودی عرب میں استقبال کرتا ہے اور انھیں خیر مقدم کہتا ہے۔ اور امریکی فوجی عورتوں کے دریا میں نہانے اور (سن ہاتھ) کرنے کی برہنہ تصویروں پر کوئی رد عمل پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اسلامی ملک میں ان کی پوری آزادی کا خیال رکھا جاتا ہے یہی مفتی اسرائیل کے ساتھ صلح کو کارخیر کہتا ہے۔ والیان آل سعود کی اطاعت کا نتیجہ یہی تو ہے!!

پھر ہم کس طرح امام مہدیؑ کا آمد کے منتظر نہ رہیں۔ اور کیونکر آپ کے ظہور میں تعمیل کی خدا سے دعا نہ کریں کہ آپ آکر عدل کو عام کریں اور زمین سے ظلم و ستم کو مٹا ڈالیں۔

اس بحث کے آخر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ جمہوری اسلامی ایران کی بنیاد

رکھنے والے امام شیعہ کے خط کا ایک حصہ یاد دلاؤں اور اس کے ذریعہ ان لوگوں کے راستے بند کردوں جو اتحاد کی خاطر سنی و شیعہ کی بحث کی حرمت کے قائل اور مدعی ہیں۔

اس بزرگ ہستی نے اپنی وصیت کا آغاز حدیث ثقلین سے کیا اور حدیث کی شرح و تفسیر کے بعد اس طرح فرمایا:

یہ مسلم ہے کہ رسول اکرمؐ کی ان دو امامتوں پر کثرتوں کی جانب سے جو ظلم ہوا ہے وہ صرف امت مسلمہ پر نہیں بلکہ بشریت پر ہے جسے قلم بیان کرنے سے عاجز ہے اور اس نکتہ کو ذکر ضروری ہے کہ حدیث ثقلین تمام مسلمانوں کے درمیان تواتر کے ساتھ موجود ہے اور اسے اہل سنت کی صحاح ستہ سے لے کر دوسری کتابوں نے الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ مختلف جگہوں پر پیغمبر اسلامؐ سے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ حدیث شریف تمام بشریت اور خصوصاً مسلمانوں کے تمام فرقوں پر قطعی حجت ہے۔ اور تمام مسلمان جن پر حجت تمام ہوگئی ہے۔ جو ابندی کے لئے تیار ہو جائیں۔ جاہل عوام کے لئے عذر ہو سکتا ہے لیکن علماء مذاہب کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔

اس کے بعد امام شیعہؑ ان سازشوں کے مختلف حصوں کو بیان کرتے ہیں۔ جن کے ذریعہ قرآن و عترت کو نشانہ بنایا گیا اور کثرتوں نے قرآن کو قرآن کی دشمن حکومتیں قائم کرنے کا وسیلہ بنایا۔ گرچہ رسولؐ خدا کی وحانی تارک فیہکم الثقلینؑ کی آواز گونجتی رہی اور کانوں تک برابر پہنچتی رہی۔ لیکن مختلف بہانوں اور پہلے ہی سے تیار سازشوں سے انھوں نے کوشش کی کہ قرآن کے حقیقی مفسرین، اس کے حقائق سے آگاہ افراد اور رسول اکرمؐ سے مکمل قرآن حاصل کرنے والوں کو راہ سے ہٹا دیں۔

اور پھر امام شیعہؑ فرماتے ہیں:

ہمیں اس بات پر فخر ہے اور سرتاپا قرآن و اسلام کی پابند عزیز ملت بھی افتخار کرتی ہے کہ وہ ایسے مذہب کی پیرو ہے۔ جو ان حقائق قرآنی کو جو صرف مسلمانوں کے اتحاد ہی نہیں بلکہ پوری بشریت کا دم بھرتا ہے..... نجات دینا چاہتا ہے۔

ہمیں افتخار ہے کہ ہم ایسے دین کے پیرو ہیں جس کی بنیاد حکم خدا سے رسولؐ نے ڈالی اور امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسا بندہ جو تمام قیدوں سے آزاد تھے بشر کو ہر طرح کی غلامی اور ایسی سے نجات دلانے کے لئے مامور کئے گئے۔

ہمیں فخر ہے کہ قرآن مجید کے بعد نبیؐ البلاغہ معنوی اور مادی زندگی کے لئے سب سے بڑا دستور العمل اور بشر کی رہائی کے لئے عالی ترین کتاب ہے اور اس کے معنوی و مکتومی احکام ہماری نجات کا سب سے بڑا راستہ ہیں ہمارے معصوم اماموں کا سرمایہ ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ معصوم ائمہ علی بن ابی طالبؑ سے لے کر بشریت کے نجات دہندہ حضرت مہدیؑ صاحب الزمان (آپ پر ہزاروں درود و سلام) جو خداوند قادر کی قدرت سے زندہ اور امور کے مگران ہیں ہمارے امام ہیں۔

اور پھر اپنی وصیت کے آخر میں فرماتے ہیں:

میں پورے عجز و انکسار کے ساتھ پوری ملت اسلامیہ سے چاہتا ہوں کہ وہ ائمہ اطہارؑ کی پیروی کریں۔ اور حق و مذہب کے دشمن خناسوں کی بات پر کان نہ دھریں اور یہ جان لیں کہ گمراہی کا ایک قدم مذہب، احکام اسلامی اور حکومت عدل الہی کے سقوط کا مقدمہ ہے۔ من جملہ نماز جمعہ اور جماعت سے غفلت نہ کریں۔ اور ائمہ اطہارؑ کے مراسم عزاداری خصوصاً مظلوموں کے سردار سید الشہداء، حضرت ابی عبد اللہ الحسین (آپ کی شجاعانہ روح پر خدا، انبیاء، ملائکہ اور صلحاء کی بے

شمار صلوات) کی عزاداری میں کوتاہی نہ کریں۔ اور یہ جان لیں کہ اسلام کی تاریخ کی اس بے مثال روداد کی تکریم و تجلیل اور اہل بیت کے اوپر ستم کرنے والوں پر لعنت و نفرین سے متعلق ائمہ اطہار کا جو حکم ہے یہ اب تک کی تاریخ میں عالم و منکر حکام کے سروں پر تمام ملتوں کے سرور ماؤں کی آواز ہے۔ اور یہ جان لو کہ بنی امیہ (عہد اللہ علیہم) کے ظلم پر لعنت و نفرین کی آواز (اگرچہ انکی نسل ختم ہوئی اور وہ جہنم واصل ہو گئے) دنیا کے تمام منکروں کے خلاف ظلم شکن آواز ہے۔

اور ضروری ہے کہ اپنے نوحہ، اشعار، مرثیہ، مدح، جو ائمہ اطہار کی شان میں پڑھتے ہیں اس میں ہر عصر و ہر زمانہ کے منکروں کے ستم و ظلم کو رسوا کن انداز میں نظم کیا جائے۔ یہ زمانہ اسلام کی مظلومیت کا زمانہ ہے پس امریکہ اور روس اور ان کے حاشیہ نشینوں من جملہ آل سعود، حرم الہی کے خائن (ان پر خدا، رسول اور ملائکہ کی لعنت ہو) ان کا رسوا کن انداز میں تذکرہ ہو اور ان پر لعنت و نفرین ہو۔ اور ہم سبھی کو معلوم ہونا چاہئے کہ جو چیز مسلمانوں کے اتحاد کا باعث ہے یہی سیاسی مرام عزائم اور یہی مسلمانوں خصوصاً شیعوں کی ملت و اتحاد کے محافظ ہیں۔

اور ایک نکتہ جس کی یاد آوری ضروری ہے یہ ہے کہ میری یہ سیاسی والہی وصیت ملت ایران سے مخصوص نہیں بلکہ یہ وصیت دنیا کی تمام اسلامی ملتوں اور ہر مذہب و قوم کے مظلوموں کے لئے ہے۔

اے میرے بھائیو! یہ امت کے رہبر کی وصیت ہے جو ظالموں کے ظلم و ستم کو یاد کرنے کے ساتھ ان پر لعنت و نفرین کو واجب قرار دیتا ہے۔ پس اگر کوئی ادعا کرتا ہے کہ امامؑ نے اسے حرام جانا ہے تو اس کا دعویٰ باطل ہے جس کی کسی بھی عقلی و نقلی دلیل سے توجیہ نہیں کی جاسکتی۔

آخر میں تمام مسلمانوں کے لئے اعلان کرتا ہوں کہ اگر وہ واقعی اتحاد کے قائل ہیں تو کشتی نجات پر سوار ہو جائیں۔ اسی لئے حضرت نوحؑ نے خدا کے حکم سے ایک چھوٹی کشتی بنائی جو صرف حقیقی مومنوں کے لئے منجائش رکھتی تھی۔

پیغمبر اسلامؐ نے بھی خدا کے حکم سے ایک بڑی کشتی بنائی جو تمام امتوں کے لئے منجائش رکھتی ہے اور تمام مومنین اس پر سوار ہو سکتے ہیں۔

اہل بیت صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ خدا نے انھیں تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

خدا ہمیں اسلام و مسلمین کی خدمت کی توفیق دے نیز امیر المومنین اور ان کے معصوم فرزندوں کی ولایت کا دم بھرنے والوں میں قرار دے۔

﴿وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی اشرف المرسلین سیدنا ومولانا محمد وآلہ الطیبین الطاہرین﴾

ہدایت کے لئے جدوجہد

خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:
البتہ اس شخص کے لئے میری مغفرت اور بخشش زیادہ ہے جو توبہ کرے،
مجھ پر ایمان لائے اور نیک بن جائے۔ (۸۲/۵)
یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ توبہ، ایمان اور نیک عمل خدا کی
خوشنودی و مغفرت کے لئے کافی نہیں بلکہ ہدایت بھی ساتھ ہونی چاہیے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:
خداوند عالم کسی کی مغفرت نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ توبہ کرے، ایمان لائے،
نیک بن جائے، اور اہم اہل بیت کی ولایت سے ہدایت پائے۔
(بحار الانوار، ج ۲/۷ ص ۱۷۶/۲۲۲ ج)

اس بنا پر ہدایت، نکوئی اور ہدایت تشریحی دو مترادف خط ہیں اور ایک
دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔ نکوئی ہدایت اللہ کی جانب سے ایک احسان ہے جو
اس نے اپنی تمام مخلوقات پر کیا ہے اور تمام بندوں کے شامل حال ہے۔ وہ خود
قرآن میں فرماتا ہے:

قسم ہے جان کی اور جس نے اسے درست کیا اور پھر اسے اس کے
اچھے برے کی تمیز سمجھادی۔ (شمس/۷)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

اور ہم نے اسے (یعنی انسان کو) راہ دکھادی اب چاہے وہ شکر گزار ہو
یا سرکش بن جائے۔ (انسان/۳)

لیکن تشریحی ہدایت سے مراد وہ تلاش و کوشش ہے جو خود انسان انجام دیتا
ہے اور بحث و تجربہ کے بعد عقلی دلائل کی بنیاد پر حق و باطل میں تشخیص دے لیتا
ہے اور اس سیدھی راہ کو اختیار کر لیتا ہے جس سے دور تھا۔ خداوند عالم قرآن میں
فرماتا ہے:

ان بندوں کو بشارت دو جو باتوں کو سنتے ہیں اور سب میں اچھی بات کو
اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی خدا نے ہدایت کی اور یہی
عقل مند ہیں۔ (زمر/۱۷، ۱۸)

مذکورہ آیات کا مفہوم یہ ہے کہ جو بندہ سوچتا ہے باتوں پر کان دھرتا ہے،
تمام آرام اور نظریوں میں سے بہترین کو اختیار کر کے حق کی پیروی کرتا ہے وہ خود
اپنے اختیار سے اصل ہدایت نکوئی کی طرف پلٹ آیا ہے اور اس بات کا مستحق
بنا ہے کہ خدا اسے عقل مند کہے۔

ہدایت نکوئی اور ہدایت تشریحی کی تفسیر کے لئے سب سے بڑی مثال وہ
واقعات ہیں جو امت مسلمہ کے درمیان رونما ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ وہ امت
جس کی خدا نے ہدایت فرمائی اسے تاریکی سے روشنی میں لایا اور سیدھے راستے
کی ہدایت فرمائی تاکہ وہ اس پر گامزن ہو۔ اور جب اس نے دین کو کامل کر دیا
اور ان پر اپنی نعمت تمام کر دی، ان کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا، تو انہیں ایک
روشن اور وسیع آئین کی ہدایت فرمائی۔ لیکن یہی امت رسول اسلام کے بعد بٹ
گئی اس میں مختلف گروہ، فرقے اور مذاہب وجود میں آ گئے۔ جبکہ یہ بہترین امت
تھی۔

سب سے پہلے اختلاف اور جدا جدا ہونے کا سبب صحابہ ہیں۔ ایک مختصر
گروہ جو مشعل رسالت کو اٹھائے ہوئے تھا تاکہ اس سے آنے والی نسلوں تک
منتقل کرے۔ لیکن رسول کے بعد اس گروہ کے افراد نہ صرف متفرق ہو گئے بلکہ
آپس میں لڑے، ایک دوسرے کا خون بہایا، ایک نے دوسرے کو کافر قرار دیا اور

علحدہ ہو گئے۔ ان کے بعد تابعین تھے۔ انھوں نے مشکل کو اور بڑھا دیا۔ انھوں نے نئے افکار کو دین خدا میں داخل کر کے اختلاف کے دائرہ کو مزید وسیع کر دیا۔ لہذا مختلف گروہ، اقوام اور مذاہب وجود میں آ گئے۔ اور مسلمان ایک ایسے انسان میں تبدیل ہو گیا جو تاریکی میں سرگرداں ہو اور اسے معلوم نہ ہو کہ حق کہاں ملے گا۔ اس لئے کہ ہر فرقہ قرآن و سنت اور راہ رسول کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے۔

اگر جذبات اور نری اندھی تقلید سے آزاد ہوں، تعصب کو پس پشت ڈال دیں اور بصیرت کی نگاہ سے حالات پر نظر ڈالیں تو خود سے یہ سوال کریں گے کہ ان تمام فرقوں کے درمیان اہل بیت کا کیا مقام ہے؟ اور خصوصاً اس وقت جب ہمیں اہل بیت کے متعلق رسولؐ کے احادیث بھی دکھائی دیں کہ جن میں آنحضرتؐ نے امت کو تمام دینی و دنیاوی مسائل میں اہل بیتؑ کی طرف رجوع کرنے کی تاکید فرمائی۔ تاکہ ان کی ہدایت کی ضمانت ہو جائے اور وہ انھیں گناہ سے محفوظ رکھیں۔ ایسی حدیثیں بہت ہیں اور تمام مذاہب کے درمیان صحیح اور تواثر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں جیسے رسول خداؐ کا یہ قول:

”میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں، کتاب خدا اور اپنی عزت (اہل بیت) جب تک ان دونوں سے متمسک رہو گے، میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہمارے اہل بیت کو بھولنا مت (آپؐ نے یہ قول تین مرتبہ دہرایا)۔ (صحیح مسلم ج ۴/ص ۱۸۷۳۔ ذخائر العقبیٰ/۱۶)۔

وہ محقق جو آج امت کے درمیان اہل بیتؑ کی حیثیت کے بارے میں تحقیق کرتا ہے اسے تمام مسلمانوں کے درمیان اہل بیتؑ کے متعلق سوائے احترام کے کچھ اونھیں ملتا۔ لیکن اہل بیتؑ کے متعلق رسول خداؐ کی وصیت صرف احترام و تعظیم میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ آپؐ نے حکم فرمایا ہے کہ لوگ اپنے امور میں اہل بیتؑ کی پیروی اور تقلید کریں اور انھیں کی طرف رجوع کریں۔ آپؐ

نے یہاں تک فرمایا:

ان پر سبقت نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور ان کو چھوڑ کر، پیچھے نہ رہنا اس میں بھی ہلاکت ہے۔ نہیں سکھانے نہ لگنا وہ تم سے زیادہ عقل رکھتے ہیں۔ (مجموع الکبیر ج ۵/ص ۱۸۶)

لہذا اگر ایسا ہے تو ہم صرف ایک گروہ کو پاتے ہیں جس نے رسولؐ کی وصیت پر عمل کیا اور امیر المومنین، علی بن ابی طالبؑ کے زمانہ سے اب تک اہل بیتؑ کی راہ پر قائم ہے۔ اس گروہ کو شیعیان علیؑ کہا گیا۔ اور دھیرے دھیرے لفظ شیعہ ان تمام لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا جو علیؑ اور ائمہ طاہرینؑ کی ولایت اور رہبری کو قبول کرتے ہیں۔

لیکن اگر تاریخ کے اوراق کو پلٹیں تو پتہ چلے گا کہ اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں پر ظلم و ستم ہی ہوتا رہا ہے انھیں زندگی کے میدان سے دور کر دیا گیا اور وہ اسلام کے اوائل کی تین صدیوں میں مسلمانوں پر حکومت کرنے والے حکام اور امراء کے ظلم و ستم کا شکار رہے۔ یہ ظالم حکمران امت کو اہل بیتؑ کی واقعی قیادت سے محروم رکھنے میں کامیاب رہے۔ اسی طرح ان کی سیدھی راہ و روش سے بھی دور رکھا اور وہ محبت و احترام جو اہل بیتؑ کی نسبت امت میں پایا جاتا تھا اسے ختم کر دیا۔ گرچہ حکمرانوں نے منبروں سے لعنت و نفرین میں فرو گذاشت نہ کی اور کسی دشنام کو باقی نہ چھوڑا، لیکن اس غیر معمولی فشار کے باوجود یہ حکمران مومنین کے دلوں سے اہل بیتؑ رسولؐ کی مودت و الفت کو نکال نہ سکے۔

اسی طرح آج اکثر مسلمانوں کے درمیان جو تقاض و تضاد موجود ہے اس کا معنی و مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مسلمان اہل بیتؑ کو دوست رکھتے ہیں، علم و فضیلت اور انسانی و اخلاقی نکال کے لحاظ سے ان کی برتری کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود پیروی دوسروں کی کرتے ہیں۔ اور

اپنے شرعی احکام میں دوسروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کی طرف کہ جنہوں نے نہ پیغمبر اکرم کو پہچانا، نہ ہی آنحضرتؐ کے زمانہ میں موجود تھے۔ بلکہ وہ تو اس عظیم فتنہ (کربلا) کے بعد پیدا ہوئے جس نے دین کی نشانیوں کو بدل ڈالا اور صالحین کا خاتمہ کر دیا۔ اہل بیتؑ اور ان کی پیروی کرنے والے شیعہ گویا اسلامی سماج سے دور کر دیئے گئے۔

یہی سبب تھا کہ ائمہ اہل بیتؑ سے اکثر مسلمان ناآشنا رہ گئے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ اہل بیتؑ کون لوگ ہیں؟ تو کہتے ہیں: رسولؐ کی بیویاں!! لیکن ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ نے امت کو اہل بیتؑ کی پیروی کا حکم دیا ہے جس سے مراد بیویاں نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد بارہ امامؑ ہیں جنکے متعلق صریحاً اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

میرے بعد بارہ خلیفہ ہیں جو سب کے سب قریش سے ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۳/ ص ۱۳۵۲)

محققین اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہل بیتؑ نے ہمیشہ پوری کوشش کی کہ لوگ ان سے آشنا ہو جائیں اور ان کے پاس آئیں۔ لیکن افسوس کہ: عوام دنیا کے غلام ہیں اور ان کا دین سوائے زبانی تلقین کے کچھ نہیں۔ تاکہ اس طرح ان کی زندگی چلتی رہے اور اگر کسی دن انہیں آزمایا گیا تو دیدار بہت کم ہوں گے (از اقوال امام حسینؑ)۔

یہی وجہ تھی کہ امام جعفر صادقؑ یہ آیت پڑھا کرتے تھے:

میں اس کے لئے مغفرت کرنے والا ہوں جو توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ عمل صالح انجام دے۔ اور پھر ہدایت پائے (سورہ طہ/ ۸۲)۔

پھر فرماتے ہیں:

ہم اہل بیتؑ کی ولایت سے ہدایت پائے۔

آیت کریمہ سے بھی کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ جن مسلمانوں کے

دلوں میں عقیدہ مستحکم ہو گیا، وہ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ اچھے اعمال انجام دئے۔ اور بڑے عمل سے دور رہے۔ لیکن صرف اتنا کافی نہیں ہے اور صرف ان ہی چیزوں کے ذریعہ خدا کی مغفرت کے مستحق نہیں بن سکتے۔ مگر یہ کہ انہوں نے رسولؐ اکرمؐ کے جانشین ائمہؑ ہدئی کی پیروی بھی کی ہو۔ صرف یہ ائمہؑ ہیں جو امت کو قرآنی مقاصد اور سنت رسولؐ کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ اور اسی صورت میں امت کے ایمان و اعمال، واجبات الہی سے بغیر کسی تاویل و نقص کے مطابقت کر سکتے ہیں۔

مگر جب کتاب الہی کی تاویل کر لی گئی اور حدیث نبویؐ میں تحریف ہونے لگی تو ہر فرقہ نے اپنی تاویل کے مطابق کتاب خدا سے استدلال کرنا شروع کر دیا اور جو احادیث خود اس کے نزدیک صحیح تھیں انہیں بطور دلیل پیش کیا۔ اس طرح اختلافات پیدا ہوئے۔ سرگردانی وجود میں آئی اور شک و تردید میں اضافہ ہوا۔

لہذا اگر کوئی مسلمان اس ہنگامہ میں حق کو پہچاننا چاہے اور گمراہی سے دور ہو کر آخرت کی نجات کا خواہاں اور بہشت و نعمت الہی تک پہنچنا چاہے تو اس کے لئے ششی نجات پر سوار ہونے اور اہل بیتؑ کی طرف پلٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہی امت کے امام ہیں۔ خداوند عالم کسی بھی بندے کے اعمال کو قبول نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ عمل ان کے ذریعہ ہو۔ اور کوئی بھی رجحان اہل بیتؑ کے بغیر قبول نہیں ہے۔

اس کو خود رسولؐ خدا نے فرمایا ہے، امت کو حکم دیا ہے اور اس کا ابلاغ خدا کے حکم پر کیا ہے۔ اور اگر پیغمبرؐ کے بعد اصحاب کے اختلاف پر نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ انہوں نے مسئلہ خلافت پر اختلاف کیا اور دیگر تمام اختلافات اسی کے بعد وجود میں آئے۔ بلاشبہ یہ سب خلافت کی خاطر تھے اس لئے کہ جس کے پاس

قیادت کی صلاحیت نہ ہو وہ امت کی رہبری ہاتھ میں لے لے اور نجلی سطح والا خلافت رسول غصب کر لے تو یقیناً امت کو گمراہی کی طرف لے جائے گا۔ اس لئے کہ جہالت و خواہش نفس کی بنیاد پر عمل کریگا۔
(نہ کہ علم و فہم کی بنیاد پر)۔

اور آج جبکہ خلافت کا کہیں پتہ نہیں ہے تو کیا مسلمان فکری بالیدگی پالیں گے؟ رسول کی وصیت پُرل پیرا ہو جائیں گے؟ قرآن و عزت رسول سے متمسک ہو جائیں گے؟ تاکہ ان کے درمیان دوبارہ صلح و صفائی، بھائی چارگی اور محبت پلٹ آئے اور امت کے درمیان اتحاد و پائیداری پیدا ہو جائے؟ یہ ہے ایک مہربان دوست اور دل سوز بھائی کی فریاد.....!!!

گذشتہ بحث سے ہمیں پتہ چلا کہ ہدایت ایسی عظیم نعمت ہے جو خداوند عالم نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے اور اہل بیت کی ولایت کی طرف رجوع اور ان کی پیروی گناہ گار بندوں کے لئے ایک بڑی نعمت ہے جو خداوند عالم کی بخشش کی باعث ہے۔ اب ہم کس طرح جہاد کریں کہ اس راہ پر گامزن رہ سکیں؟ اسلام میں دو جہاد ہیں، دُشمن سے جہاد جسے جہاد اصغر کہتے ہیں اور دوسرا نفس سے جہاد جسے جہاد اکبر کہا جاتا ہے۔ جس کی ہمارے نزدیک زیادہ اہمیت ہے وہ جہاد اکبر ہے یہ جہاد خود انسان اور نفسِ لمارہ سے متعلق ہے اس کے ذریعہ عقیدہ کی گمراہی سے نجات ملتی ہے۔

کبھی انسان اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے اور کبھی دوسروں سے جہاد کرتا ہے۔ نفس سے جہاد یعنی کار خیر میں استمرار، نیک لوگوں کی ہمراہی اور اہل بیتؑ کے حکم کے مطابق عبادات و معاملات کو بجالانا ہے۔ لیکن غیر کے ساتھ جہاد یعنی امر بالمعروف و نہی المنکر اور لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف حکمت و نصیحت کے ساتھ تبلیغ و دعوت دینا ہے۔

یہ جہاد کبھی گفتار کے ذریعہ ہے اور کبھی قلم کے ذریعہ ہے لیکن خدا کے نزدیک قلم کا جہاد تلوار کے جہاد سے اولیٰ ہے رسول خدا فرماتے ہیں:
خدا کے نزدیک عالموں اور دانشوروں کے قلم کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے (کشف الخفا/ ج ۲ ص ۲۶۲۔ الاسرار المرفوعہ ص ۲۰۷/ ج ۱۱۷)۔

اس لئے کہ علماء کی تحریر مسائل حق کو بیان اور ان کی وضاحت کرتی ہے۔ یہ بلاشبہ لوگوں کو حجتِ کامل اور واضح دلیل کے ساتھ سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور خدا کے نزدیک یہ عمل قطعاً شہداء کے خون سے برتر ہے۔ اگرچہ شہداء کا خون بھی نہایت مقدس ہے۔

لہذا علماء اور دانشوروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حقیقی اسلام کی تبلیغ کے لئے کوشاں رہیں۔ ائمہ اہل بیتؑ سے لوگوں کو آشنا کریں اس راہ میں مال اور وقت قربان کرنے میں گریز نہ کریں۔ ممکن ہے کفر و الحاد اور تباہی کے مراکز کی بے حساب مال سے پشت پناہی کی جارہی ہو لیکن دولت مند مسلمان خدا کی راہ میں سوائے مختصر خیرات کے اور کچھ نہ دیتے ہوں۔

ہم خود اس بات کے شاہد ہیں کہ کفار لوگوں کو بھوک سے نجات دینے کے بہانے صومالیہ پہنچ گئے لیکن ہمارے مسلمان بھائی اس سے غافل ہیں۔

اور اس بات کے بھی شاہد تھے کہ ان مسیحی گروپوں نے افریقہ کے مشرق و مغرب، سوڈان، مصر، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ملکوں میں مختصر کھانے کی اشیاء اور دوائیں خیرات کیں اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر کے دھیرے دھیرے مسیحیت کی طرف لے جاتے رہے۔ لیکن مسلمانوں کا وہ گروہ جس کے پاس کثرت سے مال ہے اور اللہ نے انہیں اپنی یہ نعمت اس لئے بخشی ہے کہ اس کے دوسرے بندوں کو بھی اس سے کچھ نفع پہنچے لیکن آپ انہیں ۲۰ مرتبہ حج سے مشرف ہوتے دیکھتے ہیں اور ہر سال کافی پیسہ خرچ کر ڈالتے

ہیں۔ گوانہیں کے پڑوس میں بھلوں کی تعداد بڑھتی رہتی ہے جو بھوک کی شدت سے بدحواس ہوتے ہیں اور ان کے پاس بدن ڈھانکنے کے لیے لباس بھی نہیں ہوتا۔ کیا رسول خداؐ نے نہیں فرمایا تم میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک وہ ہے جو خدا کے بندوں کی زیادہ مدد کرتا ہے (بخاری ج ۷/ص ۱۵۲/ح ۱۱۰)۔

پھر کیا ہو گیا ہے کہ بعض حضرات کئی کئی مرتبہ خانہ خدا ج کے لیے جاتے ہیں جبکہ ان کے ہی خاندان میں مجبور و بے سہارا لوگ موجود ہیں اور وہ ان کی ضرورت کو برطرف نہیں کرتے، ان پر رحم نہیں کھاتے؟

اس سے بھی بڑھ کر وہ اسراف ہے جسے مسلمان سگریٹ پی کر کرتے ہیں۔ مسلمان جو پیسہ سگریٹ نوشی میں خرچ کرتے ہیں اگر ہم اس کا مختصر جائزہ لیں تو اس کی شرح ہمیں مبہوت کر دے گی۔ بطور مثال اگر مسلمانوں کی تعداد ایک ملین سے زیادہ ہو اور ہر پانچواں مسلمان سگریٹ پیتا ہو۔ تو (۲۰۰) دو سو ملین سگریٹ پینے والے ہر روز (۲۰۰) دو سو ملین ڈالر سگریٹ نوشی میں خرچ کرتے ہیں اور ایک ماہ میں ۶۰ ارب ڈالر خرچ کر ڈالتے ہیں اور پورے سال میں کم از کم ۷۲۰ ارب ڈالر اس لئے خرچ کر ڈالتے ہیں کہ بمشکل علاج ہونے والی بیماری مفت خرید سکیں!!

اے مسلمانوں! بیدار ہو۔ اور اس قدر اپنا مال فالتو خرچ نہ کرو۔ اگر ہم ان پیسوں کو ۱۰ سال جمع کریں تو ہمارے پاس ۷۲۰۰ ارب ڈالر جمع ہو جائے گا جو بلاشبہ دنیا کے مشرق و مغرب کے تمام فقیر مسلمانوں کو دولت مند بنا دے گا۔ کیا اسے آپ بے اہمیت سمجھتے ہیں جبکہ یہ خدا کے نزدیک عظیم ہے۔

بحث کے آخر میں اپنے شیعہ بھائی جو اہل بیت کے پیرو ہیں ان کے لیے کچھ یاد دہانی ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ اپنے اہل سنت بھائیوں کے ساتھ گفتگو و بحث میں مجادلہ کی بہترین

روش اختیار کریں اور فحش، گالی اور ایسی باتوں سے گریز کریں جس سے د آزرہ ہوں اور وہ دور ہو جائیں اس لئے کہ خود امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے:

”تم گالی دینے والے نہ بنو۔ نفیرن نہ کرو لیکن کہو: ان کا رویہ ایسا اور

دیا تھا تاکہ تمہاری دلیل اور واضح ہو جائے۔“ (بخاری ج ۳۲/ص

۳۹۹)

۲۔ اپنی عبادتوں اور اپنے معاملات میں ایسی باتوں سے پرہیز کریں رسولؐ اور ائمہ اطہار کے زمانہ میں رائج نہ تھے ممکن ہے ہم ان کے ذریعہ لوگوں مذہب کا گرویدہ کرنے کے بجائے انہیں اپنے دین اور اہل بیت سے دور کریں امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

”تم ہمارے لئے اپنے اعمال سے تبلیغ کرو نہ کہ زبان سے۔ ایسا کام

کرو کہ لوگ ہماری طرف آئیں نہ کہ ہم سے دور اور مشغور ہو جائیں۔“

(بخاری ج ۸۵/ص ۱۳۶)

۳۔ اپنی گفتگو و تقریر میں علمی باتوں کو اہمیت دینے کی کوشش کریں ۱ صحاح ستہ سے استدلال کرتے ہوئے بحث کریں۔ ان ضعیف حدیثوں کو ترک کر دیں جو احساسات کو بھڑکاتی ہیں اور عقل سے ٹکراؤ رکھتی ہیں۔

۴۔ پوری طاقت کے ساتھ استقامت اور تقویٰ کو شعار بنائیں اس ۱ کہ خود ائمہ نے بھی یہی کیا ہے اور صرف اس قول پر تکیہ نہ کریں کہ حضرت ۲ اپنے دوستوں اور پیروؤں کی شفاعت کر دیں گے کیوں کہ خود حضرت علیؑ فرما۔ ہیں۔

”ایمان آرزو سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایمان وہ ہے جو دلوں میں مستحکم

ہوتا ہے اور اقوال و اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ (یعنی انسان

کے قول و فعل میں مطابقت ہوتی ہے)۔“ (بخاری ج ۶۹/ص ۷۲)

۵۔ ائمہ اطہارؑ کی نصیحتوں اور موعظوں سے فائدہ اٹھائیں جو ہمارے ۱

ایک بڑا سرمایہ ہیں۔ صرف نچ البلاغہ میں سینکڑوں پیاروں کا علاج موجود ہے۔ اب وہ موقع آچکا ہے کہ ہم جہل و نادانی کے غبار کو دور کر دیں اور امت کو تہذیب کے بلند ترین درجات تک لے جائیں۔

پس اگر شیعوں کے امام شہر علم کے باب ہیں تو ان کے پیروؤں کو چاہیے کہ دوسروں سے زیادہ علوم میں ترقی کریں سب پر سبقت لے جائیں۔

شیعوں اور اہل بیت کے پیروؤں کو چاہیے کہ اپنی صفوں کو مضبوط بنائیں۔ سیاسی پارٹیوں سے دور ہوں اور ایک مرجعیت کے لیے کوشش کریں اور اس کی اطاعت کریں اور پھر تمام مسلمانوں کے اتحاد کی کوشش کریں۔

اگر شیعہ میری ان باتوں پر عمل کریں جنہیں میں نے کتاب خدا، سنت رسول اور مکتب اہل بیت سے نکال کر پیش کیا ہے تو بلاشبہ ان کے درمیان صلح و آشتی برقرار رہے گی۔ اگر اپنے درمیان سے جہل، باطل عقیدوں اور فتنوں کو دور کر دیں تو یقیناً خداوند عالم ہم پر احسان کرے گا اور ہمارسی تہی وستی اور ذلت و رسوائی کو بے نیازی اور عزت میں تبدیل کر دے گا اور ہمارے امام زمانہ کو ظاہر کر دے گا تاکہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں جبکہ وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہوگی۔

﴿وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین﴾

شیعہ ہی اہل سنت ہیں لیکن.....

اب جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ امامیہ شیعہ ہی درحقیقت اہل سنت پیغمبر ہیں اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر واضح ہے جو عقیدہ اور عمل میں احکام اسلام کا خیال رکھتا ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے لیکن اہلسنت والجماعت کے وہ مخالف افراد (جن کے وجود میں آنے کی علت سے ہم گزشتہ بحث میں باخبر ہوئے) شیعوں کے بعض عقائد و اعمال پر تنقید کرتے ہیں اور شبہات پیش کرتے ہیں تاکہ ان کے دین میں شک پیدا کر سکیں۔ اور کبھی خیالی داستانوں کو گڑھ کر ان کی آبروریزی کی کوشش کرتے ہیں اور شیعوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ سننے یا پڑھنے والا ان کی نسبت بدگمان ہو جائے اور ان سے نفرت کرنے لگے۔ اور پھر اس کی نظر میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہ رہ جائے۔

وہ جن خرافات کو شیعوں کی طرف منسوب کرتے ہیں ان میں سے بطور مثال ایک یہ ہے۔

وہ شیعوں کو اس بات کا معتقد سمجھتے ہیں کہ جبریل نے امانت الہی میں خیانت کی اور نبوت علی کے بجائے محمد کے سپرد کر دی! (نعوذ باللہ)۔

یا پھر یہ بے ربط مطلب کہ عبداللہ بن سہامہ ب تشیع کا بانی ہے یا شیعوں کے پاس موجود قرآن کے علاوہ ایک دوسرا قرآن ہے جو ”مصحف فاطمہ“ کے نام سے معروف ہے۔ یا ہر شب سامرا کے دروازے پر ایک گھوڑا تیار کر کے مہدی کے منتظر رہتے ہیں کہ آپ آئیں اور اس گھوڑے پر سوار ہوں۔ یا کہتے ہیں کہ شیعہ قبر کی پرستش کرتے ہیں۔ اور ائمہ کو خدا کی طرح سمجھتے ہیں یا پھر پر

سجدہ کرتے ہیں یا زنا کو جائز سمجھتے ہیں یا پھر ایسے ہی دوسرے جھوٹے تھوڑی سی بحث و تحقیق کے بعد ان کی قلبی کھل جاتی ہے۔

لیکن موجودہ زمانہ میں اہل سنت کے بعض اعتراضات علمی بحث میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور حقیقت تک پہنچنے کے لیے ایک بند کی طرح رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔

ان لوگوں نے ان شبہات کو نہ کسی (شیعہ) کتاب میں پڑھا ہے نہ ہی کسی حدیث بیان کرنے والے مقرر سے سنا ہے لیکن قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے خود انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

یہ مطلب بہت ہی اہم اور حساسیت پیدا کرنے والا ہے اور شاید محققین پر منفی اثر ڈالے اور انہیں حقیقت تک پہنچنے سے روک دے۔ جیسا کہ میں نے قارئین سے وعدہ کیا ہے کہ غیر جانبداری سے کام کروں گا اور حق گوئی سے دریغ نہ کروں گا اور نفسانی خواہش کی وجہ سے کسی مذہب کی نسبت جذبات سے کام نہ لوں گا اور رسولؐ کے اس قول پر عمل کروں گا کہ: حق کہو چاہے وہ تمہارے خلاف ہی ہو۔ (کنز العمال/ ج ۳/ ص ۳۵۹)

اور چونکہ خداوند عالم حق بات کہنے میں شرم محسوس نہیں کرتا لہذا اس موضوع پر ضروری ہے کہ میں صراحت کے ساتھ عرض کرنے کو اپنا وطیرہ بنالوں۔ جیسے ہم شیعوں میں نیک و صالح افراد پر درود بھیجتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں ویسے ہی ان شیعوں کی غلطیوں کو بیان کرتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں جو گمراہی کا شکار ہوئے اور غلط راستہ پر چلے اور اس مسئلہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور سوائے رضائے خدا کے کچھ نہیں چاہتے۔

ضروری ہے کہ ان چیزوں کے درمیان فرق قائم کریں جو دین اسلام کی طرف سے ہم تک پہنچی ہیں اور جو اندھی تقلید، عادت اور غلط اجتہاد کے ذریعہ ہم

تک آئی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بعض اصحاب کی بدعت گزاری پر صراحت کے ساتھ تنقید کی اسی طرح ضروری ہے کہ بعض شیعوں پر بھی تنقید کروں اور ان کے اشتباہات پر سکوت اختیار نہ کروں۔ اللہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اصحاب کی بدعت اور جذبات دین کا جزو بن گئی اور اس نے احکام خدا اور رسولؐ کو بدل ڈالا۔ لیکن بعض شیعوں کے اشتباہات کا کوئی اثر نہ ہوا نہ ہی کسی حکم خدا میں تغیر کا سبب بنا اور نہ ہی کوئی اس کے وجوب کا قائل ہوا لیکن بہر حال اس پر تنقید ضروری ہے۔

قارئین محترم! جن اہم مسائل کی وجہ سے شیعوں پر تنقید ہوتی ہے انہیں ہم بیان کریں گے۔ کیونکہ شاید خود آپ بھی ان مسائل کی وجہ سے تکلیف میں ہوں اور ان کا آپ کے پاس ایسا جواب نہ ہو جس کو آپ مد مقابل سے بحث میں پیش کر سکیں اور خود بھی مطمئن ہو سکیں۔

یہ جدتیں بھی بدعتیں ہیں جو دین تشیع میں داخل ہو گئیں۔ اہل بیت تمام بدعتوں کے مخالف ہیں چاہے انہیں رنگین لباس ہی پہنا دیا جائے اور بدعت حسنہ لکھا جائے۔

یہ بزرگ ہستیاں (ان پر خدا کی رحمت ہو) ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتی تھیں کہ وہ کوئی بات نہیں کہتے اور کوئی عمل بجا نہیں لاتے مگر وہ قول و عمل رسولؐ ہوتا ہے۔

لہذا ائمہ کے بعد مذہب میں جو کچھ آیا بدعت ہے، فاسد دوا کا نقصان پہنچانا ہے نہ کہ خوشخبری و بشارت بلکہ کام بھی مشکل کر دیتا ہے اس لئے کہ ان کی وجہ سے روشن فکر جو ان مذہب امامیہ کو تنقید کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی صحت و نقص میں مشکل سے دوچار ہوتے ہیں۔ بعض بدعتیں جن پر اہل سنت معترض ہیں بہ عنوان مثال یہ ہیں:

☆ روز عاشورا افراط سے کام لینا نیز زنجیر اور قلع کے ذریعہ خون بہانا۔

اور جذبات کو بے مہار چھوڑ دینا۔

☆ نماز کے وقت بے نظمی۔ نمازیوں کی نسبت بے احترامی کا اظہار کرنا۔

☆ مسجد میں سگریٹ پینا۔

☆ نماز جمعہ ترک کرنا اور.....

کُلّ یوم عاشور اکُلّ ارضِ کربلا

اے کاش! لوگ اس کلام کی حقیقت کو سمجھ لیتے اور جس سرزمین پر پہنچتے اور جو دن بھی دیکھتے اس اسلامی حق کو ادا کرتے جس کے لئے امام حسینؑ نے اپنی شہادت دی اور اگر ایسا کرتے تو بلاشبہ دنیا میں مسلمانوں کی حالت بالکل بدلی ہوئی ہوتی۔ اور غلام ہونے کے بجائے آقا ہوتے لیکن افسوس کہ بہت سے لوگوں نے امام حسینؑ کی شہادت اور ان کے انقلاب کو صرف سال کے چند دنوں میں فقط رونے رلانے، زنجیر و قلع و شبیہ وغیرہ میں منحصر سمجھ لیا ہے کہ چند دن اس واقعہ کی یاد تازہ کی جائے اور باقی سال میں تمام چیز فراموش کر دی جائے۔

بہت سے اہل سنت شیعہوں کے ان اعمال پر تنقید کرتے ہیں اور افسوس یہ کہ بعض عربی و مغربی پروپگنڈہ ایجنسیاں اس زمانہ میں ایام عاشورا میں ایران کے شیعہوں کو اس طرح پیش کرتی ہیں گویا وہ ایسے درندے ہیں جو شدت و بربریت میں ایسے ہیں جو بس لوگوں کا خون بہانا جانتے ہیں۔ اگرچہ زنجیر و قلع ہندوستان و پاکستان میں شدت سے ہوتی لیکن اغیار کے ریڈیو ٹیلیویشن صرف ایرانی شیعہوں پر اپنے کیمرہ کو مرکوز کئے ہوئے ہیں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق تحقیق کرنے والا ہر انسان اس کے اسباب سے بخوبی آگاہ ہے۔

یہ پروپگنڈہ ایجنسیاں آخر تہران کی نماز جمعہ کو منعکس کیوں نہیں کرتیں جس میں بیس لاکھ سے زیادہ نمازی شرکت کرتے ہیں؟ یہ ایجنسیاں ایران میں شب جمعہ منعقد ہونے والی دعائے کسب کا منظر کیوں نہیں پیش کرتیں جن میں

سرکوں پر ٹریفک جام ہو جاتا ہے اور عورتیں، مرد بچے اور بوڑھے شب کی تاریکی اور سکوت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر اپنے پروردگار سے رورو کر گناہوں کی بخشش کے لئے دعائیں کرتے ہیں؟

کیوں صرف مراسم عاشورا پر ہی توجہ دیتے ہیں اور چند قمع لگانے والوں پر ہی زیادہ نگاہ رکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ بعض شیعہ ان اعمال کو انجام دیتے ہیں جن کا اصل دین سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ بعض افراد کے جذبات کا اظہار تھا جو بلا تحقیق مرور ایام سے وراثت میں منتقل ہو گیا اور رائج ہو گیا یہاں تک کہ بعض عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ قمع و زنجیر سے خون بہانا خدا سے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور بعض تو اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص یہ اعمال انجام نہ دے وہ امام حسین کو دوست نہیں رکھتا!!

میں جب بھی ان امور پر غور کرتا ہوں اگرچہ حقیقی شیعہ ہوں تو اس منظر سے مطمئن نہیں ہو پاتا جو ایک عام انسان کو متفر اور بددل کر دیتا ہے۔ آخر اس کے کیا معنی ہیں کہ ایک نیم برہنہ انسان تلوار لے کر حسین حسین کرتا ہوا اپنے ہاتھ سے خود کو مارے اور اپنے خون میں نہائے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان اعمال اور مراسم عزاداری کے تھوڑی دیر بعد بجائے اس کے کہ غمزہ نظر آئیں ہنستے کھیلتے مضامین اور پھل کھاتے نظر آتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر بعض افراد (بلکہ زیادہ تر افراد) کو دین سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ لہذا میں نے خود کئی موقعوں پر براہ راست ان پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ تمہارا عمل اندھی تقلید سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔

ہاں! یہ کچھ نا سمجھ شیعوں کا عمل ہے لیکن بہر حال امام حسینؑ سے محبت کے اظہار کا ذریعہ ہے جیسا کہ یہ لوگ سوچتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص نے ایک عالم دین سے کہا تھا: میں نے حضرت عباسؑ کی عزاداری کے

لئے کھانا تیار کیا اور اس دوران ایک منٹ کے لئے بھی جوتا نہیں اتارا تو اس عالم نے اس سے پوچھا کہ اس دوران تم نے وضو کیسے کیا اور نماز کیسے پڑھی؟ اس نے سرے سے عالم کی بات پر توجہ نہیں دی کیونکہ وہ معتقد تھا کہ مجھے حضرت عباسؑ سے اس کی جزا مل جائے گی۔

بہر حال میں یاد دہانی کراتا ہوں کہ یہ تمام امور وہ ہیں جن کو استعارہ ہی نے رائج کیا اور ان کا پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے۔ خوش قسمتی سے یہ بات ہم شیعوں کے یہاں کم ہوتی جا رہی ہے۔ خدا بخشے حضرت آیہ اللہ شہید سید باقر الصدرؒ کو کہ جب میں نے ان سے (شیعہ ہونے سے پہلے) ان اعمال کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا تھا۔

”یہ عوام کے اعمال ہیں تم ہم میں سے کسی بھی عالم کو انھیں انجام دیتے نہ دیکھو گے بلکہ علماء ہمیشہ اس سے لوگوں کو روکتے ہیں۔“

سب سے بڑھ کر رسول خدا کا کردار ہمارے لئے نمونہ عمل ہے۔ کیونکہ جب ان کے حامی و مددگار چچا حضرت ابوطالب دنیا سے اٹھے تو آپ بہت غمزہ ہوئے۔ آپ کی عزیز زوجہ نے وفات پائی، آپ کے چچا حضرت حمزہ شہید ہوئے اور آپ نے شہادت کے بعد ان کا پارہ پارہ جگر دیکھا۔ حضرت اپنے بیٹے ابراہیم کی موت پر روئے اور جب جبریلؑ نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر آپ کو دی تو بہت روئے اسی طرح اپنے بھائی علیؑ پر آئندہ آنے والے مصلحت پر روئے۔

حضرت رسول خداؐ بہت روتے تھے بلکہ مسلمانوں کو حکم دیتے تھے کہ اگر رونہ سکو تو خود کو غمزہ بناؤ اور ان آنکھوں سے پناہ مانگتے تھے جن سے آنسو نہ جاری ہوں، لیکن اس بات سے روکتے تھے کہ غم میں کوئی بے قابو ہو جائے چہ جائے کہ قمع اور تیغ سے خود کو زخمی کرے اور بدن سے خون جاری کرے۔

ہمارے پہلے امام حضرت علیؑ نے حضرت رسول خداؐ کی وفات کا داغ اٹھایا

اور اس عظیم مصیبت کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنی مہربان زوجہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے غم میں مبتلا ہوئے اگرچہ آپ کے جسم نحیف میں ان دونوں عظیم مصیبتوں کو برداشت کرنے کی توانائی نہ تھی۔ لیکن آپ نے ہرگز ایسے کام نہ کئے جسے آج عوام الناس عزاداری میں کرتے ہیں۔

اسی طرح امام حسنؑ نے اپنے نانا حضرت رسول خداؐ اور اپنی مادر گرامی کی وفات کے بعد حضرت علیؑ جیسے مہربان باپ کو جو پیغمبر اسلامؐ کے بعد بہترین شخص تھے محراب عبادت میں ابنِ محمّ ملعون کی ضربت کھاتے دیکھا لیکن ایسے اعمال انجام نہ دیئے۔

امام زین العابدینؑ نے بھی عزا میں ایسے اعمال انجام نہ دیئے جبکہ انھوں نے کربلا کا دردناک واقعہ اپنی نگاہوں سے دیکھا اور یہ دیکھا کہ کس طرح ان کے پدر بزرگوار اور ان کے چچا اور بھائی قتل کر ڈالے گئے اور اس کے بعد ان پر ایسے مصائب پڑے کہ اگر پہاڑوں پر پڑتے تو لرز جاتے۔ اور سرے سے یہ تاریخ نے لکھا ہی نہیں ہے کہ کسی بھی امام نے ایسے اعمال انجام دیئے ہوں یا اپنے اصحاب کو ان کا حکم دیا ہو۔ ہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ یہ ہیں کہ نوحہ و مرثیہ پڑھنے والے اشعار پڑھیں اور اس پر ائمہ خود بھی روتے تھے اور لوگوں کو بھی اہل بیتؑ کے غم میں رونے کا حکم دیتے تھے اور یہ ایک مستحب عمل ہے اگرچہ واجب نہ ہو۔

میں نے خود مختلف موقعوں پر دنیا کے مختلف علاقوں میں عاشورا اور عزاداری کے مراسم میں شرکت کی ہے اور کبھی یہ نہیں دیکھا کہ شیعہ علماء اس طرح سے عزاداری کرتے ہوں۔ گویا شیعہ اہل علم ان کاموں کو پسند نہیں کرتے اور انھیں ختم کرنے کی کوشش میں ہیں۔

پس ہمیں اہل بیتؑ کے کردار اور ان کی معرفت سے آگاہی کے بعد عوام الناس کی پیروی نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں ہر سال عاشورائے حسینی کی یاد منانا

چاہئے اور ان کے مصائب بیان کر کے گریہ و بکا اور فریاد کرنی چاہئے۔ حق تو یہ ہے کہ دل بھی زبان سے ہم آہنگ ہو اور آنکھوں کے ساتھ گریہ کرے۔ تمام اعضاء و جوارح روئیں اور خدا کی بارگاہ میں خضوع و خشوع کے ساتھ یہ عہد کریں کہ ہم بھی امام حسینؑ کی راہ پر جو درحقیقت رسول خداؐ اور اہل بیتؑ کی راہ ہے، گامزن ہوں گے۔

اس طرح عاشورا اپنی عزا، غم و اندوہ، گریہ و زاری، اپنی یاد اور عظیم اقدار کی شکل میں نمونہ عمل بن کر اپنی پاکیزہ شکل میں مخلص شیعوں اور پیغمبرؐ نیز ائمہؑ معصومینؑ کی پیروی کرنے والوں کے لئے باقی رہے گا۔ لیکن افسوس عوام الناس کے اعمال کو ان لوگوں کی طرف سے ہوا دی جاتی ہے جو شیعوں کے عقائد کو برا ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور انھیں اہل بیتؑ سے دور کر کے ان کی تکفیر کرنا چاہتے ہیں۔

بارالہا! تیری بے شمار حمد اور شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں شیعوں اور آگاہ انسانوں میں قرار دیا کہ جو بحث و تحقیق کے ذریعہ راہ حق کی طرف آئے اور عوام اور نادانوں کے شیعوں میں قرار نہ پائے۔ قارئین کرام پر لازمی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی سنت جو ائمہ اہل بیتؑ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے اسے اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیں۔

اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بہت سے علماء مثلاً آیۃ اللہ امینی مرحوم اور آج کل رہبر انقلاب حضرت آیۃ اللہ علی خامنہ ای اور حضرت آیۃ اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے قیام لگانے کو ناجائز قرار دیا ہے اور جنھوں نے جائز بھی جانا ہے اس پر دو شرطیں لگائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے انسان کو ضرر اور نقصان نہ ہو اور دوسرے اس سے مذہب کی توہین نہ ہوتی ہو۔

گذشتہ علماء میں سے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جو تلوار شیعہ ماضی میں

اپنے دشمنوں پر بلند کرتے تھے آج خود اپنے سروں پر مار رہے ہیں۔ حد یہ ہے کہ اگر بڑا عزاداری کے دستوں کو بڑی مقدار میں تلواریں اپنی طرف سے تقسیم کرتے تھے! اگرچہ یہ قلع زنی ہندوستان سے یہاں آئی تھی لیکن انھوں نے کربلا میں بھی اسے رائج کر دیا اور رفتہ رفتہ یہ عزاداری کا جزو شمار ہونے لگی۔ لیکن الحمد للہ آج مسلمانوں کے افکار میں وسعت اور علماء کے فتوؤں کے ذریعہ قلع زنی کم ہونے لگی ہے۔ اور اسلامی جمہوریہ ایران میں ۹۸ فیصد ختم ہو گئی ہے اسی طرح عراق اور لبنان میں بھی اس میں بہت کمی آئی ہے۔ بہر حال یہ ناواقف اور سادہ لوح افراد کی روش ہے کہ امام حسینؑ کے قضیہ کو علماء و مراجع دین کے فتوؤں سے بالاتر جانتے ہیں۔ اور اس اہم ترین قضیہ یعنی عزائے حسینؑ کو اپنی مرضی کے مطابق من مانے ڈھنگ سے انجام دیتے ہیں اور ویسے نہیں کرتے جیسے ائمہ اہل بیتؑ اور علماء مراجع چاہتے اور بتاتے ہیں۔

شیعہ اور نماز

اہل سنت جوانوں کا شیعوں پر ایک اعتراض یہ ہے کہ شیعہ اقامہ نماز کو نہ اہمیت دیتے ہیں نہ خشوع رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی کانفرنس یا کسی دوسری مناسبت کے وقت جب وہ شیعہ بھائیوں کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ بعض شیعہ نماز گزار نماز جماعت میں صف کی ترتیب اور ایک دوسرے کے بغل میں کھڑے ہونے کے خاص نظم پر توجہ نہیں دیتے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ ابھی صف اول کامل نہیں ہوئی لیکن امام جماعت کے پیچھے بغیر نظم و ترتیب کے دوسری صفیں بن جاتی ہیں اور کچھ شیعہ نماز گزار نماز جماعت کے وقت مسجد میں داخل یا اس سے باہر نکل رہے ہوتے ہیں۔ نماز گزاروں کے درمیان راہ چلتے ہیں اور نماز گزار اور قبلہ کے درمیان حائل ہوتے ہیں اس سے برادران اہل سنت کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

حق یہ ہے کہ اہل سنت حضرات کی نماز جماعت شیعوں سے زیادہ منظم ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کے ساتھ نماز ادا کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا امام جماعت نماز شروع کرنے سے پہلے لوگوں کو دیکھتا اور ان سے صف منظم کرنے کے لئے کہتا ہے ﴿استمعوا رحمکم اللہ﴾ نمازیوں سے کہتا ہے اپنے درمیان فاصلہ نہ رکھیں اور سب ایک دوسرے کے بغل میں کھڑے ہوں اور ایک صف بنائیں۔ آپ نمازیوں کو دیکھیں گے کہ ایک دوسرے سے ملکر کھڑے ہوتے ہیں اور خالی جگہ پر کرنے میں سبقت کرتے ہیں۔

یقیناً یہ کام صحیح اور اچھا ہے لیکن افسوس اگر آپ اہل سنت حضرات کی

مسجدوں کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ نقش و نگار پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ان کے علماء بہت نصیحت کرتے ہیں۔ لیکن وہ طہارت و پاکیزگی اور نجاست سے دوری پر کوئی خاص توجہ اور اہمیت نہیں دیتے۔ یہ ان کے مذاہب خاص کر حنبلیوں میں جائز ہے۔ مثلاً مردوں کا سونا پہننا، ان کے غیر دیندار افراد میں اس کثرت سے نظر آتا ہے کہ میں سمجھنے لگا ان کے مذاہب نے جائز قرار دیا ہے اور سونا پہن کر نماز پڑھنا صحیح ہے۔

جبکہ تمام اہل سنت فرقوں نے مردوں کے لیے سونا حرام قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں صفوں کو پڑھ کر دتا کہ تمہارے درمیان شیطان داخل نہ ہو۔ لیکن افسوس کہ یہ ہر اچھے اور بُرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں ممکن ہے کہ صف اول میں کوئی کافر حاکم (جو بظاہر مسلمان ہے) اپنے ساتھیوں کے ساتھ صف اول میں موجود ہو جو کہ بغیر کسی کمی بیشی کے خود شیطان ہے!!

لیکن شیعہ مسجدوں کو خدا کا گھر سمجھتے ہیں اور اسے مسلمانوں کا سورہ چہ سمجھتے ہیں۔ ان کی مسجد کی عمارت بہت ہی سادہ ہوتی ہے۔ ان کی مسجدیں عوام کے پیسے سے بنی ہوتی ہیں نہ کہ حکومت کے پیسے سے۔ اس کے علاوہ مسجد کی پاکیزگی و طہارت پر بہت زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ایک لحظہ بھی اسے نجس نہیں رہنے دیتے۔ بہر حال مسجد کے احکام زیادہ ہیں جنہیں علماء برابر بیان کیا کرتے ہیں۔

فی الوقت ایران، لبنان، شام میں شیعہ مسجدوں کی حالت بہت بہتر اور منظم ہو گئی ہے۔

کیا ہم اس بات پر مامور نہیں ہیں کہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں؟ پھر کیوں صرف نظم کا خیال نہ رکھنے اور صفوں کے درمیان چلنے پر اس درجہ سختی سے کام لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہی سختیوں کی وجہ سے بعض اہل سنت نوجوان ہماری مسجدوں میں جانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

ہمارے لئے یہ بات کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ نوجوان مسجدوں میں آئیں اور وہاں تربیت پائیں۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ جیسے ہی کوئی (نماز میں سامنے آئے) اور صفوں کے درمیان راہ چلے۔ چلا نا شروع کر دیں اور اسے مسجد سے باہر کر دیں۔ بلکہ اس کے ساتھ اسلامی اخلاق سے پیش آنا چاہئے اور صحرائی اور جنگلی رویہ کے بجائے اسلامی رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

بہر حال اہل سنت حضرات اس بات کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ نماز کے وقت کوئی صفوں کے درمیان راہ نہ چلے اس لئے کہ وہ اپنی روایات کے مطابق معتقد ہیں کہ اگر نماز گزار کے سامنے کوئی راہ چلے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

اور ان کی بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئی نماز گزار کے سامنے سے گذرے تو وہ شیطان ہے اسے بھگانا چاہیے!!

دوسری طرف شیعہ ان مسائل پر زیادہ توجہ نہیں دیتے، میں نے بہت سے علماء و مراجع کے پیچھے مختلف ممالک میں نماز پڑھی ہے۔ لیکن کہیں پر نہیں دیکھا کہ امام جماعت لوگوں سے مخاطب ہو اور کہے صفوں کو مرتب و منظم کیجئے۔ اور اسی طرح کسی کو بھی صفوں کے درمیان راہ چلنے سے منع کرتے نہیں دیکھا۔ (۴۵)

البتہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ مذہب اہل بیتؑ میں نماز گزار کے سامنے راہ چلنے یا کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور عقلی و نقلی لحاظ سے بھی یہی ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ مہلات نماز شیعہ اور اہل سنت کے یہاں واضح ہیں۔ اور ان میں کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ نمازی کے سامنے راہ چلنے سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یوں بیان کیا گیا:

نماز قطع نہیں ہوتی مگر کتا، گدھا یا عورت کے نماز گزار اور قبلہ کے

درمیان حاکم ہو جانے سے حضرت عائشہ بہت ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں: ہمیں کتوں اور گدھوں سے تشبیہ دیتے ہو، خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ رسول خدا نماز پڑھ رہے تھے اور میں تخت پر آنحضرت اور قبلہ کے درمیان حاکم تھی۔

(بخاری / ج ۱ / ص ۱۳ / کتاب الصلوٰۃ باب من قال لا یقطع

الصلوٰۃ شنی)۔

اب اہل سنت حضرات کے لئے مذکورہ روایت قانع کنندہ دلیل اور قوی براہین ہے کہ نماز اور قبلہ کے درمیان فاصلہ ڈالنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن ہر بار عمل پسندیدہ نہیں ہوتا؟ اگر مسلمان احتیاط کرے اور نمازیوں کی گردنوں پر پاؤں رکھنے سے پرہیز کرے اور اپنے قدموں سے ان کی اہانت نہ کرے کیونکہ اس بات وہ اپنے رب کی بارگاہ میں سرسبز ہوتے ہیں تو یہ ایک مستحب اور پسندیدہ عمل ہے اور اخلاقی تربیت کے لحاظ سے سبھی کے یہاں قابل قبول ہے اور اسلام بھی اسے صحیح سمجھتا ہے۔ دراصل اس عمل میں نمازیوں کا احترام پوشیدہ ہے۔ بہر حال انسان کے لئے یہ امر تکلیف دہ ہے کہ وہ خشوع و خضوع میں مشغول ہو اور اپنے رب سے مناجات کر رہا ہو اور کوئی سامنے سے گزر کر اس حالت کو ختم کر دے۔

کیا رسول خداؐ نے راستہ میں بیٹھنے سے منع نہیں کیا ہے؟ اس لئے کہ اس سے راستہ چلنے والوں کو مشکل ہوتی ہے اور خصوصاً عورتوں کو اس وقت یقیناً تکلف ہوتی ہے جب راستہ کے دونوں طرف مرد بیٹھے ہوں۔

اس وقت جب کہ حق کی بات سامنے آگئی ہے اور ہم نے اپنی بحثوں میں اس پر تکیہ کیا ہے اور قرآن کریم نے بھی یہی درس دیا ہے کہ: خدا حق کہنے میں کرم محسوس نہیں کرتا۔ لہذا حق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شیعہ حضرات کو برادران المہنت سے استفادہ کرنا چاہئے وہ اس اخلاقی تربیت کو ان سے حاصل کریں

اور جب نماز گزار اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہو، یا رکوع و سجدہ کر رہا ہو تو اس کے لئے خاص احترام و تقدس کے قائل ہوں۔

ہم نے اس بات کو اہل تشیع کے بزرگوں اور رہبروں کے سامنے رکھا انھوں نے اس بابت کو تباہی کا اعتراف کیا۔ لیکن ان میں سے ایک نے ہم پر اعتراض کیا کہ یہ مسائل سطحی اور بے ارزش ہیں اور اصل تو نماز ہے۔

ہم نے کہا: اس درجہ بھی سطحی نہیں ہیں اس لئے کہ یہ ایک طرح کا نظم و ضبط ہے جس میں ہیبت و وقار پایا جاتا ہے اور یہ دوسروں کو احترام پر آمادہ کرتا ہے۔ ہمارا دین نظم و ترتیب کا دین ہے جو ہرج و مرج کو پسند نہیں کرتا اور نظم و ترتیب کو دوست رکھتا ہے۔ کیا خداوند عالم نے نہیں فرمایا:

اور (مسلمانو!) تم تمام نمازوں کی اور (خصوصاً) بیچ والی نماز کی پابندی کرو اور خضوع و خشوع کے ساتھ خدا کے سامنے نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ (بقرہ/ ۲۳۸)

اور کیا یہ نہیں فرمایا ہے کہ:

خدا ان لوگوں سے اُلفت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کے لڑتے ہیں گویا وہ سیدہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (صف/ ۴)

شاید نماز جماعت کے متعلق تاریخ شیعہ کی مشکلات نے ان کے یہاں اس طرح کی لاپرواہی کو جنم دیا ہے۔ چونکہ ان پر بڑا سخت دور گزرا ہے اور ان کے لئے بہت مشکل تھا کہ اہل سنت کی امامت میں نماز ادا کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل سنت جب نماز کے احکام کو بخوبی بجالانا چاہتے تو ان کی ایک عادت یہ بھی ہوگئی تھی کہ نماز کے دوران امام علیؑ اور اہل بیتؑ کو دشنام دیتے اور لعنت کرتے تھے۔ اور دوسری طرف شیعہ نماز جماعت علیحدہ طور پر قائم نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ فوراً ہی ان پر رافضی ہونے کا الزام لگتا تھا اور قتل کر دیئے جاتے لہذا اکثر و بیشتر تہقیر کی حالت میں اہل سنت حضرات کے ساتھ نماز پڑھتے اور فوراً

گھر واپس آ کر بہت سی نمازوں کا اعادہ کرتے تھے۔

یہاں ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اہل بیت اور ان کے شیعوں کے مخالف اس وجہ سے ﴿اہل سنت والجماعت﴾ کے نام سے معروف ہوئے کہ اکثر مسلمان ان کی پیروی کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ان ہی کی طرح نماز ادا کرتے تھے اور ان کی جماعت میں حاضر ہوتے تھے۔ لیکن شیعہ اپنے امانوں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور ان کی تعداد اس درجہ کم ہوتی جیسے پورے سیاہ لباس میں ایک سفید نقطہ ہو۔ یوں وہ ایک الگ فرقہ شمار کئے جاتے تھے۔

ایک خاص اسلامی فرقہ کے عنوان سے معروف ہونے اور اہل بیت کی فقہ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے بعد، اہل بیت کی جانب سے وارنصوص کی رو سے شیعہ صرف عادل، زاہد اور عالم امام جماعت کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے اور ہیں لیکن اس کے برعکس اہل سنت کے یہاں ہر مومن اور فاسق کے پیچھے نماز صحیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب شیعہ کسی ایسی مسجد میں جاتے ہیں جس کے امام کے بارے میں انھیں کچھ معلوم نہیں ہوتا تو وہ مسجد کے ایک گوشہ میں فرادی نماز پڑھتے ہیں اس لئے کہ امام کے بارے میں یقینان نہیں ہوتا لیکن اہل سنت ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے وہ ہر مومن و فاجر کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتے ہیں۔

کیا عبداللہ بن عمر نے یزید بن معاویہ، حجاج بن یوسف ثقفی حتیٰ مجبرہ خارجی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی؟ جبکہ یہ سب کے سب علانیہ فساد کرنے والے تھے۔

اور اگر شیعہ اس موضوع میں افراط سے کام لیتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ان دینیوں نماز گزاروں پر تکیہ نہیں کرتے جو نماز جماعت میں مشغول ہیں تو یہ اس لئے ہے کہ وہ دین میں احتیاط سے کام لیتے

ہیں اور اپنی نماز کو بطور احسن انجام دینا چاہتے ہیں تاکہ مورد رضائے الہی قرار پائے۔ گویا ایک شیعہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر نا معلوم امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو شرعی لحاظ سے مقبول نہیں ہے۔ اور گویا خداوند عالم نے اسے دینی امور میں غور و جستجو کے لئے مجبور کیا ہے۔

مذکورہ مسائل اور امور کے علاوہ جہاں تک مجھے یاد ہے جمہوری اسلامی ایران کے ذمہ داروں میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ میری اور میرے دوستوں کے آرزو تھی کہ حکومت من جملہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ان کے ہاتھوں میں آئیں، لیکن جب اسلامی انقلاب کو کامیابی نصیب ہوئی تو ہمیں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

شیعہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا انھیں زبردستی سامنے نہیں آنے دیا گیا۔ لہذا ان کے فتوے بہت ہی احتیاط کے ساتھ ہوتے ہیں مثلاً مقدمات نماز جیسے طہارت وضو اور غسل کو بہت اہمیت دیتے ہیں یہاں تک کہ آپ کو کوئی مسجد ایسی نہ ملے گی جس میں طہارت، قرائت اور رکعات نماز کے متعلق دوسرا رکھنے والے موجود نہ ہوں!

بہر حال ہمارا یہ خیال ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت امور میں میانہ روی کا نام ہے خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:

اور اسی طرح ہم نے تم کو میانہ و امت قرار دیا۔ (بقرہ/۱۵۳)

سب سے اچھا کام امور میں میانہ روی ہے۔ نہ افراط ہو اور نہ تفریط ہو۔ (سنن (بیہقی) ج ۳/ص ۲۷۳)۔

پس اہل سنت جو سہل انگاری میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور ہر مومن اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں افراط ہے۔

اور دوسری طرف شیعوں کے سخت شرائط کہ وہ صرف اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں جو ہر جہت سے عادل ہو یہ بھی افراط ہے۔

اہل بیت کا اسلام، فاسق و فاجر امام کو قبول نہیں کرتا۔ امام جماعت کے شرائط میں بس اتقا کافی سمجھتا ہے کہ وہ علی الاعلان فسق و فجور کا مرتکب نہ ہوتا ہو۔ امام کے عادل ہونے کے لئے اتنی شرط کافی ہے۔ (۳۷)

آنحضرتؐ ہمیشہ اپنے اصحاب سے سفارش کرتے تھے کہ سختی نہ کرو نرمی سے کام لو۔ لوگوں کو خوشخبری دو اور متغیر نہ کرو۔ (کنز العمال/ج ۳/ص ۳۵)

آنحضرتؐ نے مزید فرمایا:
اپنے ساتھ سختی نہ برتو تاکہ خدا بھی تمہارے ساتھ سختی نہ کرے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا۔

پس دین اسلام نرمی اور آسانی کا دین ہے البتہ ہمارا مقصد احکام شرع میں انحطاط و سہل انگاری ہرگز نہیں ہے۔ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں۔ بلکہ میں خود ان مذاہب سے متنفر ہوں جو اپنی آراء و نظریات کے مطابق عمل کرتے ہیں اور الہی کو اپنی نفسانی خواہش کی بنیاد پر کم و زیادہ کرنے پر۔ لیکن اگر ہم ان ساری سختیوں اور شدت کو دینی اخلاص کے بجائے بشری اجتہادات کے نتیجہ میں دیکھیں تو یقیناً متاثر ہوں گے۔ آپ خود قرآن مجید میں خداوند عالم کا قول پڑھتے ہیں:

اور بلاشبہ خدا نے تمہارے لئے دین میں سختی قرار نہیں دی۔ (حج/۷۸)

اور دوسری جگہ پڑھتے ہیں:
(خدا تمہارے لئے راحت و آسانی چاہتا ہے نہ کہ شدت و سختی۔)

(بقرہ/۱۸۵)

لہذا جب ہم سختی برتنے والوں اور وسواسیوں کو دیکھتے ہیں تو دین ایک ایسا ڈراؤنا خواب نظر آتا ہے جو انسان کی طاقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں شیطان کا دل میں راہ پانا ممکن ہو جاتا ہے۔ اور شکوک و شبہات گہر کر لیتے ہیں۔ بے شک بدترین بیماری یہی ہے کہ مسلمان شخص دوسرے کا شکار

ہو جائے۔ اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی، کب، اور کیسے نماز پڑھی اور شیطان بھی اس کے ساتھ تماشا کرے اور اس کے دل کو دوسرے سے بھر دے۔ اور ممکن ہے اس کا یہ دوسرے عبادات سے معاملات تک پہنچ جائے اور اس کی زندگی نہ صرف اس کے لئے قابل تحمل نہ ہو بلکہ اس سے وابستہ لوگوں کے لئے بھی باعث مشکل ہو جائے۔

خداوند عالم ہمیں اور آپ کو اس سے امان میں رکھے۔
ہمارے فقہاء بھی ایسے شخص کو مریض سمجھتے ہیں اور شدت کے ساتھ اسے دوسرے سے روکتے ہیں۔

شیعہ اور نماز جمعہ

اہل سنت حضرات جن اہم باتوں کے متعلق شیعوں پر تنقید کرتے ہیں ان میں سے ایک نماز جمعہ کو اہمیت نہ دینا ہے، البتہ بعض افراط سے کام لیتے ہوئے نماز جمعہ کو اہمیت نہ دینے پر شیعوں کو کافر سمجھتے ہیں اور اس کی دلیل میں رسول خدا کی حدیث نقل کرتے ہیں: آنحضرت نے فرمایا:

جو بھی تین ہفتہ نماز جمعہ میں شرکت نہ کرے وہ اسلام سے بیزار ہے۔

یہ یاد رکھو: حضرت سے سوال کیا گیا جو نماز کو ترک کرتا ہے اسکا انجام کیا ہوگا؟ آنحضرت نے فرمایا: ”وہ دوزخ میں ہے۔“ (الموطا ج ۱، ص ۱۱۱)

لیکن شیعوں کے درمیان اختلاف ہے کہ حضرت امام مہدی (ع) کی غیبت کے زمانے میں نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ فقہاء دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں، ایک گروہ ہر زمانے میں نماز جمعہ کے وجوب کا قائل ہے تو دوسرا معتقد ہے کہ نماز جمعہ صرف اس صورت واجب ہے جب اس کے شرائط فراہم ہوں اور ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عادل حاکم نماز جمعہ برقرار کرے۔

یہاں پر یہ کہنا ضروری ہوگا کہ جناب خالصی حرم امام موسیٰ کاظم (کا مین بغداد) میں نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔ اور مجھے شیعہ ہونے کے پہلے سے ہی اچھے لگتے تھے چنانچہ میں کبھی کبھی نجف یا کربلا سے نماز جمعہ میں شرکت کی غرض سے بغداد جاتا تھا اور جناب خالصی کی شجاعت پر تعجب کرتا تھا کہ آپ نماز جمعہ کو واجب نہ جاننے والوں کی تنقید کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور نہایت ہی اچھے ڈھنگ سے نماز ادا کرتے تھے اور وہ زمانہ ۱۹۶۸ء کا تھا میں دیکھتا تھا

کہ لوگ کثرت سے آپ کے ساتھ نماز جمعہ میں شرکت کرتے تھے۔ (۳۸) اور دوسری طرف ان لوگوں پر تعجب ہوتا تھا جو آپ کے نماز جمعہ برقرار کرنے پر تنقید کرتے تھے۔ میں خود سے کہتا تھا کہ یہ کس طرح ایک مجتہد پر تنقید کرتے ہیں اور صرف اس بات پر کہ آپ نماز جمعہ قائم کرتے ہیں، جب کہ خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا

إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ..... (سورہ جمعہ آیت، ۹)

اے مومنوں جس وقت نماز جمعہ کا اعلان ہو تیزی کے ساتھ یاد خدا کے لئے دوڑ پڑو.....

میں ان دونوں اجتہاد (وجوب نماز جمعہ اور عدم وجوب نماز جمعہ) کے درمیان سرگرداں تھا، یہاں تک کہ ایرانی اسلامی انقلاب کامیاب ہوا اور اسلامی جمہوریہ قائم ہوئی اور وہاں پہلے ہی روز سے نماز جمعہ قائم ہوگئی، اسلامی جمہوریہ نے مسلمانوں کے درمیان وحدت کو جامہ عمل پہنانے کے لئے پوری کوشش کی اور یہی وہ وجہ تھی جہاں میں نے شیخ خالصی کی قدر کو سمجھا اور یقین ہو گیا کہ آپ مخلص فرد ہیں اور امید رکھتا ہوں کہ ایک روز آپ سے ملوں اور آپ کا ہم نشین ہوں۔

بہر حال شیعہ ویسے ہی اب بھی نماز جمعہ پڑھنے اور ترک کرنے والوں میں منقسم ہیں اور امام مہدی (ع) کے ظہور کے منتظر ہیں۔

اور میری خواہش قلبی آرزو ہے کہ نماز جمعہ شیعوں کے ہر دیہات اور شہر میں قائم ہو جائے اس لئے کہ اس میں بہت زیادہ اجر و ثواب ہے۔ جس کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا، ہم نے جن سرزمینوں کے زیارت کی ہے اپنی اکثر تقریروں میں وہاں کے شیعوں کے درمیان کہا ہے کہ وہ ضرور اسلامی جمہوریہ ایران اور عظیم رہبر امام خمینی کی پیروی کریں اور مسلمانوں کی تالیف قلوب اور دنیا کے شیعہ اور سنی مسلمانوں کے درمیان اُلفت و محبت برقرار کرنے کے لئے نماز

جمعہ قائم کریں۔ اور اس کام کو ضرور انجام دیں اور اس خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنے ذکر و شکر کی قوت بخشنے اور بطور احسن اپنی عبادت و پرستش کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور ہمارے دلوں کو ایک دوسرے سے نزدیک کرے تاکہ اس کی نعمت کے زیر سایہ ہم ایک دوسرے کے بھائی ہو جائیں۔ اور کیوں نہ ہو وہ سننے والا اور دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

مسجدوں میں سگریٹ پینا

شیعہ حضرات پر اہل سنت کا ایک دوسرا اعتراض مسجد میں سگریٹ پینا ہے، وہ کہتے ہیں یہ برا عمل ہے اور شیاطین کے اعمال میں سے ہے۔

اور حق تو یہ ہے کہ شیعوں کی مسجد میں معمولاً عیّل نظر بھی آتا ہے۔ مجھے یاد ہے پہلی مرتبہ جب میں نجف اشرف میں مشرف ہوا تھا تو یہ صورت حال نظر آئی جسے دیکھ کر مجھے یہ تعجب ہوا۔ اسی وقت میں نے کچھ علما کے ساتھ بحث کی لیکن ان کے جواب سے قانع نہ ہوا۔

بعض نے کہا سگریٹ پینا حرام نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ وہ اس لئے کہ اس کے اوپر آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کی جانب سے کوئی نص موجود نہیں ہے اور رہا قیاس تو وہ ہمارے یہاں باطل ہے، اور کچھ نے کہا ہم مسجد میں سگریٹ نہیں پیتے بلکہ صرف امام بارگاہوں اور نشست گاہوں میں پیتے ہیں اور امام بارگاہوں اور مسجد میں فرق ہے۔

پہلی توجیہ کے بارے میں ہم ان سے کہیں گے کہ یہ صحیح نہیں کہ جس کی حرمت سے متعلق نص موجود نہ ہو وہ حلال اور جائز ہے اسلئے کہ بعض نصوص عام ہیں اور تمام خباثت و محرمات کو اپنے اندر شامل کر لیتی ہیں، جیسے خداوند عالم کا ارشاد:

اے پیغمبر کہہ دو: ہمارے پروردگار نے ہر طرح کے برے اعمال چاہے

ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کو حرام قرار دیا ہے (اعراف، آیت ۳۳)۔

یا رسول خدا کا فرمان:

مست کرنے والی تمام چیزیں حرام ہیں۔ (صحیح بخاری، ج ۵ ص ۲۰۵)

یا یہ:

ضرر اٹھانا اور ضرر پہنچانا اسلام میں نہیں ہے (سنن ابن ماجہ، ج ۲ ص

۳۸)

لیکن بعض نصوص خاص ہیں اور کسی ایک امر کی حرمت سے متعلق ہیں جیسے

خدا کا یہ ارشاد:

• زنا کے نزدیک نہ ہو (سورۃ اسراء آیت، ۲۳)

• قتل نہ کرو (سورۃ اسراء آیت، ۳۳)

• سود نہ کھاؤ (آل عمران، ۳۰)

یا آنحضرتؐ کا فرمان:

• جو بھی فریب دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۹)

• جو بھی ہم پر جھوٹ باندھے اسے چاہئے کہ اپنی جگہ جہنم میں تلاش

کے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸)۔

لہذا اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ سگریٹ ائمہ اطہارؑ اور آنحضرتؐ

کے زمانے میں نہیں تھا اس لئے اس سے متعلق خدا اور اس کے رسولؐ و ائمہؑ کی

جانب سے کوئی صریح حکم نہیں ملتا، جیسے بہت سے عزائم اب بھی ہیں اور انکو

نصوص عام اپنے اندر شامل کئے ہوئے ہیں جیسے لٹری، یا دوسرے کھیل جو بغیر

زحمت کے، پیسے سے کھیلے جاتے ہیں یا اس قسم کے دیگر مسائل۔

لیکن سگریٹ نوشی کو بہر حال خداوند عالم کا یہ قول اپنے اندر سمیٹ لیتا

ہے۔

اسراف نہ کرو اسلئے کہ اسراف کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور

شیطان اپنے پروردگار کا منکر ہے (اسراء/۲۶)

اور رسولؐ خدا نے فرمایا ہے:

اسراف یہ ہے کہ ایک درہم اس چیز میں صرف کرو جس میں ذرا بھی

تمہارے لئے فائدہ نہ ہو۔

اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوگا کہ انسان اپنے مال کو ان نقصان دہ

چیزوں میں صرف کرے جو اس کی صحت کے لئے خطرناک ہوں اور اس کی زندگی

کو ہلاکت میں ڈال دیں؟

حتیٰ (لا ضرر ولا ضرار) والا قاعدہ بھی سگریٹ نوشی کو اپنے اندر شامل

کئے ہوئے ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کیا ضرر ہوگا کہ موجودہ سائنس نے

ثابت کر دیا ہے کہ ہر سگریٹ پینے والے کے لئے کینسر اور تنگی نفس کا خطرہ لاحق

ہے۔ جو کلوٹین سگریٹ میں موجود ہے وہ مثنیات کا ایک جزو ہے۔ جس سے

سگریٹ نوش کرنے والے کو رہائی ممکن نہیں مگر یہ کہ اسکا مستقل علاج کیا جائے۔

اسی طرح ترقی یافتہ ممالک کے ماہرین سماجیات نے سگریٹ نوشی کے

خطرہ کو محسوس کر لیا ہے۔ لہذا سگریٹ نوشی کو عام جگہوں، حکومتی مراکز حتیٰ کہ ہوائی

جہاز، ٹرین اور بسوں میں منع کر دیا ہے۔

اور ادھر انگلینڈ اور فرانس نے میٹرو میں بھی سگریٹ نوشی کو ممنوع کر دیا ہے

اسلئے کہ ماڈرن میڈیکل سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ سگریٹ نوشی سے صرف

اسی شخص کو خطرہ لاحق نہیں ہے۔ بلکہ اسکے اطراف کو بھی بیماری لاحق ہو سکتی

ہے۔ لہذا ذمہ داروں نے اسے عمومی مراکز میں بالکل ممنوع قرار دیدیا ہے اور

سگریٹ پینے والوں کو مجبور کر دیا ہے کہ دھواں نکلنے کے لئے لوگوں سے دور

ہو جائیں، اور یہ صرف دوسروں کے احترام کے لئے نہیں بلکہ ان کی سلامتی

و حفاظت کے لئے بھی ضروری ہے۔

اور جو رسولؐ خدا نے فرمایا: ﴿لا ضرر ولا ضرار﴾ نہ خود نقصان اٹھاؤ

اور نہ دوسروں کو پہنچاؤ، (آنحضرتؐ کا یہ فرمان) صرف سگریٹ پینے والوں کے

اطرافوں کو شامل نہیں کرتا بلکہ خود اس کے لئے سگریٹ نوشی کو حرام قرار دیتا ہے۔ اسلئے کہ حضور کے اس فرمان کے مطابق مسلمان شخص پر جس طرح دوسروں کو نقصان پہنچانا حرام ہے ویسے ہی خود کو بھی نقصان پہنچانا حرام ہے۔

آپ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے خودکشی کو حرام قرار دیا ہے اور اس کو گناہ کبیرہ شمار کیا ہے، پس انسان خود اپنے بدن کے متعلق بھی آزاد نہیں ہے کہ جو چاہے کرے اور اس لئے کہ انسان کا بدن خدا کی ملکیت ہے نہ کہ خود اس کی ملکیت لہذا وہ کام نہیں کرنا چاہئے جو خدا کی ناراضی کا باعث ہو۔

اگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ ترقی یافتہ ممالک نے ڈرائیونگ کے وقت شراب نوشی کو ممنوع قرار دیا ہے تو اس کا حامل مہلک اور خطرناک ایکسیڈنٹ ہے۔ اور اسی طرح سگریٹ نوشی کو جو عمومی مراکز میں ممنوع قرار دیا ہے تو اس کی وجہ سگریٹ پینے والوں کے ذریعہ لوگوں کی تکلیف ہے، لیکن یہ صرف قاعدہ (لاضرر) دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ پر عمل کرتے ہیں۔

لیکن قاعدہ (لاضرر) خود بھی نقصان نہ اٹھاؤ کو کنارے چھوڑ دیتے ہیں اور اس خیال سے کہ انسان اپنے جسم کے متعلق آزاد ہے، صرف اس شرط کے ساتھ کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ اپنی نسبت جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اسلام انسان کی مطلق آزادی کا اعتراف نہیں کرتا اور انسان کو اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے آزاد نہیں چھوڑتا۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو (بقرہ، ۱۹۵)

رسول خدا فرماتے ہیں:

﴿لا ضرر ولا ضرار﴾ (نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ)

بہر حال اگر قبول کریں کہ مسلمان سگریٹ پینے کا حق رکھتے ہیں اسلئے کہ

اس کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے تو قطعاً اس چیز کی اجازت نہ دینی چاہئے کہ مسجد نماز و عبادت سے مخصوص مراکز اور مسلمانوں کے مجمع کے درمیان سگریٹ نوشی کریں بلکہ انکو چاہئے کہ دوسروں کے احترام کی رعایت کریں۔

لیکن انکا دوسرا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ مسجد میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے لیکن امام بارگاہوں میں کوئی حرج نہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو نہیں جانتے بیان کرتا ہوں، امام بارگاہ ہیں وہ مراکز ہیں جنہیں شیعوں نے بنا کر امام حسینؑ کے لئے وقف کر دیا ہے۔ ان مراکز میں ائمہ اطہارؑ کی ولادت و شہادت، عاشورہ، غدیر وغیرہ کی مناسبت سے مجلس و ماتم اور جشن مناتے ہیں عموماً یہ امام بارگاہ ہیں قیمتی قالین سے مزین ہوتے ہیں ان میں محراب نماز بھی ہوتی ہے۔ (اگرچہ مسجد نہیں ہے) پس اگر کوئی شیعہ کہے کہ امام بارگاہ میں سگریٹ پینا جائز ہے۔ چونکہ مسجد نہیں تو اولاً۔ اس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ مسجد میں سگریٹ نوشی درست نہیں ہے۔

ثانیاً۔ امام بارگاہ ہیں چاہے اس میں مجلس عزاء ہو یا محفل مسرت، وہ نشیمن ہیں جو خدا کے نام اور رسول و آل رسولؑ پر صلوات سے پڑ ہیں، لہذا کیا شائستہ ہے کہ جس جگہ خدا اور رسول و ائمہ اطہارؑ کا تذکرہ ہو اور فرشتے اپنے پروں کا سایہ کریں اور مومنین کے لئے استغفار کریں اس جگہ کو سگریٹ کی کثیف اور گندی بو (جو ملائکہ کی کیا بات خود انسان کے لئے مضر ہے) سے آلودہ کیا جائے؟

میں خود تعجب کرتا ہوں کہ بعض شیعہ مراجع شطرنج بازی کو تو حرام قرار دیتے ہیں لیکن سگریٹ نوشی کو جائز سمجھتے ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کس درجہ فرق ہے میں اس حالت سے سخت متاثر تھا، اور اکثر اس مطلب کو بعض علماء سے کہتا بھی تھا لیکن ان میں اس بات کی جرأت نہیں دیکھتا تھا کہ وہ اسکو منع یا حرام کر سکیں، (نہ شیعوں کے درمیان اور نہ اہل سنت کے درمیان)۔

مجھے یاد ہے کہ مرحوم شہید صدر کبھی سگریٹ نہیں پیتے تھے، اور جس وقت میں نے سگریٹ نوشی کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: ”میں خود سگریٹ تمہیں پیتا اور ہر مسلمان کو نصیحت کرتا ہوں کہ سگریٹ نہ پیئے۔“ لیکن خود انھوں نے بھی صراحت کے ساتھ حرام نہ کیا، بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرجع نے سگریٹ کو ابتدا سے پینے والوں پر حرام قرار دیا ہے۔ لیکن جو پیتے رہتے ہیں ان کے لیے مکروہ جانا ہے، البتہ بعض اس کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن اس کی تصریح اس خوف سے نہیں کرتے کہ عوام ان پر قیاس کا اتہام لگائیں گے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ مراجع کی ذمہ داری ہے کہ اس کے متعلق صراحت سے اپنی رائے بیان کریں، اور کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں، اس کو حرام کرنا ان کی ذمہ داری ہے چاہے اجتہاد کے ذریعہ، چونکہ اس بات سے قطع نظر کہ یہ ایک واضح اسراف ہے خود نقصان اٹھانا اور دوسروں کو نقصان پہنچانا ہے۔ (۵۰)

اور بالفرض اگر دھواں نکلنے کے متعلق واضح نص موجود نہ ہو اور خداوند عالم کا قول: ﴿لَا تَبْلُغُوا مَبْلَغَهُمْ﴾ بھی اسے اپنے اندر شامل نہ کرے تو بھی علماء مراجع کے لئے مواقع فراہم ہیں کہ اس میں اجتہاد کریں اور اسکے ذریعہ انسان کے لئے کثرت سے نقصان و ہلاکت کے باعث اس کو حرام قرار دیں۔

لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ بعض مشکلات اور عوام کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ساکت ہو جائیں، یا سگریٹ نوشی کرنے والوں کے رد عمل سے گھبراتے ہوں اور اس کی کراہت کا بھی اعلان نہ کریں، ان توجیہ کرنے والوں میں سے ایک مجھے قائل کرنا چاہتا تھا کہ سگریٹ بڑے فوائد کا حامل ہے۔ خدا کی قسم یہ بڑا خطرناک کام ہے اور بڑے ہی وحشت ناک گوشے رکھتا ہے۔ وہ شخص بعض جوانوں کو سگریٹ نوشی کو جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی بھی کر رہا تھا۔

اور یہ اس وقت ہے جب عالم کفر میں چیمبری ٹیبل فاؤنڈیشن (Charitable Foundations) اور اجتماعی ادارے سگریٹ اور سگریٹ پینے والوں کے برخلاف تبلیغات پر کثیر رقم صرف کر رہے ہیں، اور سگریٹ کے فوائد پر پروپگنڈے کو ممنوع کرتے ہوئے اس کی کمپنیوں پر فریضہ عائد کرتے ہیں کہ وہ اپنے سگریٹ کے اوپر لفظ ”خودکشی“ ضرور لکھیں، تاکہ لوگوں کو اس سے متنفر کر سکیں۔

لیکن افسوس کہ اسلامی و مذہبی سماج میں سگریٹ بڑی قبولیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے حتیٰ کہ عورتیں بھی محافل میں سگریٹ کا پیکٹ لے جانے سے پرہیز نہیں کرتیں۔

یقیناً بچہ جب آنکھ کھولے اور اپنے ماں باپ کے منہ میں سگریٹ دیکھے تو مرجع دینی کی تقلید کرنے سے پہلے ان کی تقلید کرے گا، اور اگر سگریٹ کی مستی کے ساتھ بڑا ہوا اور سگریٹ کا عادی بن گیا تو بہت مشکل ہے کہ اس کو بڑے ہونے کے بعد سگریٹ پینے سے روکا جاسکے، اور خصوصاً اس وقت جب اس نے ابا جان کو مسجدوں اور عبادت گاہوں میں سگریٹ نوشی کرتے ہوئے دیکھا ہو۔

مسلمانوں کو نہیں معلوم کہ اس سگریٹ کی وجہ سے وہ کس سنگین مالی اور اقتصادی نقصان کے مقبل ہوتے ہیں۔ اگر معلوم ہوتا تو قطعاً متاثر ہوتے، صرف ایک معمولی حساب کے ذریعہ اس بڑے خطرہ سے پردہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس وقت دنیا میں ایک ارب مسلمان ہیں اور اگر پانچ آدمیوں پر مشتمل فیملی میں ایک سگریٹ پینے والا حساب کریں تو (۲۰۰) ملین سگریٹ پینے والے ہوں گے اور اگر فرض کریں کہ ہر روز ایک ڈالر سگریٹ پر صرف ہوتا ہے (جبکہ یہ ایک پیکٹ سگریٹ کی سب سے کم قیمت ہے) اس حساب میں وہ لوگ جو روزانہ دو یا تین پیکٹ سگریٹ پی جاتے ہیں شامل نہیں ہیں۔

رہے وہ لوگ جو قیمتی سگریٹ پیتے ہیں ان کو اس حساب میں شامل نہیں کیا گیا ہے تو نتیجہ اس طرح ہوگا (۲۰۰) ملین سگریٹ کو ایک ڈالر (۳۶۱۲) روز یعنی روزانہ (۲۰۰) ملین ڈالر ہوگا، اور اگر اس روزانہ کی شرح کو (۳۰۰) ارب ڈالر یعنی ایک سال کی مدت سے ضرب دیں تو (۶۳۰۰۰) ارب ڈالر ہوگا، یعنی مسلمان سب سے کم حساب کرنے کی صورت میں (۳۰۰) ارب ڈالر خرچ کرتے ہیں، اور اس سے مہلک بیماریاں خریدتے ہیں۔

اگر اس کے ساتھ سگریٹ کی وجہ سے پیدا ہونے والی بیماری جیسی کینسر، دم، سانس پھولنا، برون کاٹیس (Bronchitis) (حلق کی سوجن)، سوڑھے اور دانت کی خرابی وغیرہ کے علاج پر خرچ ہونے والی کثیر رقم کو جمع کر دیا جائے تو بلاشبہ ایک ایسی شرح حاصل ہوگی جس کو قتل باور نہیں کر سکتی، اگر مسلمان دس سال اس مال کو جمع کریں تو اس سر زمین پر ایک جنت تعمیر کر سکتے ہیں۔ اور ایک بھی مسلمان فقیر نظر نہ آئے گا۔

اور پھر انھیں کوئی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ اپنا ہاتھ کفار کے ہاتھ میں پھیلانے اور یقیناً فقر و فاقہ، بیماری، و پسماندگی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ ان کے لئے جدید ٹیکنالوجی خرید سکتے ہیں اور دوسروں پر سبقت لے سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ جو چیز سوائے اللہ کے کوئی فائدہ نہیں رکھتی گرچہ اس کی حرمت پر نص موجود نہ ہو پھر بھی خود اس لئے کہ یہ دین پاک کا حکم دیتا ہے اور انھیں پلیدی سے روکتا ہے، خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

ان پر پاک و پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیا ہے۔ نجس اور مکہ کی چیزوں کو حرام کیا ہے (اعراف/۱۵)۔

اگر رسول خدا اپنے اصحاب کو جمعہ کے دن لہسن کھانے سے روکتے تھے تاکہ اس کی مہک سے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے جبکہ لہسن بہت سے

طبی فائدے ہیں، اور لہسن کی بو کو سگریٹ کے ساتھ قیاس نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ لہسن کھانے والے کے منہ سے کوئی ایسا دھواں نہیں نکلتا تھا جو فضا کو آلودہ کرے جیسا کہ سگریٹ پینے میں ہوتا ہے مگر رسول خدا نے قاعدہ (لا ضرار) دوسروں کو نقصان نہ پہنچاؤ کے تحت اس سے منع فرمایا تو کیا رسول کی نبی میں عقلمندوں کے لئے عبرت موجود نہیں ہے؟

اس کے علاوہ جو بھی لہسن کھاتا ہے اسے کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے، لیکن جمعہ کے دن کھانا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہوگی، اور پھر لہسن کھانے میں مد مقابل کو صرف اس کی بو سے تکلیف ہوگی اور کسی قسم کے مرض یا خطرہ نہ ہوگا لیکن سگریٹ کے ساتھ ایسا نہیں ہے یہ دوسروں کو مریض کر کے نقصان پہنچاتا ہے۔

اور اگر مجتہدین تاش اور شطرنج کھیلنے کو حرام قرار دیتے ہیں چاہے اس میں بار جیت کا معاملہ نہ ہو، غنا، موسیقی، اور دیگر لہو و لعب کے افعال کو حرام قرار دیتے ہیں کہ جس کے متعلق شاید نص صریح موجود نہ ہو (۵۱) لیکن کیوں اس امر کو حرام قرار نہیں دیتے جو مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے اور انکو بیمار کرتا ہے اور آگے شیعہ سگریٹ پینے پر اصرار کریں تو کم از کم جو سگریٹ نہیں پیتے ان کا احترام کریں۔

خصوصاً عبادت گاہوں، مساجد اور نماز خانوں کا احترام و خیال کریں جیسے کہ اہل سنت کرتے ہیں، آپ خود اس کا امتحان کر سکتے ہیں اگر آپ کے ہاتھ میں سگریٹ ہو اور کسی اہل سنت کی مسجد میں داخل ہوں تو فوراً منع کریں گے اور آپ کو سگریٹ پینے سے روکیں گے اور شاید آپ کو اذیت بھی پہنچائیں۔

میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سگریٹ نوشی بہت بری چیز ہے اور خدا اور رسول اس سے منفر ہیں، چونکہ عقل و فطرت اس سے منفر ہے اور

شاید یہ اس بات کا باعث ہو کہ بعض اہل سنت جب شیعہ مراکز میں داخل ہوں تو اس سے متاثر ہو جائیں، چونکہ اس برے ظاہر کے علاوہ شیعہ کے متعلق نہ انھوں نے کچھ جانا ہے اور نہ سمجھا ہے۔ لہذا اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ امام جعفر صادقؑ کا وہ قول کس درجہ دل پذیر ہے کہ اپنے شیعوں سے فرماتے ہیں:-

اپنے اعمال کے ذریعہ لوگوں کو ہماری طرف دعوت دینے کے گفتار کے ذریعہ ہمارے لئے زینت کا سبب بنو نہ کہ باعث نفرت۔ (بحار الانوار ج ۸۵ ص ۱۳۶)

اور ممکن ہے کہ کچھ افعال دیکھنے والے کو ایسا متاثر کر دیں کہ اس کے بعد وہ کوئی بات بھی سننے کو تیار نہ ہو، بہر حال اس کے متعلق جو کچھ بھی شیعوں کو کہا جائے وہ اہل سنت پر بھی صادق آتا ہے۔

اس بحث کے خاتمہ پر عرض کرتا ہوں کہ اصلاح کرنی چاہئے اور حق کی طرف بازگشت فضیلت ہے اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اگر غلط کام پر صدیاں گزر جائیں تو اس کی اصلاح نہیں کی جاسکتی، البتہ اس کے لئے کوشش ضروری ہے اور جذبہ ہونا چاہئے تاکہ خداوند عالم کی مدد سے اس مہلک بیماری سے ہمیں نجات حاصل ہو۔ چاہے طولانی مدت ہی درکار ہو۔

ختم بحث

یہ ہیں امامیہ شیعہ مذہب پر ہونے والے اہم اعتراض اور تنقیدیں۔ لہذا بہتر ہوگا کہ ہر محقق جو حقیقت کا متلاشی ہے اس تحقیق کرے اور کسی بھی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرے اور حق کہے۔ چاہے وہ بہت ہی تلخ اور اس کے حق میں نقصان دہ کیوں نہ ہو۔

آج کے روشن فکر و سمجھدار جوان ان زہریلے اور جھوٹے پروپیگنڈوں پر یقین نہیں رکھتے جنہیں پروپیگنڈہ کرنیوالے ادارے تشیع کے خلاف ہر طرف پھیلاتے رہتے ہیں اور شیعوں کو شدت پسند، دہشت گرد، گروہ یا خدا کے دیوانے کہتے ہیں۔

روشن خیال افراد ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن ممکن ہے کہ بعض مسائل جو شیعہ محافل میں پیش آتے رہتے ہیں ان سے متاثر ہوں یا بعض مطالب شیعہ کتابوں میں پڑھیں اور حیرت زدہ ہوں اور اس کے لئے انھیں تفسیر و توضیح کی ضرورت ہو۔

بعض اشتباہات کچھ شیعہ عوام کے ذریعہ عمل میں آئے کہ جو نہ دین میں سے تھے اور نہ ان ضرورتوں میں سے جو محرمات کو جائز کر دیتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ ایسا نقصان پہنچا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ ان کے متعلق ہم نے ان کی جگہ پر توضیح کی ہے۔

گذشتہ بحثوں میں محکم و شائستہ استدلال جسے ہم نے اپنی کتابوں میں پیش کیا اور مسلمانوں کے درمیان نشر کیا اس میں ثابت کیا کہ امامیہ شیعہ تمام

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ لَهُ
كُفُوًا أَحَدٌ﴾

(اے پیغمبر کہہ دیجئے اللہ ایک ہے وہ سب سے بے نیاز ہے (اور بھی اس کے نیاز مند ہیں) نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ ہی اسے کسی نے جنا اور نہ اس کا کوئی ہم پلہ ہے۔)
اس حقیقت کی طرف رسول خدا اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
خدا کی قسم میں ہرگز انہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ بلکہ اس بات پر خائف ہوں کہ دنیا (خلافت) کے لئے جھگڑا کرو (۵۵)
اور یہ امت محمد کے مشرک نہ ہونے پر واضح و روشن دلیل ہے اسی طرح اس بات پر بھی دلیل ہے کہ امت محمد آپ کے بعد دنیا اور قدرت و اقتدار طلبی کے متعلق نزاع کرے گی اور اپنے ماضی کی طرف پلٹ جائے گی اور وہ حکم دے گی جس کو خدا نے نازل نہیں کیا اور یہ وہی چیز ہے جو ظلم، جہاں اور حتیٰ کہ کفر کا باعث ہوگی لیکن ہرگز شرک کا باعث نہ ہوگی اور خداوند عالم نے بھی اس حقیقت کا اعلان قرآن کریم میں کیا ہے:

جو اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے تو وہ کافر

ہے۔ (مائدہ/۳۳)

جو بھی اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل کیا ہے تو ایسے

لوگ سنگر ہیں۔ (مائدہ/۳۵)

جو بھی اس چیز کی بنیاد پر حکم نہ کرے جسے خدا نے نازل فرمایا ہے تو

ایسے لوگ فاسق و بدکار ہیں۔ (مائدہ/۴۷)

اور یہ وہی مصیبت ہے جو رسول خدا کے بعد سے آج تک امت اسلامی کے درمیان موجود ہے، اس لئے کہ وہ قوانین و دستور جو خود بشر کے ہاتھوں بنے تھے اور ذاتی اجتہاد سے وضع کئے گئے تھے اس کو شریعت میں داخل کر دیا گیا اور

اس طرح احکام خدا میں تبدیلی کر دی گئی لیکن اس کی باوجود خدا ان کو مشرک نہیں کہتا بلکہ ظالم، فاسق اور کافر سمجھتا ہے۔

یہ ہم سبھی جانتے ہیں کہ اسلامی اور عرب ممالک کے روساء اور بادشاہ کبھی وہ حکم دیتے ہیں جو کتاب خدا کے برخلاف ہوتا ہے۔ لیکن ہم انہیں ہرگز مشرک نہیں کہتے۔ اس لئے کہ وہ خدا کی وحدانیت اور محمد کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اگر یہود و نصاریٰ خدا کے لئے فرزند کے قائل نہ ہوں تو انہیں موحّد سمجھیں گے اور انہیں کافر نہیں کہیں گے۔

خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

اور جب خود یہودیوں کے پاس توریت موجود ہے اور اس میں حکم خدا موجود ہے تو پھر تمہارے پاس فیصلہ کرائے کیوں آتے ہیں اور پھر اس کے بعد تمہارے فیصلہ سے پھر جاتے ہیں یہ لوگ باایمان نہیں ہیں۔

(مائدہ/۴۳)

جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کے مطابق اہل انجیل کو حکم کرنا چاہئے اور جو بھی خدا کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ فاسق و بدکار ہے (۵۶)

بات واضح ہے اور مزید توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ وہابیت نے رنگ و نسل و شہرت کے لحاظ سے مسلمانوں کے مختلف مقدس مقامات پر قبضہ کر رکھا ہے۔ مکہ مکرمہ جس میں خانہ خدا ہے اور ہر سال مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے وہاں آتے ہیں یہ اسلام کا رکن شمار کیا جاتا ہے اور مسلمان خانہ خدا کے طواف، مشعر میں ٹوف، صفا و مروہ کی سعی، عرفات میں قیام، کی بے انتہا آرزو رکھتے ہیں کہ کم از کم عمر میں ایک مرتبہ اس کی زیارت کر سکیں۔

مدینہ منورہ جہاں مسجد النبی ہے اور قبر نبی اسی مسجد میں ہے آنحضرتؐ

کے آثار، مثلاً: محراب، آپ کا منبر، اور آپ کی تربت مطہر بھی موجود ہے۔

اسی طرح بقیع بھی مدینہ میں ہے جس میں صحابہ اور آنحضرتؐ کی بیویوں کی قبریں ہیں اور اہل بیتؑ کی بھی قبریں ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر مقدس مقامات جیسے شہداء کے مقبرے، کوہ احد، اہم مسجدیں جیسے مسجد قبلتین، مسجد قبا بھی مدینہ منورہ میں ہیں۔

دہائیوں نے ان جگہوں پر ماڈی و معنوی ہر لحاظ سے قبضہ کر رکھا ہے اور مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعہ کبھی ترغیب دے کر اور کبھی دھمکا کر اپنے مذہب کی ترویج کرتے ہیں خصوصاً حج کے موسم میں جب دنیا بھر سے لاکھوں حاجی اکٹھا ہوتے ہیں تو مختلف جلسہ اور کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ اور دہابیت کے زر خرید افراد جماعتوں، گروہوں، کے درمیان براہ راست دہابیت کی تبلیغ کرتے ہیں اس کے علاوہ تمام طاقتور تبلیغاتی وسائل مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، ان کی خدمت میں ہیں جو حاجیوں پر اچھا خاصہ اثر ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے بحث و مناظرہ و گفتگو سے کنارہ کش ہو کر صرف خداوند عالم کی عبادت کرتے ہیں۔

۳۔ تیل کی فروخت کے ذریعہ عظیم سرمایہ ہاتھ آتا ہے اور حج و عمرہ میں بلا وقفہ اقتصادی نفع ہوتا رہتا ہے۔ ان سب سے دہابیت کے ارتقاء میں مدد ہوتی ہے تاکہ وہ ساری دنیا میں پھیل جائیں اور بالخصوص ائمہ جماعت و مساجد کے درمیان کثرت سے پیسہ تقسیم کرتے ہیں تاکہ ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کریں، حتیٰ کہ تمام عربی ممالک کے پایہ تختوں میں بے شمار مسجدیں تعمیر کی ہیں جن میں بلا استثناء دہابیت کی تبلیغ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ مدارس، کالج، یونیورسٹیاں، کثرت سے بنائی گئی ہیں جن میں دہابی مبلغین فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں اور شب و روز لوگوں کو اپنے جدید مذہب کی طرف دعوت دینے میں لگے رہتے

ہیں۔

اسی طرح بے شمار پریس اور پبلیکیشن تیار کئے گئے ہیں اور سینکڑوں اخبار، میگزین، (ہفتہ وار اور ماہوار) جرائد کا پیسہ سے پیٹ بھرتے ہیں، اور ان سے اپنے مذہب کی خدمت لیتے ہیں۔ کروڑوں ڈالر زر خرید قلم کاروں پر خرچ کرتے ہیں تاکہ اپنے مذہب کی حسب منشا تائید اور مخالفین کی تکفیر پر تحریر و تالیف کرائیں۔

اسی طرح کروڑوں جلد قرآن و کتاب جو ان کے مذہب کی تائید میں ہے۔ بطور ہدیہ تمام دنیا میں تقسیم کرتے ہیں: اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ غلبی جنگ کے بعد ان کی نسبت لوگوں کی نفرت کے پیش نظر زائرین خانہ خدا کے درمیان ماہ رمضان میں دودھ اور خرما اور واپسی کے وقت ایئر پورٹ پر آب زمزم کی بوتلیں بطور ہدیہ دینے لگے ہیں۔ جس پر لکھا ہوتا ہے۔ (خادم الحرمين کا ہدیہ) جبکہ پہلے حاجیوں کو جہاز میں آب زمزم لے جانے سے روکتے تھے۔

۴۔ بین الاقوامی روابط جو دہابیت کو امریکا سے دستی کی بنیاد پر حاصل ہیں اس نقطہ کے پیش نظر کہ امریکا تمام عرب ممالک بلکہ روسی بلاک کے ٹوٹنے کے بعد تمام دنیا پر بالواسطہ یا بلا واسطہ رابطہ رکھتا ہے۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امریکی منافع خصوصاً ایران میں شہنشاہیت کی تباہی اور اسلامی جمہوریہ کا قیام اور پھر اس منطقہ میں امریکی منافع کو لاحق خطرہ کی مخالفت و دہابیت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

اہل فہم حضرات سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ دہابیت امریکا کی داہنی آنکھ ہے۔ جیسے اسرائیل بائیں آنکھ ہے۔ لیکن امریکا جو چاہتا ہے دہابیت سے لیتا ہے اور اسرائیل کے حوالہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ امریکا تخت شہنشاہی کی حفاظت میں بڑی محنت کرتا ہے اور دہابی حکومت کی بقا اور اس کے مخالفین کو کچلنے کے لئے

سی آئی اے کی بڑی قوت صرف کرتا ہے اور اسرائیل کو جو چاہتا ہے دیتا ہے۔
اس لئے کہ اسرائیل امریکا کے صدر جمہوریہ کی کامیابی کا ضامن ہے اور
امریکا حتیٰ کہ یورپ میں بھی کامیابی کی ضمانت یہودی ووٹ ہیں۔
یہ ایک دوسری بحث ہے جس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت
ہے۔ لیکن جو چیز اس وقت ہمارے لئے اہم ہے وہ یہ ہے کہ وہابیت کا امریکا
سے براہ راست ربط ہے اسی لئے دنیا کے تمام عربی اور اسلامی ممالک میں
وہابیت بڑی ہیبت کی مالک ہے، مثلاً جن عربی و اسلامی ممالک میں نماز کے بعد
مسجدوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں وہ اس لئے ہے کہ انھیں خوف ہوتا ہے
کہ تخریب کار وہاں اپنے افکار کو پھیلائیں گے۔ لیکن وہیں وہابیت کی تبلیغ کے
لئے مسجدوں کے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ جس درجہ چاہیں اپنے
افکار کی ترویج و تبلیغ کریں۔

وہابیت کو مشروعیت اس وقت حاصل ہوئی جب اس نے اپنے زیر سایہ
ممالک کی بڑی مقدار میں مدد کی اور ان کے اقتصادی پروجیکٹوں کو مکمل کیا۔ پھر
یہ فقیر و نیاز مند ممالک وہابیت کی شرائط کو کیوں قبول نہ کریں کہ وہابیت خود تو اپنی
نشر و اشاعت کرتی ہے لیکن جو کتابیں، میگزینیں وہابیت کی حقیقت بیانی کرتی ہیں
ان کو بند کر دیں۔

حتیٰ کہ یہ بات خود فرانس میں جو کہ خود کو طاقتور حکومت سمجھتا ہے عمل میں
آئی جبکہ فرانس خود انسانی حقوق و آزادی کا داعی ہے اور سلمان رشدی اور اس کی
کتاب کا دفاع کرتا ہے لیکن کتاب (تاریخ آل سعود) کو منع کرتا ہے۔ اور عمومی
کتاب خانوں سے اٹھا لیتا ہے کیوں؟

اس لئے کہ اس کتاب نے وہابیت کو رسوا کر دیا اور جس وقت آپ علت
تلاش کریں گے تو کہا جائے گا سعودیہ نے ۱۹۸۴ء میں فرانس کو ایک یقینی

اقتصادی زوال سے نجات دی تھی اور ستر کروڑ یا شاید اس سے زیادہ کی رقم بخش
دی تھی۔

اس کے بعد سے صرف پیرس میں سینکڑوں مسجدیں وجود میں آ گئیں۔
جن میں وہابیت کی ترویج ہوتی ہے۔ جبکہ مرکز اہل بیت کو بند کر دیا گیا اس لئے
کہ یہ دہشت گردی اور تخریب کاری کا مرکز ہے! چنانچہ جو بھی مکتب اہل بیت کی
طرف میلان رکھتا ہو فرانسیسی پولیس اس کا تعاقب کرتی ہے۔ لیکن وہابیت اور اس
کے پیرو پوری آزادی کی ساتھ پرورش پا رہے ہیں۔

ان کے متعلق یہ مختصر وضاحت تھی لیکن پس پردہ کیا کیا پوشیدہ ہے؟ اس
کے خطرات سے تو بس خدا آگاہ ہے۔ لہذا میں پھر تکرار کرتا ہوں کہ مسلمان اب
تک وہابیت سے بدتر کسی اور مصیبت سے دوچار نہیں ہوئے۔

خوارج اور وہابیت میں اتحاد

خوارج (حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے) کے ذریعہ شبہ پیدا کرتے تھے اور اس وقت وہابیت (عبادت صرف خدا کے لئے ہے) کے ذریعہ شبہ پیدا کر رہی ہے۔ البتہ یہ دونوں دعوتیں اگر بدون قرینہ اور بغیر کسی تعلق کے ہوں تو اس میں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کو ایک سیاسی شبہ یا دوسروں کے عقائد کی مخالفت کے لئے استعمال کرتے ہیں لہذا یہ ایک جعلی اور باطل دعوت ہو جاتی ہے چاہے اس نے حق کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔

خوارج کی دعوت روزِ اوّل ہی دفن کر دی گئی اس لئے امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے اس کو رسوا کر دیا اور ان کے جھوٹ کی حقیقت کو عیاں کر دیا۔

اور پھر امامؑ اپنی پوری قوت کے ساتھ تیار ہوئے اور ان سے ایسی جنگ کی جس کی مثال پہلے نظر نہیں آتی، اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے حضرت رسول خدا کی وصیت پر عمل کیا اور خوارج کو ان کی دعوت کے ساتھ قیامت تک کے لئے واصل جہنم کر دیا۔

لیکن افسوس کہ وہابیت کی دعوت کو قوت حاصل ہو گئی اور اس نے ہر جگہ پھیل کر جڑ پکڑ لی۔ اس لئے کہ شروع میں اسے انگلینڈ، امریکا، اور یورپ کی حمایت حاصل تھی اور اس کی وجہ ملت کے سیاسی تجزیہ نگار اور روشن خیال افراد جانتے ہیں۔ خاص کر اس وقت جب یورپ عموماً اور امریکا خصوصاً اسلام سے جنگ میں مصروف ہے اور اسلام کو اپنے مصالح اور منافع کے لئے واحد خطرہ محسوس کرتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے رکھا ہے اور متحد ہو گئے ہیں تاکہ اسی طرح وہ بے وقفہ اس کوشش میں اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ جنگ کریں اور اس کو پوری قوت اور ہر طرح کے پردہ پگنڈہ کے وسائل کے ذریعہ نیست و نابود کر ڈالیں۔

حتیٰ کہ ان کے بعض سربراہوں نے تاکید کی ہے کہ تمام خطرناک ہتھیار و اسلحہ قوت کے مظہرِ صدام کے ہاتھوں میں دے دیں کہ اسلامی ایران کو نابود کر ڈالے، لیکن جس وقت ان کا نقشہ ناکام ہو گیا اور خود عراقی مجاہدین عراق کے اندر اور باہر قوی ہو گئے، تو انھیں فکر ہوئی کہ عراقی (جس میں دو تہائی سے زیادہ شیعہ ہیں) میں بھی امام خمینیؑ کا تجربہ کہیں دہرایا نہ جائے اور ایرانی انقلاب کے ساتھ عراقی انقلاب متحد نہ ہو جائے اور یہی وہ مقام تھا جہاں انھوں نے یہ گھناؤنا کھیل کھیلا۔ چنانچہ کویت کے قبضہ اور جنگِ خلیج فارس کا ڈرامہ رچایا گیا اور اس کا مقصد صدام کی نابودی نہ تھا جیسا کہ وہ مدعی ہیں بلکہ ان کا مقصد عراقی عوام کی نابودی تھا۔ جو کہ ستر (۷۰) فی صد شیعہ ہیں اور ہوا بھی یہی کیوں کہ کویت کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی اور صدامی حکومت پہلے کی بہ نسبت اور قوی ہو گئی۔ لیکن عراقی مظلوم عوام کی زندگی ایسی تباہ ہوئی کہ وہ ایک ٹکڑے روٹی کے لئے لاشہ زندگی حتیٰ کہ اپنا لباس تک بیچنے کے لئے تیار ہیں۔

اور یہی وہ مقام تھا جہاں وہابیت نے شیعوں پر غلبہ حاصل کیا خصوصاً اس وقت جب سعودی کیسوں میں شیعوں کو نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ جگہ دی گئی۔ تاکہ مسلسل ٹارچر، اذیت، آزار اور اہانت کا مزہ چکھتے رہیں۔

پروردگارِ عالم کا قول ملاحظہ ہو:

تم سے یہود و نصاریٰ راضی نہ ہوں گے مگر یہ کہ تم ان کی پیروی کرو اور

ان کے تابع بن جاؤ۔ (بقرہ/۱۲۰)

اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہودی و عیسائی جن کی اکثریت امریکا اور

یورپی ممالک میں ہے، وہ وہابیت سے محبت اور اظہار دوستی کرتے ہیں اور وہابیت سے راضی ہیں کیوں کہ وہابیت نے بھی ان سے اپنی دوستی ثابت کر دی ہے۔ لیکن یہ یہودی و عیسائی عراق، لبنان، ایران، حتیٰ کہ ایران کے شیعوں پر برا فردختہ ہیں اور انہوں نے تمام پروپگنڈہ کرنے والے اداروں کو شیعوں کو برا دکھانے، ان کی توہین کرنے اور ان پر قدامت پرستی، شدت پسندی اور تعصب و و جیسی تہمتیں لگانے کے لئے خرید رکھا ہے۔

اور یہ سارے تبلیغاتی وسائل جو وہابیت کی جانب سے خوراک پاتے ہیں مسلمانوں سے شیعوں کو متنفر کرنے، ان کے درمیان عقائد میں شکوک و اختلاف پیدا کرنے اور بعض منفی رفتار جو کچھ جاہل و نادان عوام کے ذریعہ خاص مراسم میں سامنے آتی ہیں ان کو ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح بزرگ مراجع پر کھلم کھلا طعن کرنے اور ان کی عدالت میں شبہ پیدا کرنے کے ساتھ یہ تہمت کہ ”مراجع اموال مسلمین کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں تاکہ ان کی اولادیں امتوں کی طرح اڑائیں“ لگانے میں بھی کامیاب رہے ہیں۔ اسی طرح بعض شیعہ تنظیموں کو خریدنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ جو گمراہی اور راستہ سے بھٹک جانے کا علم بلند کریں۔

خدا کی قسم ایسا زمانہ نہیں گزرا جو شیعوں کے لئے اس سے زیادہ خطرناک ہو اور مخلص و دل سوز شیعوں کو چاہئے کہ امور کو گہری نگاہ سے دیکھیں اس لئے کہ یقینی خطرہ درپیش ہے البتہ ان کا صبر و اخلاص، خیر و نیکی کا سبب ہے۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے :

خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اختلاف و تنازع نہ کرو کہ (اختلاف کی وجہ سے) کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہمت اکھڑ جائے گی اور اسی طرح صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (انفال/۳۶)

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ خوارج نے ”حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے“ کی بنیاد پر شبہ پیدا کیا تھا اور وہابیت مقولہ ”بندگی صرف خدا کے لئے ہے“ پر قائم ہے۔ گرچہ یہ دونوں مقولے ایک دوسرے سے کافی مشابہ ہیں لیکن مقولہ ”وہابیت، مقولہ خوارج سے کہیں زیادہ قوی ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے پہلے حضرات عمرؓ و ابو بکرؓ نے حکومت کی تھی اور ان قوانین کے ساتھ حکومت کی جو مجموعاً نصوص قرآن و سنت کے مخالف تھے لیکن کسی نے ان کی مخالفت نہ کی یا کم از کم تاریخ نے کسی قابل ذکر مخالفت کا ذکر نہیں کیا لوگوں نے بھی خلفاء کے قوانین کو قبول کر لیا اور ان کی عادت ڈالی اور اس کو خداوند عالم کا حکم سمجھنے لگے اور ان سے جس درجہ ممکن ہو اس کی عجیب و غریب تاویل بھی کر ڈالی اس لحاظ سے خوارج نے مسلمانوں کے دلوں پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا کیوں کہ وہ سقیفہ بنی ساعدہ کی تھیوری کے قائل تھے۔ جو عوام کو حاکم کے انتخاب میں آزاد قرار دیتی ہے اور خدا کے انتخاب پر کوئی ایمان نہیں رکھتی۔

اور پھر سقیفہ بنی ساعدہ کی تائید میں آیتیں بھی بیان کرتے جن کو آیات شوریٰ کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ ہو

﴿اطيعُوا اللَّهَ واطيعُوا الرّسولَ واولى الامر منكم﴾ (نساء/۵۹)

سے خدا، رسول اور اولی الامر بشر کے ہاتھوں منتخب حاکم کی اطاعت کو واجب سمجھتے ہیں اور اس کے ذریعہ استدلال پیش کرتے ہیں۔ اور بھی بہت سی حدیثیں نبیؐ کی زبانی نقل کرتے ہیں جو حاکم کی اطاعت کے وجوب کو ثابت کرتی ہیں۔

لہذا مقولہ خوارج اور ان کی جانب سے پیدا کیا جانے والا شبہ اگر خود حضرت امیرؓ اسے زبانی کرتے تو بھی مسلمانوں کے نظریہ کے لحاظ سے فحاش و جانتا

چونکہ یہ مقولہ ان کے لئے نیا تھا اور ان کی حکومت کے مفہوم کے ساتھ سازگار نہ تھا لہذا اس کی تائید نہ ہوئی خصوصاً حکومت کی ہوس رکھنے والے اُمویوں اور عباسیوں کی طرف سے بھی جن کی تعداد اچھی خاصی ہے۔

لیکن وہابیت کا شبہ جو مقولہ ”بندگی صرف خدا کے لئے“ ہے کون مسلمان ہے جو اس کو قبول نہیں کرتا یا اس کے وجوب کا معتقد نہ ہو گو وہابیت ہمیشہ اس آیت کا ورد کرتی ہے۔

اور انھیں کوئی حکم نہیں دیا گیا سوائے پروردگار کی عبادت کے خلوص کے ساتھ اس کو پکاریں اور اس کے دین پر ایمان لائیں نماز پابندی سے ادا کریں، زکوٰۃ نکالیں اور سچ اور پائیدار دین یہی ہے۔ (بینہ/۵)

وہابیت نے کوتاہ فکری کے زمانہ میں بعض جاہلوں کی عادات و اطوار کو اپنا نشانہ بنایا اس زمانہ میں شعبہ بازی و حیلہ گری زیادہ ہو گئی اور یہ دھوکہ باز استعمار سے خوراک پاتے تھے لہذا وہابیوں نے اس کو مسلمانوں کی تکفیر اور ان کو مشرک قرار دینے کے لئے قطعی دلیل قرار دیا اور ان کے قتل کو مباح جانا اور سلسل خوزیر جنگوں کے ذریعہ مقامات امن (مکہ و مدینہ) پر مسلط ہو گئے۔

جن دلیلوں پر وہابیت نکلی کرتی ہے اگر ہم ان پر ایک نظر ڈالیں مثلاً خدا کا وہ قول جس میں فرماتا ہے۔

”مبصرین خدا کے لئے ہیں لہذا خدا کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔“ (سورہ/جن ۱۸)

تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ان کی اس گفتار میں خوارج سے شبہات موجود ہے جو کہتے تھے کہ حاکمیت صرف خدا کے لئے ہے اور خدا فرماتا ہے۔

ان کا سوائے خدا کے کوئی یارو مددگار نہیں اور کوئی بھی اس کے حکم میں شریک نہیں۔ (کہف/۲۶)

مذکورہ آیت تو حکم خدا میں کسی اور کی شرکت کی نفی کرتی ہے لیکن اس کے

برخلاف بے شمار دوسری آیتیں موجود ہیں جن میں انسان کو حاکمیت کا حق بخش دیا ہے۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ اور پھر ان کی تفسیر ہم نے پیش کی کہ ان آیات کے درمیان کوئی تناقض نہیں ہے اس لئے کہ تشریحی حاکمیت خدا کے لئے ہے اور کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ چاہے پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ (۵۷)

خداوند عالم اس کے متعلق فرماتا ہے:

اور اگر وہ (پیغمبر) ہماری بہ نسبت کوئی جھوٹ بات کہتے تو ہم ان کی گردن اڑا دیتے اور تم میں سے ہمیں کوئی بھی روک نہیں سکتا (حادثہ/۳۴ تا ۳۷)

لیکن اجرائے حاکمیت کو خداوند عالم نے ان انبیاء و ائمہ کے لئے قرار دیا ہے۔ جن کو خود اس نے منتخب کیا ہے اور اس تفسیر کے بعد آیتوں کے معنی میں اختلاف نہیں رہتا اسی طرح وہ آیت

”جو خدا کے ہمراہ کسی اور سے متوسل ہونے کو روکتی ہے“

کے مقابل ایسی آیتیں موجود ہیں جو انسان کو بارگاہ الہی میں اس کے انبیاء و اولیاء سے توسل کا حق دیتی ہیں۔

لیکن ان دونوں آیتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ پہلی آیت میں مقصود بندگی و عبادت ہے جو خدا کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں ہے لیکن دوسری آیتیں بیان کرتی ہیں کہ خداوند عالم نے اپنے انبیاء و اولیاء کو وسیلہ قرار دیا ہے۔

وہابیت اور وہابیت سے متاثر تمام مسلمانوں کے لئے اس مشکل مسئلہ کی وضاحت کی خاطر بہتر ہوگا اس گفتگو کو ملاحظہ فرمائیں جو میرے اور ایک وہابی کے درمیان ہوئی یقیناً آپ سب کے لئے مفید ہوگی جسے میں بغیر کسی کی زیادتی کے پیش کر رہا ہوں۔

۱۹۸۳ء کی بات ہے میں اسلام میں عورتوں کے حقوق کے عنوان سے

ایک مقالہ لکھنے میں مصروف تھا۔ اسی دوران بعض رسالوں کے مطالعہ کے درمیان مجھے پتہ چلا کہ جزائر (کومور) میں مسلمان عورت مرد پر برتری رکھتی ہے۔ (یعنی عورت راج، شاہی ہے) عورت ہی گھربلاتی ہے اس کے تمام وسائل مہیا کرتی ہے اور شادی کے بعد مرد کو رخصت کر کے اپنے گھر لاتی ہے اور اگر چاہے تو خود مرد کو طلاق دیتی ہے اور اپنے گھر سے باہر نکال دیتی ہے۔ یہاں تک کہ بازار میں بھی عورت کام کرتی ہے لیکن شوہر کا کام صرف دریا سے مچھلی شکار کرنا، کھیتوں میں کام کرنا، یا پھر اشیاء لا کے عورت کے حوالہ کرنے تک ہے تاکہ عورت اسے درست کر کے خرید و فروخت انجام دے۔ خلاصہ مرد راج، شاہی کے بجائے عورت راج، شاہی ہے۔

چنانچہ میں ایک پر مشقت سفر کر کے اس دیار میں پہنچا مجھے پتہ تھا کہ فرانس نے تین جزیروں کے خود مختار ہونے پر دستخط کر دیے ہیں۔ لیکن ایک جزیرہ کو روک رکھا ہے جزائر (کومور) عرب ممالک تنظیم کے رکن ہیں اور اس تنظیم کے تعاون سے بہرہ مند ہیں جس نے تیونس اور دوسرے ملکوں کے اساتذہ کی ایک تعلیمی کمیٹی بھیجی ہے۔ جو ان بچوں کو عربی سکھائے جو زیادہ تر عرب اور یمنی الاصل ہیں اور انھیں حضارہ کہتے ہیں ان کے درمیان پیغمبر کی نسل سے سادات موجود ہیں۔ جو فرانسیسی اور مقامی زبان کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی گفتگو کرتے ہیں اور سوائے شافعی مذہب کے اور کسی مذہب کو نہیں جانتے۔

ایئر پورٹ پر میری ملاقات ایک تیونی استاد سے ہوئی جس سے میں تین سال پہلے جوانوں کے ایک مرکز میں آشنا ہوا تھا۔ اسے میں پہچان گیا اور اس نے بھی مجھے پہچان لیا۔ اس نے اپنے گھر آنے کے لئے مجھے دعوت دی۔ اس کی بیوی بچے تیونس گئے ہوئے تھے اور وہ خود تنہا تھا میں نے بھی قبول کر لیا اور اس کے گھر چلا گیا۔

اس قیام کے درمیان میں قاضی القضاات اور جناب مفتی صاحب سے آشنا ہوا اور ان کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو کی ان لوگوں نے بھی مجھ پر اعتماد کیا چونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ میں اہل بیت کا پیرو ہوں اس لئے میرے دوست بن گئے۔ اور وہابی علماء کی شکایت کرنے لگے جو بڑی کثرت سے پیسہ اور کتاب لے کر آتے ہیں اور بہت سے جوانوں کو اپنی صف میں شامل کر لیا ہے اور کہنے لگے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جو اولادیں کل تک والدین کا احترام کرتی تھیں اور ان کے ہاتھ اور پیشانی کا بوسہ دیتی تھیں اب وہ ان پر برا فروخت ہو گئی ہیں اور یہ ادب جو کئی نسلوں سے انھیں ورثہ میں ملا تھا ترک کر بیٹھے ہیں۔ جب کہ رسول خدا نے فرمایا ہے:

جو بچوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے اور علماء کے حق کو نہ پہچانے وہ مجھ سے نہیں ہے۔
(مسند احمد/ ج ۲، ص ۲۰۷: ۱: المجم الکبیر/ ج ۱۱، ص ۳۳۹)

اور عرب شاعر نے کہا ہے:

معلم کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اسکے احترام کا خیال رکھو اس لئے کہ معلم کا مقام پیغمبر کے مرتبہ سے قریب ہے۔

لیکن وہابی علماء علمائے شر ہیں جس وقت (وہابی) ہمارے پاس آئے تو ان کا ہدف یہ تھا کہ تمام اچھی عادتوں اور نیک آداب (کہ جن کی ہم نے تربیت پائی ہے) سے جنگ کریں گذشتہ وقتوں میں جب کوئی شخص شادی کرتا تھا اور صاحب فرزند ہوتا تھا تو اپنے باپ کے سر و صورت کا بوسہ دیتا تھا اور اس سے اپنے فرزند کے لئے دعا کی درخواست کرتا تھا اور اس کی رضایت حاصل کرنے کی کوشش میں رہتا تھا۔

لیکن آج ہماری اولادیں ہم سے لڑتی ہیں اور ہم پر شرک کی تہمت لگاتی ہیں اس لئے کہ کسی کا بھی ہاتھ چومنا اور غم ہو کر احترام کرنے کا مطلب غیر خدا

کے سامنے سجدہ کرنا ہے اور یہ شرک محض اور حرام ہے۔ خلاصہ جب سے یہ آئے ہیں باپ بیٹے کے درمیان نفرت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ﴾

اس ملک کے ایک مفتی نے کہا کہ میں جزیرہ (مورونی) میں ایک جدید مسجد کا افتتاح کرنے جا رہا ہوں آپ بھی چلیے۔ میں اور قاضی القضاۃ جن کا نام عبد القادر گیلانی تھا مفتی صاحب کے وہاں گئے۔ جس وقت مہمانوں سے بھری ہوئی مسجد میں پہنچے تو مفتی نے ہمارا لوگوں سے تعارف کرایا اور کہا کہ اس مناسبت سے کوئی گفتگو کیجیے میں نے بھی قبول کیا اور عزت افزائی کا شکر یہ ادا کیا۔

اپنی تقریر میں اہل بیتؑ سے محبت مودت خدا کے نزدیک ان کا عظیم مقام، ان کے متعلق رسولؐ کی گفتار کہ ان کی دوستی ایمان ہے اور ان سے دشمنی نفاق ہے پر تکیہ کرتے ہوئے ان کے دیگر فضائل و مناقب لوگوں کے لئے بیان کئے ان ذوات نے اسلام و مسلمین کے لئے جو عظیم خدمت کی ہے کے متعلق گفتگو کی اور اپنی تقریر کے اختتام پر اہل بیتؑ کے علم و دانش کے متعلق گفتگو کی کہ اس کائنات میں مشرق و مغرب کے تمام علمائے اسلام نے ان (اہل بیتؑ) سے استفادہ کیا ہے اور اگر یہ اہل بیتؑ نہ ہوتے تو ہر گز عوام اپنے دینی مسائل کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔

جناب مفتی صاحب نے علماء میں سے ایک صاحب کو اپنے پاس بلایا جو میری باتوں کو ان کے لئے ترجمہ کر رہے تھے پر وگرام کے اختتام پر لوگ میرے پاس آئے اور مجھے چومنے لگے وہ میرے لئے سلامتی اور میرے والدین کے لئے رحمت کی دعا کر رہے تھے۔

علمائے وہابیت میں سے ایک جو اپنی سلفی داڑھی اور سعودی لباس سے

نمایاں تھا۔ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے شیخ خدا سے خوف کھا ہم بھی اہل بیتؑ کو دوست رکھتے ہیں لیکن تو نے ان کی محبت اور بزرگی بیان کرنے میں غلو کیا ہے اور افراط سے کام لیا ہے۔

میں نے کہا: میں خدا سے چاہتا ہوں کہ مجھے اسی محبت پر دنیا سے اٹھائے۔ اس نے کہا: آپ ہمارے مہمان ہیں۔

اس سے نجات پانے کے لئے میں نے کہا: میں مفتی صاحب کا مہمان ہوں۔

اس نے کہا: کل ملاقات ہوگی

میں نے کہا: کل تونسلی اساتذہ کے یہاں مہمان ہوں۔

اس نے کہا: وہ سب ہمارے دوست ہیں اور وہیں ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔

وہابی عالم سے گفتگو

میرے تونسوی دوست نے مجھے بتایا کہ اس کا سعودی دوست (یعنی وہابی) کل آئے گا اور آپ سے علمی بحث و گفتگو کرے گا۔ اسی لئے میں نے اساتذہ کے ایک گروہ کو دعوت دی ہے کہ اس بحث میں شرکت کریں اور بھی مستفید ہوں۔ ماحضر کا بھی انتظام کیا ہے چونکہ یہ چھٹی کا دن ہے اور ایسی مجلس کے ہم بہت زیادہ مشتاق ہیں۔

اس نے مزید کہا کہ ہم چاہتے ہیں آپ اس پر غلبہ پائیں اور ہمیں سر بلند کریں اس لئے کہ وہ کسی کو مجال سخن نہیں دیتا؛ مقررہ وقت پر سارے اساتذہ اس وہابی عالم کے ساتھ گھر پر تشریف لائے وہ سات آدمی تھے اور صاحب خانہ اور مجھے ملا کر نو (۹) آدمی ہو گئے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد بحث شروع ہوئی۔ موضوع بحث خدا اور بندہ کے بیچ وساطت اور توسل تھا۔ میں قائل تھا کہ خدا تک رسائی میں اس کے انبیاء اولیاء اور اس کے صالح بندوں کی وساطت و وسیلہ صحیح ہے اور ممکن ہے کہ بہت سے گناہ اور دنیاوی مشغولیتیں انسان کی دعا کو اوپر نہ جانے دیں۔ پس ان کو جو اولیاء خدا اور اس کے دوست ہیں شفیع اور وسیلہ بنانے سے انسان کی دعا مستجاب ہو جائے گی۔

اس نے کہا: یہ شرک ہے اور خدا ہرگز اس کو نہیں بخشے گا جو اس کے لئے شریک قرار دے۔

میں نے کہا: یہ بات شرک ہے تو اس پر آپ کی دلیل کیا ہے؟

اس نے کہا: خداوند عالم فرماتا ہے:

بے شک مسجدیں خدا کیلئے ہیں پس کسی اور کو اس کے ساتھ دعا میں شامل نہ کرو (جن/۱۸)

یہ آیت غیر خدا سے دعا نہ کرنے پر صراحت رکھتی ہے۔ اور جو بھی غیر خدا سے دعا کرے اس نے اسے خدا کا شریک بنایا کہ وہ نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے جبکہ نفع یا نقصان پہنچانے والا صرف پروردگار ہے۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کی بات کی تعریف کی اور اس کی تائید کرنا چاہی۔ لیکن صاحب خانہ نے اس سے کہا چپ رہو میں نے تم لوگوں کو جدال و مقابلہ کے لئے دعوت نہیں دی ہے۔ بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ ان دو دانشوروں کی باتوں کو سنو۔ اس تونسوی (مجھ) کو ایک مدت سے پہچانتا ہوں۔ لیکن مجھے بھی اچانک پتہ چلا کہ وہ شیعہ اور اہل بیت کا پیرو ہے اور اس سعودی دوست کو بھی سب پہچانتے ہیں اور اس کا عقیدہ بھی سب پر واضح ہے۔ لہذا بہتر ہے ان دونوں کی باتوں کو غور سے سنیں اور جب ان کے استدلال تمام ہو جائیں تو دوسروں کیلئے بحث کا میدان کھلا ہوگا۔

اس پیاری روش کا ہم نے شکریہ ادا کیا اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: میں آپ سے اس مسئلہ میں متفق ہوں کہ خدا ہی نفع اور نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی نقصان یا نفع پہنچانے والا نہیں ہے۔ اور مسلمانوں میں اس بابت آپ کا کوئی مخالف نہیں ہے۔ لیکن ہمارا اختلاف توسل سے متعلق ہے۔ مثلاً اگر کوئی رسول خدا کو وسیلہ بناتا ہے تو اسے اچھی طرح علم ہے کہ محمد خدا سے ہٹ کر، نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، ہاں خدا کے نزدیک ان کی دعا مستجاب ہے۔ پس اگر خدا سے پیغمبر عرض کریں کہ پروردگار اپنے اس بندہ پر رحم کر، اس سے درگزر فرما۔ اور بے نیاز کر دے۔ تو خدا بھی ان کی دعا کو مستجاب کرتا ہے اور اس باب میں بہت سی صحیح روایتیں موجود ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ کا ایک صحابی نابینا

تھا آپ کے پاس آیا اور آپ سے عرض کی کہ: خدا سے دعا کریں کہ وہ اس کی بیٹائی واپس کر دے۔

رسول خدا نے اس سے فرمایا:

وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو اور خدا سے دعا کرو ”پروردگار! میں تجھے تیرے حبیب محمد کا واسطہ دیتا ہوں اور انھیں وسیلہ بنا کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری بیٹائی واپس کر دے۔“ (تاریخ کبیر/ ج ۶، ص ۲۰۹/ ج ۲/ ۱۹۲)۔

پس اس کو بیٹائی واپس مل گئی۔

اسی طرح ثعلبہ، فقیر و نادار صحابی آنحضرت کے پاس آیا اور آپ سے درخواست کی کہ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے بے نیاز کر دے اس لئے کہ میں صدقہ اور خیرات دینا اور صالح بننا پسند کرتا ہوں۔ آنحضرت نے بھی خدا سے دعا کی اور خدا نے دعا مستجاب فرمائی۔ ثعلبہ ثروت مند ہو گیا اور اس کی ثروت اتنی زیادہ ہو گئی کہ اس کے پاس مسجد آنے کے لئے بھی وقت نہ تھا۔ اور وہ زکوٰۃ بھی ادا نہیں کرتا تھا۔

(الاصابہ/ ج ۱، ص ۱۹۸)۔ اس کا قصہ مشہور ہے اور کبھی جانتے ہیں۔

ایک روز آنحضرت اپنے اصحاب کے درمیان بہشت کی تعریف و توصیف فرما رہے تھے۔ عکاشہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور عرض کی:

”اے رسول خدا! دعا کیجیے، خدا ہمیں ساکنان بہشت میں قرار دے۔“

رسول خدا نے فرمایا:

”پروردگار! اسے ان میں سے قرار دے۔“

ایک دوسرے صاحب اٹھے اور انھوں نے بھی یہی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا:

عکاشہ نے تم پر سبقت لی (مسند احمد/ ج ۱، ص ۳۵۴)

ان تینوں روایتوں میں واضح دلیل موجود ہے کہ آنحضرت نے خود کو خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ قرار دیا۔

دہائی! اٹھ کر فوراً بول پڑا:

میں قرآن سے استدلال کر رہا ہوں اور یہ ہمارے لئے حدیث پڑھ رہے ہیں! ضعیف حدیثیں جن کی کوئی اہمیت نہیں!

میں نے کہا: قرآن کریم فرماتا ہے:

اے مومنو! تقویٰ الہی اختیار کرو۔ اور خدا سے تقرب کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔ (مائدہ/ ۳۵)

اس نے کہا: وسیلہ وہی عمل صالح ہے۔

میں نے کہا: عمل صالح سے متعلق محکم آیتیں زیادہ ہیں اور ان میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے (بقرہ/ ۲۵)۔

لیکن اس آیت میں فرماتا ہے:

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ اس کے تقرب کیلئے وسیلہ ڈھونڈ لو۔

اور دوسری آیت میں فرماتا ہے:

﴿يَسْتَعِينُ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ وہ خود اپنے پروردگار تک رسائی کے لئے وسیلہ کی تلاش میں ہیں۔ (بنی اسرائیل/ ۵۷)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تک رسائی کے لئے وسیلہ پر بحث تقویٰ

اور عمل صالح کے ہمراہ ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ﴾ پس ایمان و تقویٰ کو وسیلہ پر تقدم حاصل ہے۔ (مائدہ/ ۳۵)۔

اس نے کہا: اکثر علماء نے وسیلہ کو عمل صالح سے تفسیر کیا ہے۔

میں نے کہا! علماء کے سخن اور انکی تفسیر سے دست بردار ہو جائیے اور یہ بتائیے کہ اگر قرآن کے ذریعہ وسیلہ کو آپ کے لئے ثابت کر دیا تو کیا قبول کریں گے؟

اس نے کہا: محال ہے مگر کوئی دوسرا قرآن ہو کہ جس سے ہم بے خبر ہیں۔ میں نے کہا: میں آپ کے اشارہ کو پوری طرح سمجھ رہا ہوں۔ خدا آپ کو معاف کرے۔ اور میں آپ کے لئے اسی قرآن سے ثابت کروں گا کہ جسے ہم بھی جانتے ہیں۔ پھر میں نے آیت کی تلاوت کی:

(یعقوب کے فرزندوں نے) کہا: اے ہمارے بابا جان! اپنے رب سے ہمارے گناہوں کے لئے مغفرت کی دعا کیجیے کیونکہ ہم غلطی پر تھے۔

(حضرت یعقوب نے) کہا: میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا وہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (یوسف/ ۹۷-۹۸)

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں سے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم لوگ خود خدا سے طلب مغفرت کرو اور مجھے اپنے اور اپنے خالق کے درمیان واسطہ نہ بناؤ۔ بلکہ اس کے برعکس اس واسطہ کی تائید کی اور فرمایا: میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا اور خود کو اپنے بیٹوں اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دیا۔

وہابی عالم بری طرح گھبرا گیا چونکہ اسے معلوم تھا کہ ان آیات میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ اس کی تاویل نہیں کر سکتا۔ تو کہنے لگا ہمیں یعقوب سے کیا واسطہ وہ بنی اسرائیل کے نبی تھے اور ان کی شریعت اسلام کے آنے کے بعد تمام ہو گئی۔

میں نے کہا: کیا میں شریعت اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد بن عبد اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلیل لاؤں؟

اس نے کہا: ہم سننے کو تیار ہیں۔ میں قرآن کی تلاوت کی:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (نساء/ ۶۴)

اور (اے رسول) جب لوگوں نے نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) کیا اور اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور خدا سے معافی مانگی اور اے رسول! تم سے بھی درخواست کی کہ ان کے گناہوں کی بخشش کے لئے خدا سے دعا کرو تو بلاشبہ وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

خداوند عالم انہیں یہ حکم کیوں دے رہا ہے کہ رسول خدا کے پاس آئیں اور آنحضرتؐ کے حضور میں استغفار کریں۔ اور پھر آنحضرتؐ ان کے لئے طلب مغفرت کریں؟ یہ واضح دلیل ہے کہ آنحضرتؐ ان کے اور خدا کے درمیان وسیلہ ہیں اور خداوند عالم انہیں معاف نہ کریگا مگر صرف آنحضرتؐ کے وسیلہ سے۔

حاضرین نے کہا اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہے۔

وہابی جو کہ بری طرح گھبرا یا ہوا تھا اور اپنی شکست کو قطعی سمجھ رہا تھا کہنے لگا: یہ بات صحیح ہے لیکن اس وقت آنحضرتؐ زندہ تھے مگر اب تو ان کو مرے ہوئے چودہ صدیاں بیت چکی ہیں!!

میں نے حیرت سے کہا: آپ کیسے کہتے ہیں وہ مردہ ہیں؟ رسول خدا زندہ ہیں اور ہرگز نہیں مر سکتے۔

میری بات پر وہ ہنسا اور مذاق اڑانے کے انداز میں کہنے لگا۔ قرآن نے یہی کہا ہے:

تم مرجاؤ گے اور وہ بھی مرجائیں گے۔ (زمر/ ۳۰)

میں نے کہا: قرآن یہ بھی تو کہتا ہے:

جوراء خدا میں قتل ہوتے ہیں انھیں مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے رزق پاتے ہیں۔ (آل عمران/ ۱۶۹)

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے:
جوراء خدا میں قتل ہوتے ہیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔ (بقرہ/ ۱۵۴)

کہنے لگا: یہ آیات ان شہدا کے بارے میں ہے جو راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں اس کا محمدؐ سے کیا ربط؟!

میں نے کہا: ﴿سبحان الله ولا حول ولا قوة الا بالله﴾

آپ پیغمبرؐ جو کہ حبیب خدا ہیں ان کے مرتبہ کو شہدا سے بھی کم سمجھتے ہیں؟ اور ان کی منزلت کو اس طرح کم کرتے ہیں؟ شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ احمد بن حنبلؒ تو شہید مرے اور زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس روزی پارہے ہیں لیکن محمدؐ دوسرے مردوں کی طرح ہیں؟!

اس نے کہا: یہ وہی چیز ہے جسے قرآن بیان فرماتا ہے۔

میں نے کہا: خدا کا شکر کہ اس نے آپ لوگوں کی اصلیت ہم پر واضح کر دی اور خود آپ کی زبان سے آپ کی حقیقت سے ہم آشنا ہوئے۔ ہاں آپ لوگوں نے پوری کوشش کی کہ رسول خداؐ کے آثار کو مٹا ڈالیں یہاں تک کہ ان کی قبر کو بھی مٹانا چاہتے تھے اور جس گھر میں آنحضرتؐ پیدا ہوئے تھے اسے بھی مسمار کر دیا۔

اتنے میں صاحب خانہ نے مداخلت کی اور مجھ سے کہا: مہربانی کر کے قرآن وسنت کے دائرہ سے باہر نہ ہوئے اور ہمارے درمیان طے بھی یہی تھا۔ میں نے معذرت چاہی اور کہا: اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے حیات پیغمبرؐ کے وقت ان کے وسیلہ کا اقرار کر لیا۔ لیکن ان کی وفات کے بعد منکر ہیں۔ حاضرین نے کہا تو آپ حیات پیغمبرؐ کے وقت وسیلہ کے جواز کے مترف ہیں؟

اس نے کہا: ہاں۔ آنحضرتؐ کی حیات کے زمانہ میں جائز تھی۔ لیکن وفات کے بعد نہیں۔

ہم نے کہا: الحمد للہ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ وہابیت نے وسیلہ کا اعتراف کیا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

میں نے کہا: اجازت دیجئے تو اب میں یہ بھی کہتا ہوں کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد بھی وسیلہ جائز ہے۔

وہابی نے کہا: خدا کی قسم وسیلہ جائز نہیں ہے شرک ہے! میں نے کہا: صبر کیجئے! اور عجلت سے کام نہ لیجئے۔ اور قسم بھی نہ کھائیے اس لئے کہ عداوت ہوگی۔

اس نے کہا: قرآن سے دلیل پیش کرو۔

میں نے کہا: آپ تو محال کی فرمائش کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ لہذا احادیث کی کتابوں سے استدلال پیش کروں گا۔

اس نے کہا: ہم حدیث قبول نہیں کرتے۔ مگر یہ کہ صحیح ہوا اور جو کچھ شیعہ نقل کرتے ہیں اس کی کوئی قیمت نہیں۔

میں نے کہا: کیا آپ صحیح بخاری کو قبول کرتے ہیں؟ وہی کتاب جو آپ کے یہاں قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب ہے۔

وہ تعجب سے کہنے لگا: کیا بخاری وسیلہ کو جائز سمجھتے ہیں؟

ہم نے کہا: ہاں! لیکن افسوس کہ آپ لوگ خود اپنی کتب صحاح نہیں پڑھتے اور خود اپنے نظریوں سے تعصب برتتے ہیں۔ بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ جب بھی قحط پڑتا، حضرت عمرؓ بن خطاب، عباسؓ بن عبدالمطلب کے پاس آتے اور آپ سے طلب باران کے لئے کہتے اور خود بھی کہتے: پروردگار! ہم آنحضرتؐ

کے زمانہ میں آنحضرتؐ کو وسیلہ قرار دے کر تجھ سے طلب کرتے تھے اور تو بھی ہم پر بارش نازل کرتا تھا۔ آج رسولؐ کے چچا کو وسیلہ بنانا ہوں پس ہم پر بارش نازل کر۔ راوی کہتا ہے کہ پس خدا ان پر بارش نازل کرتا تھا۔
(صحیح بخاری/ ج ۵/ ص ۲۵- کتاب بدء الخلق- باب مناقب جعفر بن ابی طالب)۔
پھر ہم نے کہا: یہ ہیں عمر بن خطاب! جو کہ آپ کے درمیان سب سے بزرگ و برتر صحابی رسولؐ ہیں اور ان کے عقیدہ و ایمان کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کرتے اس لئے کہ خود آپ کہتے ہیں:

اگر آنحضرتؐ کے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ عمر بن خطاب تھے اور آپ اس وقت دو باتوں کے درمیان مجبور ہیں کہ کسی ایک کو قبول کریں۔ یا یہ کہ وسیلہ و توسل دین اسلام کا اہم جزو ہے اور حضرت عمر بن خطاب کا رسولؐ اور رسولؐ کے چچا سے توسل کرنا صحیح تھا یا پھر یہ کہ حضرت عمرؓ مشرک ہیں۔ اس لئے کہ عباس بن عبدالمطلبؓ کو اپنا وسیلہ بنایا جبکہ عباسؓ نہ پیغمبر ہیں نہ امام حتیٰ کہ اہل بیتؑ میں بھی داخل نہیں ہیں۔ جن سے خدا نے ہر قسم کی پلیدی و کثافت کو دور کیا اس کے علاوہ آپ کے یہاں بخاری امام المحدثین ہیں اور انھوں نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس کی صحت کا اقرار کیا ہے۔ اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ جب بھی قحط پڑتا تھا وہ حضرت عباسؓ سے توسل ہوتے پس خدا ان پر بارش نازل کرتا تھا۔ یعنی خداوند عالم ان کی دعا کو مستجاب کرتا تھا۔ پس بخاری اور صحابہ میں وہ محدثین جنہوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے سبھی اہل سنت و جماعت ہیں یہ سب مشرک ہیں؟

وہابی نے کہا: اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ تیرے برخلاف دلیل ہے نہ کہ تیرے حق ہیں۔

میں کہا کس طرح؟

کہنے لگا: اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے رسولؐ سے توسل نہ کیا اس لئے کہ وہ مرچکے تھے بلکہ عباسؓ کو وسیلہ بنایا اور وہ زندہ تھے۔
میں نے کہا: میں عمر بن خطاب کے قول و عمل کے لئے کسی قدر وقت کا قائل نہیں ہوں۔ اور ہرگز اسے اپنی لئے دلیل نہیں بنانا لیکن اس روایت کو پیش کیا تا کہ موضوع بحث پر استدلال کروں۔ البتہ میں پوچھتا ہوں کہ کیوں عمر بن خطاب نے قحط کے زمانے میں علی بن ابی طالبؓ سے توسل نہ کیا۔ جن کی منزلت رسولؐ کے نزدیک ایسی تھی جیسی ہارونؑ کی موسیٰؑ کے نزدیک اور مسلمانوں میں کسی نے نہیں کہا کہ عباسؓ بن عبدالمطلبؓ علیؓ سے افضل ہیں۔ لیکن یہ ایک دوسرا موضوع ہے جس کی بحث کی گنجائش یہاں نہیں ہے۔ صرف اس پر اکتفاء کرتا ہوں کہ آپ کہتے ہیں کہ زندوں سے توسل جائز ہے۔ اور یہی ہمارے لئے بڑی کامیابی ہے خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے ہماری دلیل کو قاطع قرار دیا اور آپ کی دلیل کو باطل کیا اور جب ایسا ہے تو میں آپ لوگوں کے حضور میں توسل کرتا ہوں۔

اس وقت میں بیٹھا تھا فوراً اٹھا اور رو بہ قبلہ ہو کر کہنے لگا: پروردگار میں تجھ سے دعا گو ہوں اور تجھ سے تیرے صالح و نیک بندے امام فتنیؑ کو وسیلہ قرار دے کر قربت چاہتا ہوں۔

اچانک وہابی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تعجب و غصے کے ساتھ اعوذ باللہ! اعوذ باللہ! کہتا ہوا تیزی سے باہر چلا گیا۔

حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیسا بد بخت آدمی تھا کس درجہ ہم سے بحث کرتا تھا اور ہم پر تنقید کرتا تھا اور ہم خیال کرتے تھے ذی علم آدمی ہے لیکن پتہ چلا کوڑی کا بھی نہیں ہے۔

ان میں سے ایک نے کہا ﴿انا لله وانا اليه راجعون﴾ پروردگار! تیری

طرف پلٹنا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور ہم سے کہنے لگا۔ اس کی بات کس درجہ ہم پر اثر کرتی تھی۔ حتیٰ کہ آج بھی میں نے اس کی بات کو پسند کیا تھا کہ تو سَل خدا کی نسبت شرک ہے اور اگر میں اس جلسہ میں حاضر نہ ہوتا تو اسی گمراہی پر باقی رہتا۔ (خدا کا شکر)۔

اے رسول کہہ دیجئے حق آیا اور باطل گیا بے شک باطل مٹ جانے والا ہے۔ (اسراء/۸۱)

وہابیت پر رسول خدا کی رد

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن نے خدا اور بندہ کے درمیان وساطت و وسیلہ کا اقرار کیا ہے اور اسے حرام نہیں سمجھا ہے اور نہ ہی رسول خداؐ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے بلکہ اسے مباح و مستحب سمجھا ہے۔ قرآن نے پیغمبرؐ کے قول و فعل کو ہمارے لئے حجت اور اسوہ قرار دیا ہے تاکہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کی پیروی کریں اور ترقی پائیں۔

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

اور بے شک عمل رسول تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے (احزاب/۲۱)۔

اس طرح ہم اقوال و افعال رسول خداؐ کے ذریعہ استدلال کریں گے۔ اور اس استدلال میں نہ تو شیعہ کتابوں کی طرف رجوع کریں گے اور نہ ہی کتب اہل سنت کی طرف رجوع کریں گے بلکہ صرف اور صرف صحیح بخاری کی روایتوں پر تکیہ کریں گے تاکہ وہابیت پر رد مضبوط اور قوی ہو۔ جس کے بعد اگر وہ با انصاف ہیں تو بات نہیں کر سکتے۔ ورنہ بلاشبہ ان کی دشمنی اور اندھا تعصب انہیں لوگوں کے درمیان خود ہی رسوا اور خوار کر دے گا۔

اب جبکہ ہم کتاب و سنت کے ذریعہ توسل کے جواز اور اس کی شرعی حیثیت کو ثابت کر چکے ہیں تو ایک دوسرے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں جو وہابیت کی نظر میں بہت ہی برا اور ممنوع ہے۔ اور وہ شفا اور حاجتوں کے پوری ہونے کی غرض سے متبرک چیزوں کو چومنا اور مس کرنا ہے۔

اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حجاج بیت اللہ کو آنحضرت کی ضریح پر ہاتھ پھیرنے اور بوسہ دینے پر مارا جاتا ہے اور شرک کا الزام لگایا جاتا ہے۔

موئے مبارک رسول خدا کا احترام

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کا عمل دہابیوں کے لئے حجت ہے اس لئے کہ دہابی تمام صحابہ کی عدالت کے معتقد ہیں۔ بلکہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ صحابہ کے آثار کی پیروی و اتباع کرتے ہیں اور خود کو سلفی کہتے ہیں۔ یعنی وہ سلف صالح کی پیروی کرتے ہیں اور تمام صحابہ کو صالح اور نیک سمجھتے ہیں۔

بخاری نے اپنی صحیح میں مالک بن اسماعیل سے اور انھوں نے اسرائیل سے اور انھوں نے عاصم سے اور انھوں نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ میں نے عبیدہ سے کہا: رسول خدا کے موئے مبارک ہمارے پاس ہیں جو انس سے یا انس کے خاندان کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ (عبیدہ نے) کہا:

اگر آنحضرتؐ کا ایک بال بھی ہمارے پاس ہو تو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱/ ص ۵۳۔ کتاب الوضوء)

اس طرح بخاری نے محمد بن عبد الرحیم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم سے سعید بن سلیمان نے اور انھوں نے عقاد سے اور انھوں نے ابن عون سے اور انھوں نے ابن سیرین سے اور انھوں نے انس سے نقل کیا ہے کہ (جس وقت رسول خداؐ نے اپنے سر کے بال بنوائے تو ابو طلحہ سب سے پہلے شخص تھے جنھوں نے آنحضرتؐ کے کچھ بال اٹھائے)۔ (صحیح بخاری، ج ۱ ص ۵۳ کتاب الوضوء)۔

پس اگر انس بن مالک، رسول خداؐ کے صحابی، آنحضرتؐ کے موئے مبارک کو اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں اور اس کو بطور ہدیہ اپنے دوستوں اور رشتہ

داروں کو پیش کرتے ہیں اور اگر وہ صحابی کہتا ہے کہ اگر نبیؐ کا ایک بال میرے پاس ہو تو میرے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تو خدا کی قسم یہ اس بات پر ایک واضح دلیل ہے کہ اصحاب رسولؐ آنحضرتؐ کی چیزوں سے برکت حاصل کرتے تھے۔ اور یہ وہابیت کے اوپر رد ہے۔ جو رسولؐ خدا کے آثار سے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے حاجیوں اور خانہ خدا کے زائرین کو کوڑے مارتے ہیں اور ان کی اہانت کرتے ہیں۔

میں نے اپنی کتاب ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ میں اس دلچسپ واقعہ کو نقل کیا ہے کہ جس وقت ایک شیعہ عالم دین (علی شرف الدین) نے سعودی بادشاہ کو ایک قرآن ہدیہ میں دیا تو بادشاہ نے قرآن کی جلد کو چوما اور تعظیم کے لئے اپنے چہرہ پر رکھا۔

اس پر شیعہ عالم دین بولے: قرآن کی جلد کو کیوں چومتے ہو اور اسے کیوں بوسہ دیتے ہو؟

بادشاہ نے کہا: کیا آپ نے نہیں کہا کہ اس میں قرآن ہے؟
شیعہ عالم نے کہا: قرآن اس کے اندر ہے اور تم نے تو قرآن کو بوسہ نہیں دیا؟

بادشاہ نے کہا: قرآن کی جلد کو بوسہ دینے سے ہماری مراد وہی قرآن ہے جو جلد کے اندر ہے۔

تو اس شیعہ عالم نے کہا: ہم لوگ جب نبیؐ کی ضریح کی جالیوں کو بوسہ دیتے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ یہ لوہا ہے اور نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن ہمارا مقصد ان جالیوں کے اندر قبر رسولؐ ہے۔

بعد وفات آنحضرتؐ کے آثار کا احترام

میں نے اس موضوع پر اہل سنت کی کتابوں میں بیس سے زیادہ روایتیں دیکھی ہیں۔ جن میں آثار رسولؐ کو تمام صحابہ اور بالخصوص خلفاء نے تبرک قرار دیا ہے۔ لیکن چونکہ میں نے وعدہ کیا ہے کہ بخاری کی صرف ایک یا دو روایت پر اکتفا کروں گا۔ اور خود بخاری نے اس کی روایات میں وقت سے کام لیا ہے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں رسولؐ کی زرہ، آپ کے عصا، آپ کے تلوار، آپ کے گلاس، آپ کی انگوٹھی اور آپ کے بعد خلفاء جن چیزوں سے استفادہ کرتے تھے، اسی طرح آنحضرتؐ کے مونے مبارک، نعلین اور ظروف اور آپ کی وفات کے بعد اصحاب نے آپ کی جن چیزوں کو تبرک قرار دیا ہے، اس ذیل میں پورا ایک باب ان سے مخصوص قرار دیا ہے۔ (۵۸)

اسی طرح بخاری نے اپنی صحیح میں زبیر سے نقل کیا ہے کہ ہم نے روز بدر عبیدہ بن سعید بن عاصؓ سے ملاقات کی۔ اس نے آہنی لباس پہن رکھا تھا اور صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں اس کو (ابو ذات الکرش) کہہ کر بلاتے تھے۔ اس نے کہا:

میں ابو ذات کرش ہوں میں نے بھی اس پر حملہ کیا اور ہاتھ کی چھڑی جس کے آخر میں تیز لوہا لگا ہوا تھا اس کی آنکھ میں دے ماری اور اسے قتل کر ڈالا۔

ہشام کہتے ہیں:

زبیر کا بیان ہے کہ میں نے اسے اپنے پیروں تلے لاکر دبایا اور پوری

قوت سے اس چھڑی کو باہر کھینچا۔ اس کے دونوں کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ عروہ نے کہا میں نے اسے آنحضرتؐ سے مانگا، پس آنحضرتؐ نے اسے دے دیا۔ اور جس وقت آنحضرتؐ نے وفات فرمائی تو حضرت ابو بکرؓ نے اسے مانگ لیا اور جس وقت حضرت ابو بکرؓ دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے طلب کر لیا ان کے مرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مانگا اور انھیں دے دی گئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد خاندان علیؓ کے پاس آ گئی۔ پھر عبداللہ بن زبیرؓ نے مانگا اور انھیں دے دی گئی اور انھیں کے پاس تھی یہاں تک کہ وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔ (۵۹)

ایک ضروری وضاحت

اس روایت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خود رسول خداؐ نے زبیر کے اس عصا کا احترام کیا جس سے زبیر جنگ میں طاقتور دشمنوں کو قتل کیا کرتے تھے، ابو عبیدہ بن سعید بن عاصؓ، جس نے زرہ پہن رکھی تھی تاکہ تلوار اور نیزہ سے محفوظ رہے اور سوائے آنکھوں کے کوئی حصہ دکھائی نہ دیتا تھا لیکن زبیر نے عصا کے ذریعہ اس کی آنکھ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا اور پھر پوری قوت لگا کر اسے باہر نکالا۔ سچ یہ تو بڑا عجیب و غریب عصا ہے۔ کہیں عصائے حضرت موسیٰؑ کی نسل سے تو نہیں ہے۔ جس کو موسیٰؑ نے دریائے نیل پر مارا تھا اور اسی کے مارنے سے بارہ چشمے بھی پھوٹ پڑے تھے۔ سبحان اللہ!

پھر تو تعجب کی جگہ نہیں کہ پیغمبرؐ اس کو زبیر سے مانگیں تاکہ اس سے تبرک حاصل کریں یا پھر وہ چاہتے تھے اس احترام کے جواز کو سمجھائیں اور یہی احتمال قوی ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ آنحضرتؐ کے بعد تمام خلفاء نے وہ عصا طلب کیا اور ان کی عمر کے آخری لمحہ تک ان کے ساتھ رہا۔ اور بالآخر عبداللہ بن زبیرؓ کو واپس مل گیا۔ اور وہ اس کے زیادہ شوق تھے کیونکہ وہ ان

کے باپ کی میراث شمار ہوتا تھا۔

بہر حال قرآن مجید میں ایسے بہت سے اشارے موجود ہیں جو انبیاء و
ملکین اور ان سے مربوط اشیاء کے احترام سے متعلق ہیں۔

قرآن مجید میں آیا ہے کہ:

موسیٰ نے سامری سے کہا: یہ تو نے کیا فتنہ پھیلا دیا؟

سامری نے کہا: میں نے حق کے رسول (حضرت جبرائیل) کے قدم
کے کچھ اثرات دیکھے۔ جسے دوسروں نے نہیں دیکھا لہذا میں نے اسے
اٹھا کر گوسالہ میں ڈال دیا اور مجھے اس پر میری نفسانی خواہش نے

آبادہ کیا۔ (طہ/۹۶-۹۵)

جس چیز کو دوسروں نے نہیں دیکھا اور سامری نے دیکھا، شاید اسی کی وجہ
سے اس نے فرشتہ کے قدم کے نیچے ہوئے آثار سے معجزہ پیش کر دیا۔ لہذا اس
نے جبرائیل کے قدموں کی مٹی اٹھالی اور اس کو گوسالہ میں ڈال کر بنی اسرائیل کو
گوسالہ کی عبادت کی طرف پلٹانا چاہا اور اس داستان میں تاکید ہوئی ہے کہ اس
کی بعض کرامتوں اور معجزات سے جس کی بنی اسرائیل پیروی کرتے تھے مغرور
ہو گئے تھے۔

قرآن مجید میں انبیاء کے آثار سے تبرک و شفا حاصل کرنے کے مزید
اشارے موجود ہیں چنانچہ سورۃ یوسف میں ملتا ہے کہ:

حضرت یوسف نے کہا:

میرا کرتا اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دینا
تاکہ وہ پھر بینا ہو جائیں اور جس وقت بئیر نے آکر کرتے کو باپ
کے چہرہ پر ڈالا تو اچانک والد بزرگوار (حضرت یعقوب) کی آنکھوں
کی روشنی واپس آ گئی۔ اور وہ ان سے کہنے لگے۔ کیا ہم نے تم سے
نہیں کہا تھا کہ میں اپنے رب کی جانب سے وہ چیز جانتا ہوں جسے تم

نہیں جانتے۔ (یوسف/۹۶-۹۳)

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب نے اپنی بیٹائی کھودی تھی
اور حضرت یوسف نے بئیر سے جس طرح اور جو کہا وہی ہوا۔

گرچہ ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ حضرت یعقوب کی بیٹائی کو خداوند
عالم یوسف کے کرتے کے بغیر بھی پلٹا سکتا تھا اور وہ معبود اس بات پر قادر تھا کہ
حضرت موسیٰ کے عصا مارے بغیر پتروں سے چشمہ جاری کر سکتا تھا۔ اور اسی
طرح اس بات پر بھی قادر تھا کہ وہ گائے (کہ جس کو ذبح کرنے کا بنی اسرائیل کو
حکم دیا گیا) کے بعض حصوں کو مردہ پر ڈالے بغیر مردہ کو زندہ کر دے۔ (۲۰)

لیکن خداوند عالم نے ان تمام کاموں کے لئے وسیلہ قرار دیا تاکہ لوگ سمجھ
لیں کہ خدا کی خلقت کے درمیان وسیلہ و واسطہ اس کی سنت ہے اور ہرگز شرک
نہیں ہے جیسا کہ وہابیت مدعی ہے۔

یہ ہماری کتاب ہے جو تم سے حق کہتی ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو
اسے ہم لکھتے ہیں پس جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے ان کو
پروردگار عالم اپنی رحمت میں شامل کر لے گا۔ اور یہ واضح کامیابی ہے۔
لیکن جو کافر ہو گئے۔ تو کیا ہماری آیات تمہارے لئے تلاوت نہ کی
جاتی تھیں پھر کیوں گناہ کیا؟ اور منکبر ہو گئے (بلاشبہ) تم ظلم کرنے والا
گروہ بن گئے۔ (جاثیہ/۳۱-۲۹)

پیغمبر تبرک اور احترام کو جائز سمجھتے ہیں!

بعض منکرین کا یہ کہنا کہ تبرک چیزوں سے برکت حاصل کرنا بدعت ہے اور اس کے موجد بعض اصحاب یا تابعین ہیں۔ اس مقولہ کا فریب نہ کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ یا تو وہ حقائق سے نااہل ہیں یا پھر نئے مذہب وہابیت کی وجہ سے تعصب کرتے ہیں۔

مذہب وہابیت خود بدعت ہے اور کیا ہی بڑی بدعت ہے! یہ کیا مذہب ہے جو ایک جموں اور باطل شبہ کی بنیاد پر مسلمانوں پر شرک کی تہمت لگاتا ہے؟ رسول خداؐ نے اپنے اصحاب کو متعدد مقامات پر برکت حاصل کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور اس کی موافقت فرمائی ہے بلکہ اسے تو مستحب جانا ہے۔ لہذا صحابہؓ آنحضرتؐ کے بعد انکی چیزوں سے تبرک حاصل کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے۔

بخاری نے اپنی صحیح میں آدم سے نقل کیا ہے کہ شعبہ نے کہا کہ حکم نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے سنا ابو حنیفہ نے کہا:

ایک گرم دن میں ظہر کے وقت رسول خداؐ ہمارے پاس تشریف لائے، پانی لایا گیا کہ حضرت وضو فرمائیں، آنحضرتؐ نے وضو کیا، آنحضرتؐ کے وضو کرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے اس پانی کو لیا اور اپنے سر اور چہرے پر ملا۔

پیغمبرؐ نے ظہر کی نماز دو رکعت اور عصر کی نماز دو رکعت پڑھی جبکہ آنحضرتؐ کے سامنے عصا رکھا ہوا تھا، ابو موسیٰ کہتے ہیں: پیغمبرؐ نے

پانی مانگا۔ اور آپؐ کے لئے ایک برتن میں پانی لایا گیا، آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ منہ اس سے دھویا اور آپؐ دہن اس برتن میں ڈال دیا اور پھر ان دونوں سے فرمایا: اس پانی کو پیو اور اپنے سینے اور چہرے پر ملو۔ (۶۱)

بخاری نے اپنی صحیح میں ایک دوسری حدیث پیش کی ہے جو اس سے کہیں واضح ہے۔ اس بحث کے خاتمہ پر اس کا بیان کرنا بھی برائہ ہوگا۔ بخاری کہتے ہیں:

ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ میں ہجرانہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان) میں آنحضرتؐ کے پاس تھا بلال بھی ساتھ تھے ایک بدو عرب آنحضرتؐ کے پاس آیا، اس بدو عرب نے کہا: آپؐ نے ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے اسے پورا کریں گے؟

حضرتؐ نے فرمایا: ہاں تمہیں بشارت ہو۔

بدو عرب نے کہا: بہت بشارت بشارت لگا رکھی ہے۔ پیغمبرؐ ابو موسیٰ اور بلال کے پاس غصہ کی حالت میں وارد ہوئے اور کہا اس نے بشارت کو رد کر دیا ہے پس تم اس بشارت کو لے لو۔

انھوں نے کہا: ہم نے قبول کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے ایک ظروف میں پانی منگایا اور پھر اس سے اپنے ہاتھ اور منہ کو دھویا اور اس پانی میں آب دہن ڈال دیا اور فرمایا اسے پی جاؤ اور اسے سینہ اور چہرے پر مل لو تمہیں بشارت ہو۔

انھوں نے پانی کے اس برتن کو لیا اور وہی کیا جس کا آپؐ نے حکم فرمایا تھا۔

حضرت ام سلمہ نے پردہ کے پیچھے سے فرمایا کہ تھوڑا سا اپنی ماں کے لئے بھی چھوڑ دینا۔ تو انھوں نے تھوڑا سا پانی ام سلمہ کے لئے الگ کر دیا۔ (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۹۔ کتاب مغازی باب غزوہ)

طائف ماہ شوال۔

یہ روایات نہ صرف تبرک حاصل کرنے پر پیغمبرؐ کے اعتراف و اقرار کو ثابت کرتی ہیں بلکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ جس پانی سے اپنا ہاتھ منہ دھوتے ہیں اور اس میں آب و ہن ملاتے ہیں اسی کو اپنے اصحاب کو پینے اور سینہ اور چہرے پر ملنے کا حکم فرماتے ہیں اور انھیں بشارت دیتے ہیں کہ اس پانی کی برکت سے انھیں خیر کثیر حاصل ہوگا اور نہ صرف اصحاب بلکہ ام سلمہؓ جو آنحضرتؐ کی بیوی ہیں وہ خود اس پانی سے تھوڑا سا الگ کرنے کو کہتی ہیں جو رسولؐ کے ذریعہ تبرک ہوا ہے۔

ان واضح حقائق کے مقابل وہابیت کا کیا جواب ہے؟ یا پھر ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے؟

محمدؐ در شہوار

ایک مرتبہ پھر امام بوصری کے حضور میں احترام سے کھڑے ہوتے ہیں اور ان کے اشعار کے سامنے سر تعظیم خم کرتے ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے یہ اعلان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ جو ہر مخلوقات ہیں۔ آنحضرتؐ کے ساتھ کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ وہ تمام اولاد آدمؑ کے سید و سردار اور تمام انبیاء و مرسلین اور برگزیدہ بندوں کے آقا ہیں۔

آپؐ کی بشری صفات کے متعلق جو بھی اور جتنا بھی کہا جائے لیکن آپؐ کو خداوند عالم نے ہر طرح کی آلودگی و پلیدی سے پاک رکھا ہے۔ اور حدیث بیان کرنے والے آنحضرتؐ کی ایسی خصوصیات بیان کرتے ہیں جو کسی اور میں دیکھی نہ گئیں اس کی مثالیں زیادہ ہیں، من جملہ ملاحظہ ہوں۔

کبھی بھی آنحضرتؐ کے اوپر مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور بادل کا ایک ٹکڑا آنحضرتؐ پر سایہ کئے رہتا۔ زمین آپؐ کے بدن کی فاضل چیزوں کو نگل لیتی اور آپؐ کے بدن سے مشک کی خوشبو ہوا میں پھیلی رہتی تھی۔

میں جب بھی اس طرح کی روایات کو پڑھتا ہوں اور ان کی صحت و درستگی پر ایمان بھی رکھتا ہوں تو ان میں کچھ ایسی چیزیں میری سمجھ آتی ہیں جنہیں دوسرے نہیں سمجھ سکتے۔ لہذا میں ہرگز اسے غلط نہیں سمجھتا اگر کوئی رسولؐ کے ہاتھ منہ کے دھونے کے بعد بچے ہوئے پانی کو پینے۔ اس لئے کہ وہ بشر تو ہیں لیکن ان کی طرح کا کوئی بشر نہیں بلکہ آپؐ ایک درخشاں یا قوت ہیں۔

جب ہم میں سے کسی کو بھی اچھا نہ لگے کہ کسی کے ہاتھ منہ دھونے کے بعد

بچے ہوئے پانی کو پیئے تو پھر اگر اس نے اس میں کلی بھی کی ہو تو بھلا کیسے پی سکتے ہیں؟ اس لئے ان جراثیم اور کثافت و گندگی اور امراض کے خوف کے علاوہ طبی طور پر انسان ایسے پانی سے نفرت کرتا ہے اور خصوصاً اس وقت جب اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب ہوتے دیکھے!

اگر ہمارا ایمان نہ ہوتا کہ رسول خداؐ ہر طرح کی کثافت و پلیدی، جراثیم اور بری بو سے مبرا ہیں اور آپ کا بدن طاہر و مطہر ہے تو اس طرح کی روایات کو قبول نہ کرتے۔ اور اگر رسولؐ کے بعض مخلص اصحاب کا ان حقائق پر ایمان نہ ہوتا تو اس پانی کو زیادہ سے زیادہ پیئے پر سبقت نہ کرتے یہاں تک کہ ان کے درمیان نزاع اور کشمکش پیدا ہو جاتی۔ بلکہ یہ مخلص صحابہ حقائق رسولؐ سے متعلق ایسی چیزیں جانتے تھے جن سے دوسرے ناواقف تھے۔ لہذا وہ نہ صرف وضو کا پانی یا لعاب دہن پڑا ہوا پانی پیتے تھے۔ بلکہ کچھ ایسے کام بھی کرتے تھے جس کو انسانی طبیعت بمشکل تحمل کر سکتی ہے!

ہم اس جگہ تذکرہ کریں گے کہ وہ کیا کرتے تھے! بخاری نے اپنی صحیح میں ایک طویل روایت پیش کی ہے جس کا مورد نظر حصہ پیش خدمت ہے:

پھر عروہ کی آنکھیں اصحاب رسولؐ پر جمی ہوئی تھیں وہ کہتا ہے: ہم نے نہیں دیکھا کہ رسولؐ ناک سے نکلی ہوئی رطوبت کو پھینک پاتے، بلکہ اسے کوئی نہ کوئی صحابی لے لیتا اور اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا، اور اگر آنحضرتؐ وضو فرماتے تو اس کے بچے ہوئے پانی سے شفا حاصل کرتے۔ (۶۲)

اسی طرح عطاءدی نے عروہ اور مسور و مردان سے نقل کیا ہے کہ: رسول خداؐ اپنی ناک سے خارج شدہ رطوبت کو نہیں پھینک پاتے تھے بلکہ اسے کوئی نہ کوئی صحابی لے لیتا اور اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا تھا۔ (۶۳)

یہ گرامی قدر اصحاب رسولؐ جن پر خدا کا درود و سلام ہو۔ یہ جانتے تھے کہ اس سے رسول خداؐ راضی ہیں اور اس عمل پر آنحضرتؐ کا سکوت ان کے اقرار اور اعتراف کا ثبوت ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصحاب آنحضرتؐ سے بہت سی کرامات دیکھتے تھے، مثلاً: عافیت، سلامتی، خیر و برکت، بیماریوں سے شفا، درد سے چھٹکارا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرتؐ کے لعاب دہن اور ناک سے نکلی ہوئی رطوبت کو اپنے چہرہ اور بدن پر نہ ملتے۔

اس مطلب پر مزید تائید کے لئے بخاری سے ایک اور روایت ملاحظہ ہو: رسول خداؐ ایک گرم دن میں ظہر کے وقت بٹھا کی طرف گئے اور نماز ظہر دو رکعت پڑھی، جبکہ آپ کے سامنے عصا رکھا ہوا تھا۔ عون، ابی حنیفہ سے مزید نقل کرتے ہیں کہ آپ کے پیچھے بھی لوگ چل رہے تھے۔ پس لوگ آگے بڑھے، رسولؐ کے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے چہرہ پر ملنے لگے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے بھی آنحضرتؐ کے ہاتھوں کو پکڑا اور اپنے چہرہ پر رکھ لیا۔ اس کو برف سے زیادہ ٹھنڈا اور منک سے زیادہ خوشبودار پایا۔ (بخاری/ ج ۳/ ص ۲۲۹- کتاب بدء الخلق باب صفۃ النبیؐ)

نبی کے ذریعہ خدا سے شفا طلب کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ آنحضرتؐ ہاتھ سے مس کر کے یا اپنے وضو کے پانی اور آبِ دہن کے ذریعہ بیماروں کا علاج کرتے تھے اور بیماروں کو شفا بخشتے تھے۔

مسلم اور بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ سہل بن سعید نے کہا: ہم نے سنا کہ آنحضرتؐ نے روزِ خمیس فرمایا:

کل میں علم اس مرد کے حوالہ کروں گا جس کو خدا کا میانی عطا کرے گا۔ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا۔ اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے۔ تمام شب لوگ اس فکر میں تھے کہ کل علم کس کے حوالہ کیا جائے گا۔ اور جب دوسرا دن آیا تو شخص کا دل چاہتا تھا کہ وہ خود ہی شخص ہو۔

حضرتؐ نے فرمایا:

علیؑ کہاں ہیں؟ بتایا گیا: علیؑ آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ تو آنحضرتؐ نے اپنے لعابِ دہن کو علیؑ کی آنکھ پر مل دیا اور ان کے لئے دعا فرمائی اور انہیں ایسی شفا مل گئی، گویا انہیں مرض ہوا ہی نہ تھا، پس علم آپ کے حوالہ کیا۔

حضرت علیؑ نے عرض کی:

آیا میں ان کے ساتھ جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں؟
آنحضرتؐ نے فرمایا:

جلدی کرو تاکہ ان کی حد میں داخل ہو جاؤ اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دو اور جو کچھ ان پر واجب ہے اس سے انہیں باخبر کرو۔ (۶۴)
اسی طرح بخاری نے نقل کیا ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ سائب بن یزید کا بیان ہے کہ:

میری خالہ مجھے رسولؐ کے پاس لے گئی اور کہا: اے خدا کے رسولؐ میرا بھانجا زمین پر گر پڑا ہے۔ (۶۵) پس رسولؐ نے میرے سر پر اپنے ہاتھوں کو ملا اور میرے لئے دعا کی پھر وضو فرمایا اور میں نے آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو پیا (۶۶)۔

بخاری نے جابر سے بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: پیغمبرؐ ہماری عیادت کے لئے آئے جبکہ میں بخار کی شدت سے بے ہوش تھا۔ پس آنحضرتؐ نے وضو کیا اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو مجھ پر چھڑکا، میں ہوش میں آ گیا۔

رسول خداؐ، اللہ کے نزدیک ایسے مرتبہ و مقام کے مالک ہیں کہ آبِ دہن کے ذریعہ اندھوں کو بینائی عطا کرتے ہیں اور آبِ وضو کے ذریعہ مرگی سے بے ہوش مریض کو ہوش میں لاتے ہیں اور شفا بخشتے ہیں۔ اور صحابہ آپ کی ناک کی رطوبت کو لیتے ہیں اور شفا کی غرض سے اپنے چہرے اور بدن پر ملتے ہیں اور روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ حذیفہ بن یمان کے پاس ایک تھیلی تھی جس کے ذریعہ بیماروں کا علاج کرتے تھے اور کوئی ایسا مریض نہ تھا جس پر وہ تھیلی رکھی جائے اور اسے شفا نہ حاصل ہو۔ یہ خبر کافی مشہور ہوئی اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو بھی ملی آپ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا:

اے حذیفہ! کیا تم آشوب گرو؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں بلکہ یا رسول اللہ! آپ کا پیر ایک پتھر پر نقش ہو گیا تھا، میں نے اسے اٹھا کر اس کپڑے کی تھیلی میں رکھ لیا اور اس سے بیماروں کا علاج کرتا ہوں۔

پیغمبرؐ نے فرمایا: اگر کسی پتھر پر بھی اعتقاد پیدا کر لو تو تمہارے لئے مفید ہوگا۔

ان روایتوں کے نقل کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ کرب دکھانے والے شعبہ بازوں، دجالوں اور دھوکہ بازوں پر ایمان لایا جائے اور علم طب و حکمت سے ایمان کو کم کر دیا جائے، اس لئے کہ خود آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ: اپنے لئے ایک طبیب (ڈاکٹر) تلاش کرو، خدا نے مرض کو خلق کیا تو اس کا علاج بھی خلق کیا ہے۔

ان روایات کا معنی اور مطلب یہ نہیں کہ مسلمان صرف دعا، حرز، قرآن اور برکت کے ذریعہ بیماری سے شفا حاصل کرنے پر اکتفا کریں، بلکہ ہماری غرض یہ ہے کہ وہابیت کے اوپر حجت کامل ہو جائے جو ان تمام امور کا انکار کرتے ہیں اور جو بھی اس کا معتقد ہو اس کو مشرک سمجھتے ہیں۔ رسول گرامیؐ سے توسل و تہرک حاصل کرنے میں صحابہ کا اقدام معقول ہے۔ کیونکہ انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ معاشرت کی اور معجزات کے علاوہ بشری قوت سے بالاتر امور کا مشاہدہ کیا جس نے ان کے نفوس کو آرزوں سے بھر دیا۔

یشک سیرت و تاریخ کے مصنفین اور جو لوگ معجزات کو اہمیت دیتے ہیں انہوں نے رسول خداؐ کے لئے وہی کچھ تحریر کیا ہے جسے انبیاء کے متعلق کتاب خدا نے ثبت کیا ہے، مثلاً بیماروں کو شفا، اندھے ہو جانے والوں اور پیدائشی اندھوں کو بینائی دینا، مردوں کو زندہ کرنا، آسمان سے خوان بہشتی منگانا، جانوروں سے ہم کلام ہونا وغیرہ وغیرہ۔

ہم یہاں بخاری کی ایک یا دو روایت پر اکتفاء کریں گے۔ اور محققین سے کہیں گے کہ وہ خود اس کے متعلق علماء کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

قائد، انس سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

رسول خداؐ ایک بے آب و گیاہ صحرا میں تھے آپؐ کے لئے ایک برتن

لایا گیا آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں رکھا، اچانک انگلیوں کے درمیان سے پانی اگلنے لگا پوری قوم نے اس پانی سے وضو کیا، قائد کہتے ہیں: میں نے انس سے پوچھا تم لوگ کتنے آدمی تھے انہوں نے جواب دیا: تقریباً ۳۰۰ آدمی تھے۔ (۶۷)

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں:

روز حدیبیہ لوگ پیاسے ہوئے پانی کا ایک برتن آنحضرتؐ کی بغل میں تھا۔ آنحضرتؐ نے وضو کیا لوگ گھبرائی ہوئی حالت میں آنحضرتؐ کے پاس آئے، آنحضرتؐ نے فرمایا: تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ بولے: وضو کرنے یا پینے کے لئے بس یہی پانی ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ پانی میں رکھا اچانک آپؐ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ایسے اگلنے لگا جیسے چشمہ ابلتا ہے۔ پس ہم نے ماس میں سے پیا اور وضو کیا۔ ہم نے پوچھا کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ڈیڑھ ہزار لوگ تھے لیکن ایک لاکھ لوگ بھی ہوتے تو بھی پانی کافی تھا۔ (۶۸)

علقہ عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

ہم رسول خداؐ کے ساتھ ہم سفر تھے۔ پانی کم ہو گیا، آنحضرتؐ نے فرمایا: تھوڑا سا پانی لاؤ، ایک برتن میں پیش کیا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیا، اور فرمایا پاک و مبارک پانی کی طرف دوڑ پڑو یہ خدا کی برکت ہے، ہم نے پانی کو دیکھا جو انگلیوں کے درمیان سے ابل رہا تھا۔ (۶۹)

وہابیت کی تاریخی حیثیت

اگر ہم اپنی تاریخ کی طرف نگاہ اٹھائیں اور اس کے دردناک اوراق کو پلٹ کر دیکھیں تو ان میں سے بعض واقعات ہمیں ٹھہرنے پر مجبور کر دیں گے۔ تاکہ ہمیں سمجھ سکیں کہ یہ وہابیت جسے ہم نے اس قرن میں پہچانا ہے۔ اس کی بھی تاریخی حیثیت ہے جو کبھی ظاہر تو کبھی پوشیدہ رہی ہے۔ کبھی جرأت کر کے ظاہر ہوئی اور کبھی تقیہ و خوف سے پوشیدہ رہی ہے۔ یہاں تک کہ اسلام پر ایسے دن آپڑے اور استعمار نے اس نئی فکر کو تقویت بخشی۔ اس کا مقصد اور ہدف یہ ہے کہ وہ ہالہ یا دائرہ جو آنحضرتؐ کے گرد ہے اور آپ کا وہ احترام و اکرام جو مسلمان کرتے ہیں ختم اور بے اثر ہو جائے۔ استعمار کو پتہ ہے کہ مسلمان دو چیزوں کو مقدس سمجھتے ہیں۔ قرآن اور سنت پیغمبرؐ اور یہ دونوں شریعت اسلام کے بنیادی مصدر ہیں جو ان کے حملہ کا نشانہ قرار پائے ہیں۔

اور یہ بھی سمجھ چکے ہیں کہ کتاب خدا میں کسی باطل کے نفوذ کی گنجائش نہیں اور خداوند عالم اس کی حفاظت کا خود ضامن ہے لیکن سنت رسولؐ میں جعل و تحریف کی جاسکتی ہے اور آنحضرتؐ کی وفات کے پہلے روز سے ہی سنت میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

لیکن انھیں معلوم ہے کہ علمائے امت نے سنت کی حفاظت کی غرض سے جس کی صحت ثابت ہو چکی ہے اسے اکٹھا کر لیا ہے اور اس کے لئے قوانین بنائے ہیں۔ جو اس کو زیادتی و کمی سے روکتے ہیں۔

اس کے پیش نظر انھوں نے ایک شیطانی چال چلی تاکہ اس کے ذریعہ جو

چیزیں مسلمانوں کے درمیان خوشحالی و نشاط کا باعث ہیں نابود کر ڈالیں۔ چنانچہ جب مسلمان روحانی اور معنوی امور سے جدا ہوں گے تو الحاد و مادیت سے نزدیک ہو جائیں گے۔ اور دھیرے دھیرے سیلاب کے اوپر پیدا ہونے والے جھاگ کی طرح ختم ہو جائیں گے۔ اس دوران انھیں ایک ایسے مسلمان شخص کی تلاش ہوئی جو ریاست طلب اور دنیا پرست ہو۔ انہوں نے محمد بن عبدالوہاب کو اس کے لئے سب سے موزوں پایا۔ اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور اس کو قانع کر دیا کہ وہ اپنے زمانہ کا واحد دانشور ہے۔ اور ایسی ذہانت و ہوش کا مالک ہے کہ جو خلفائے راشدین کے پاس بھی نہ تھی۔ اور خلفاء کے اجتہاد کو کتاب و سنت جیسے صریح نصوص کا مخالف بتایا۔ خصوصاً آنحضرتؐ کی زندگی میں حضرت عمرؓ کا آپ کی مخالفت کرنا۔ اور محمد بن عبدالوہاب کو مطمئن کر دیا کہ محمدؐ بشر ہیں، معصوم نہیں ہیں، مختلف مقامات پر ان سے بھول چوک ہوئی ہے۔ اور لوگوں نے ان کے اشتباہ کی اصلاح کی ہے اور یہ شخصیت کی کمزوری کی دلیل ہے۔

پھر اس میں جزیرۃ العرب پر تسلط اور اس پر حکومت کی طمع پیدا کی اس کے بعد اس میں تمام عرب دنیا اور اس کے بعد پورے عالم اسلام پر حکومت کی امید بندھائی۔

وہابیت انھیں مفاہیم پر استوار ہے اور ہمیشہ اس کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ دل کو بے حقیقت اور ان کی اہمیت کو کم کر دے۔ جیسا کہ ان کے علماء ضراحت کے ساتھ کہتے ہیں وہ شخص مر گیا۔ (نعوذ باللہ) اور ان کے بزرگ (محمد بن عبدالوہاب نے کہا) محمدؐ بوسیدہ مردار ہیں۔ (نعوذ باللہ) جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، یہ میرا عصا ان سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ فائدہ بھی پہنچاتا ہے اور نقصان بھی!

اسی سے ملتی جلتی عبارت حجاج بن یوسف کے زمانہ میں بھی کہی جاتی تھی۔

اسی نے کہا:

ان کے سروں پر خاک! یہ لوگ ایک بوسیدہ مردار کے گرد طواف کرتے ہیں، اگر یہ عبدالملک بن مروان کے محل کے گرد طواف کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا!

درحقیقت جس چیز نے حجاج اور بنی امیہ جیسے ظالموں کو آنحضرتؐ کے عظیم مقام کی اہانت کی جرأت بخشی تھی وہ عمر بن خطاب کا قول تھا جسے اس نے آنحضرتؐ کے حضور میں کہا تھا:

یہ شخص ہذیان بک رہا ہے ہمارے لئے صرف کتاب

خدا کافی ہے! (۷۰)

اس باب میں وہابیت جو کچھ چاہتی ہے زور و زبردستی لوگوں کے اذہان میں داخل کرتی ہے اس لئے کہ اس کا کہنا ہے کہ محمدؐ کا کردار ختم ہوا اور ان سے سوائے تاریخ کے کچھ نہیں بچا ہے اور جو بھی ان سے توسل اختیار کرے گویا اس نے ان کی پرستش کی ہے اور خدا کی خدائی میں انہیں شریک بنایا ہے۔

اور یہ کوئی تازہ فکر نہیں ہے بلکہ یہ تاریخی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ خود حضرت ابو بکرؓ نے اعتراف کرتے ہوئے صراحت کے ساتھ اعلان کیا۔ اور چیلنج کر کے کہا:

اے لوگو! جو بھی محمدؐ کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے محمدؐ مر چکے ہیں اور جو بھی خدا کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ خدا زندہ ہے اور ہرگز نہ مرے گا۔ (۷۱)

اس بیان کی وجہ اور علت کیا تھی؟ جبکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی بھی آنحضرتؐ کی پرستش نہیں کرتا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ یہ سمجھتے تھے کہ واقعا بعض مسلمان آنحضرتؐ کی پرستش کرتے ہیں۔ اگر ایسا تھا پھر آنحضرتؐ کیوں خاموش رہے اور ان کو منع نہیں کیا؟ بلکہ ان کو کیوں قتل نہ کر ڈالا؟

بہر حال میں ذاتی طور پر یہی عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ بھی وہی عقیدہ رکھتے تھے جو آج وہابیت کے یہاں وجود میں آیا ہے۔ یعنی وہ آنحضرتؐ کا احترام و اکرام ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور بلاشبہ اس پر جل بھن جاتے تھے۔ اور جس وقت دیکھتے لوگ پیغمبرؐ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو اپنے اوپر ملنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرتے ہیں۔ اور اس سے متبرک ہوتے ہیں اور آنحضرتؐ و اہل بیتؑ کی محبت مودت کے ذریعہ خدا سے تقرب حاصل کرتے ہیں اور خدا سے نزدیک ہوتے ہیں تو لوگوں کے اس عمل سے قریش میں برعکس اثر ہوتا۔ لہذا وہ آنحضرتؐ کی ذات سے دشمنی رکھتے تھے۔ گرچہ وہ کسی اشتباہ کے مرتکب نہ ہوتے تھے۔

آخر کار قریش کے لیڈر، معاویہ بن ابوسفیان نے اپنے اس باطنی کینہ سے پردہ اٹھا دیا اور جس وقت مغیرہ نے اس سے کہا:

اے امیر المومنین کتنا اچھا ہوتا کہ تم بنی ہاشم میں اپنے عزیزوں پر لطف و کرم کرتے۔ خدا کی قسم ان کے پاس کوئی چیز نہیں بچی ہے جس سے آپ ڈریں آپ کا یہ عمل آپ کے حق میں نفع بخش ہوگا۔

معاویہ نے کہا:

برادر حمیم (ابو بکرؓ) نے حکومت کی لیکن جیسے ہی اس دنیا سے گئے نام ختم ہو گیا۔ البتہ کوئی کبھی یاد کر لیتا ہے۔ برادر عدی (عمرؓ) نے حکومت کی اور دس سال خود خواہی اور قدرت کی بنیاد پر لوگوں پر سلا رہے۔ لیکن جس وقت دنیا سے گئے ان کا نام بھی ان کے ساتھ ختم ہو گیا، مگر یہ کوئی کہے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی حکومت کی اور جو کچھ چاہا کیا لیکن جیسے ہی دنیا سے سدھارے ان کا نام بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ کسی کا نام بھی نہیں بچا سوائے ابن ابی کعبہ (مراد رسول خدا ہیں) کے، کسی اور کا نام نہیں بچا ہے اور ہر روز دن میں پانچ مرتبہ یاد کیا جاتا

ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں ﴿اشھد ان محمداً رسول اللہ﴾ یہ کون سی یاد ہے جو باقی رہ جانا چاہتی ہے۔ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے، خدا کی قسم اس کے نام کو دفن کر دوں گا اور مٹی میں ملا دوں گا۔
(۷۲)

یہ وہی وہابیت ہے جس کا کل بہترین شکل اور فصیح ترین عبارتوں میں نقش تیار کیا گیا اور آج کل اس کو عملی شکل دے رہے ہیں۔
(وہ چاہتے ہیں اپنے منہ سے نور خدا کو خاموش کر دیں لیکن خدا اسے پورا کر کے رہے گا چاہے کافروں کو اچھا نہ لگے) (صف/۸)

وہابیت اور زیارت قبور کی تحریم

اس وقت کی رائج بدعتوں میں ایک بدعت عورتوں پر قبر کی زیارت کو حرام قرار دینا ہے۔ مسلمان عورت جب خانہ خدا کی زیارت اور حج کے لئے جاتی ہے تو اسے بقیع اور شہدائے احد اور دیگر قبور کی زیارت کی اجازت نہیں ملتی۔ وہابیت نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے پاس اس کو حرام قرار دینے میں سوائے تعصب کے کوئی اور دلیل نہیں ہے۔

مسلم اپنی صحیح میں باب جنازہ کے اندر نقل کرتے ہیں کہ:
حضرت عائشہؓ نے رسول خداؐ سے پوچھا۔ عورت اگر قبروں کی زیارت کے لئے نکلے تو کیا کہے۔

حضرت نے ان سے فرمایا:

کہے: اے قوم جو آرام سے اپنے گھروں میں سوئی ہے تم پر سلام ہو تم ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم بھی جب خدا نے چاہا تم سے ملحق ہو جائیں گے۔ خداوند عالم گذرے ہوئے اور جو بعد میں آئیں ان کی مغفرت فرمائے (۷۳)۔

اسی طرح بخاری نے اپنی صحیح میں انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ:
آنحضرتؐ ایک عورت کے قریب سے گذرے جو ایک قبر کے پاس بیٹھی ہوئی رو رہی تھی آپؐ نے فرمایا: تقوئے الہی اختیار کرو اور صابر رہو۔ اس عورت نے کہا: مجھ سے دور ہو جاؤ۔ تم میری مصیبت میں نہ گرفتار ہو اور نہ ہی اسے جانتے ہو۔ اس عورت سے کہا گیا کہ یہ رسولؐ

تھے۔ وہ عورت رسولؐ کے گھر آئی اور عرض کیا: میں نے آپ کو نہ پہچانا مجھے معاف فرمائیے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اولین صدمہ اور مصیبت کے لئے صبر ہے۔ (۷۴)

اس سلسلے میں حدیثیں بکثرت موجود ہیں اہل سنت کی کتب صحاح اور رشیدوں کی کتابیں اس سے مالا مال ہیں لیکن وہابیت اس کا انکار کرتی ہے اور اس کے لئے کسی قدر وقیف کی قائل نہیں اور جس وقت ان میں سے بغض لوگوں پر میں نے اعتراض کیا اور احادیث کے ذریعہ استدلال کیا تو وہ کہنے لگے یہ روایتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔

میں نے کہا بلکہ اس کے برعکس تحریم منسوخ ہے اس لئے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

میں پہلے تم کو قبروں کی زیارت سے روکتا تھا لیکن اس وقت کہتا ہوں کہ زیارت کرو کیونکہ یہ تمہیں موت کی یاد دلاتی ہے۔

جواب ملا: یہ حدیث مردوں کے لئے مخصوص ہے عورتیں اس سے خارج ہیں۔

میں نے کہا: تاریخ میں ثابت ہوا ہے اور محققین اہل سنت نے بھی اسے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ہر روز اپنے بابا کی قبر کی زیارت کو جایا کرتی تھیں، اور فرماتی تھی:

میرے بابا! مجھ پر وہ مصیبتیں نازل ہوئیں جو اگر دونوں پر پڑتیں تو شب تاریک میں بدل جاتے۔ (۷۵)

یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کے لئے ایک گھر بنایا تھا جس کا نام بیت الحزن تھا اور وہ اپنا زیادہ تر وقت بیچ میں گزارتی تھیں (۷۶)۔

اس نے کہا: اگر فرض کر لیں کہ یہ حدیث درست ہے تو یہ فاطمہ سے مخصوص ہے۔

اسے کہتے ہیں (اندھا تعصب!) ورنہ مسلمان کیوں کر تصور کر سکتا ہے کہ خدا اور اس کا رسولؐ عورت کو اس بات سے روکیں کہ وہ اپنے والدین، بھائی، اولاد اور شوہر کی قبروں پر جائے اور ان کے لئے طلب رحمت و مغفرت کرے اور ان کی قبروں پر اشک رحمت چھڑکے اور خود بھی موت کو یاد کرے جس طرح مرد یاد کرتا ہے۔

عورت کی نسبت اس کھلے ہوئے ظلم پر خدا اور اس کا رسولؐ راضی نہ ہوں گے اور کوئی بھی عقل مند اسے قبول نہ کرے گا۔

بڑی غلطی پر ان کا سختی سے محاسبہ کرتے ہیں۔

اور کبھی ایک بھول یا معمولی غلطی پر پٹائی کرتے ہیں اور ان پر اس درجہ سختی کرتے ہیں کہ وہ تھک جاتے اور دین سے متنفر ہو جاتے ہیں جبکہ وہ ابھی سن بلوغ تک بھی نہیں پہنچے ہوتے، یہ وہ چیز ہے جسے ہم نے خود دیکھا ہے۔ شاید خود آپ نے بھی اپنے عزیزوں میں ایسے بچوں کو دیکھا ہو جو سختی کی بنیاد پر نماز پڑھتے ہیں۔

اور جس وقت ماں باپ کی پکڑ کمزور پڑتی ہے تو اس زنجیر کو توڑ کر نکل جاتے ہیں اور نماز کو بالکل ترک کر دیتے ہیں۔

میں نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ اپنے عزیزوں میں کچھ والدین کو اس بات پر راضی کروں کہ نماز پڑھنے پر بچوں کی پٹائی نہ کیا کریں اور انکو زبردستی نماز پڑھنے پر مجبور نہ کیا کریں بلکہ محبت و مہربانی اور نرمی کے ساتھ پیش آئیں تاکہ نماز ان کی نظر میں محبوب بنے نہ کہ ڈراؤنا خواب۔

لیکن میں جب اس بات کو کہتا تو وہ کہتے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

سات یا دس سال (روایت میں اختلاف ہے) کے بعد نماز کے لئے بچوں کی پٹائی کرو۔ اس طرح خواہ جوانوں نے عیسائی مبلغوں کی پیروی نہ کی ہو لیکن نماز کو ضائع کر دیا اور اپنے دین کو چھوڑ دیا۔ جبکہ انھیں کھیلوں اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو چھوڑنا چاہیے تھا جو ذکر خدا سے روک دیتے ہیں۔

مکتب اہل بیتؑ میں مشکل کا حل

جو بھی اسلامی تربیت کے لئے مکتب اہل بیتؑ کی پیروی کرتا ہے اسے ایسی راہ حل ملتی ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے قرار دیا ہے جو ان کے لئے دین کو آسان کر دے اور احکام کو ہر چھوٹے بڑے تک پہنچا سکے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

خدا نے تمہارے لئے دین میں مشقت قرار نہیں دی ہے (ج/۷۸)۔

خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے نہ کہ زحمت و مشکل (بقرہ/۱۸۵)۔

خدا ہر شخص پر اس کی قوت کے مطابق فرائض معین کرتا ہے (بقرہ/۲۸۶)۔

رفع حرج

رفع حرج یعنی سختی اور دباؤ کو ختم کرنا اور یہ اسلام کا ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ ہرج و مرج کو ختم کر دیا گیا اور ہر زحمت ممنوع ہے لیکن اگر واقعیت یہی ہے تو پھر یہ ساری سختیاں جو فقہی کتابوں میں موجود ہیں وہ کس لئے ہیں؟

اگر مسلمان (اہل سنت حضرات) کے بعض ابواب وضو اور غسل کر پڑھے تو اسے احساس ہوگا کہ آسانی کس حد تک مشکل میں تبدیل ہو چکی ہے اور انسان پر اسکی طاقت سے زیادہ فرائض عائد کئے گئے ہیں مثلاً تحریر ہے کہ اگر غسل کے بعد غسل کرنے والے کا ہاتھ اس کے عضو تاسل سے لگ جائے تو اسکا غسل باطل ہے اور اسے پھر سے غسل کرنا پڑیگا۔

مکتب اہل بیتؑ میں، اہل بیتؑ نے اپنے جد حضرت رسول خداؐ سے روایت نقل کی ہے کہ وضو و غسل (یعنی دوبارہ دھونا) اور دو سح (یعنی چہرہ اور ہاتھ کو دھونا اور سرو پا کا مسح ہے)۔

یہ ہے وضو

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خداوند عالم نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ نماز سے پہلے وضو کریں خداوند عالم فرماتا ہے:

اے رسول! اگر نماز کے لئے اٹھو تو چہرہ کے بعد ہاتھوں کو کہنی تک دھو۔ اور اپنے سر و پیر کا ابھرے ہوئے حصہ تک مسح کرو۔ (مائدہ/۶)

لہذا وضو چہرہ اور ہاتھوں کے دھونے اور سر و پا کا مسح کرنے کا نام ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں یہ بہت ہی آسان ہے اس میں کوئی زحمت بھی نہیں ہے۔ مسلمان مقیم ہو یا مسافر اتر پورٹ پر ہو یا ٹرین میں یا پھر گھر میں اس وضو سے اس کے لئے کوئی مشکل نہ ہوگی۔ پائپ کھولے چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دھولے اور قل کو بند کر دے۔ اور پھر سر و پا کا ہاتھ کی پچی ہوئی رطوبت سے مسح کرے۔ حتیٰ اگر وہ چاہے تو نماز ادا کرنے کی جگہ تک جوتے کو نہ اُتارے (اگر نماز ادا کرنے کی جگہ نزدیک ہو) تو وہاں جوتا اُتارے اور پھر پاؤں پر مسح کرے۔

لیکن اہل سنت فقہ کے مطابق وضو بہت ہی سخت ہے کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا۔ تین مرتبہ کلی، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالنا، تین مرتبہ چہرہ کو دھونا، تین مرتبہ داہنے ہاتھ کو دھونا، تین مرتبہ بائیں ہاتھ کو دھونا، پورے سر، اور کان کا مسح، تین مرتبہ داہنے پیر کا دھونا اور تین مرتبہ بائیں پیر کا دھونا۔

ایسا وضو اور خصوصاً جوانوں کے لئے سفر کی حالت میں اور خاص کر ٹھنڈک میں جب کہ پیروں کو دھونا ہو اور پھر موزہ پہننے کے لئے پیروں کو خشک کرنا اس میں ان کے لئے کس درجہ زحمت ہے۔

لیکن مکتب اہل بیتؑ میں نص کے مقابل اجتہاد اور ذاتی رائے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور قرآن و سنت رسولؐ کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ جو وضو اس مکتب میں ہے اسی کو قرآن نے بھی مسلمانوں پر واجب کیا ہے۔ اور رسول خداؐ وائمہ اطہارؑ اسی طرح وضو کرتے تھے۔

خدا رحمت کرے عبداللہ بن عباسؓ پر آپ ہمیشہ تکرار کرتے رہتے کہ: کتاب خدا میں سوائے دو دھونے اور دو مسح کے ہمیں اور کچھ نہیں ملتا لیکن تم لوگ تو صرف سنت حجاج کی پیروی کرنا چاہتے ہو۔ (مصنف عبدالرزاق/ج ۱/ص ۳۸)

لہذا آج مسلمانوں پر اور خاص کر سمجھدار جوانوں پر واجب ہے کہ آسانی اور سہولت کی طرف پلٹ آئیں اور لوگوں کو دین کی طرف رغبت اور شوق دلائیں، جناب رسول خداؐ نے مسلمانوں کے درمیان کس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اس قاعدہ پر عمل کریں۔

لوگوں سہولت سے کام لو، مشکل پیدا نہ کرو اور لوگوں کو متفرق نہ کرو (۸۷)
خود اپنے آپ پر سختی نہ کرو تا کہ خدا بھی تم سے سختی سے کام نہ لے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا۔ (۷۸)

یہ تجربہ معمولاً کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے۔ کتنے ایسے جوان تھے جو وضو کی وجہ سے نماز سے گریز کرتے تھے۔ یا نماز کو تنجیم سے پڑھتے تھے۔ اس ڈر سے کہ کہیں پانی ان کے پاؤں کے لئے مضر نہ ہو۔ (۷۹)
لیکن اہل بیتؑ کی روش کے مطابق وضو سے انھیں سکون حاصل ہوا اور وہ مطمئن ہو گئے۔

یہ ہے نماز

مکتب اہل بیتؑ میں نماز پانچ وقت پڑھنے کے بجائے تین وقت پڑھتے ہیں یعنی نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء یکے بعد دیگرے پڑھتے ہیں۔ اور ایک وقت نماز صبح کے لئے نماز ظہر و عصر کے لئے اور ایک وقت نماز مغرب و عشاء کے لئے معین کر رکھا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب ﴿بچوں کے ساتھ ہو جاؤ﴾ میں ایک باب قرآن کریم اور سنت پاک کی روشنی میں ان تین وقتوں کی شرعی حیثیت سے مخصوص کیا ہے۔ ہم طالب کو طول دینا نہیں چاہتے اور جس بات کا تذکرہ پہلے کیا ہے اس کی تکرار نہیں کرنا چاہتے ہمارے محقق احباب اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

لیکن اس جگہ ان تین وقتوں میں نمازوں کو قرار دینے کی الہی حکمت سے متعلق توضیح دینا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی تذکرہ کیا ہے۔ سماج کا تین چوتھائی حصہ نوکری پیشہ ہے۔ یہ یا تو نماز نہیں پڑھتا ہے یا اگر پڑھتا ہے تو کسالت اورستی کے ساتھ پڑھتا ہے اور پھر پڑھنے میں مشقت اور سختی محسوس کرتا ہے۔

اس لئے کہ انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ شرعاً کام میں کی نہیں کر سکتے۔ اور جس وقت میں کام کی تنخواہ لیتے ہیں اس میں نماز نہیں پڑھ سکتے۔ البتہ ہم ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے جو مسجد میں پکار پکار کر کہتے ہیں نماز کے وقت کام چھوڑ دو چاہے اس کی وجہ سے ہمیں کام سے نکال دیا جائے اس لئے کہ روزی کا دینے والا خدا ہے نہ کہ کارخانہ کا مالک اور منیجر !!!

تعب تو اس وقت ہوتا ہے جب یہی نظریہ رکھنے والے افراد خود اسی موضوع میں متضاد نظر آتے ہیں۔ ہم نے انھیں میں سے ایک شخص کو دیکھا وہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی تعریف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا حضرت عمرؓ مسجد میں وارد ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو لوگوں کے آنے سے پہلے نماز پڑھ رہا تھا۔ دوسری مرتبہ آئے دیکھا وہی شخص نماز پڑھ رہا ہے۔ اور جب تیسری مرتبہ دیکھا تو کہا کون تمہاری روزانہ کی زندگی کا خرچ دیتا ہے۔ اس نے کہا میرا بھائی مجھے کھانا کھلاتا ہے اور لباس پہناتا ہے جناب حضرت عمرؓ نے اس سے کہا مسجد سے باہر نکل جاؤ اس لئے کہ تیرا بھائی تجھ سے بہتر ہے۔ آسمان سے تو سیم و زر نہیں برستا۔

میں اس کو کنارے لے گیا اور اس سے کہا کہ کیا تم نے ایک ماہ پہلے یہ نہ کہا تھا کہ خدا اپنے بندوں کو روزی دیتا ہے۔ تمہارے اوپر ضروری ہے کہ نماز کے وقت کام چھوڑ دو۔ اس نے بزرگانہ مسکراہٹ سے ساتھ میری طرف دیکھا اور کہنے لگا ﴿ہر جن جانی دارد﴾ میری پہلی بات قرآن سے تھی اور دوسری بات حضرت عمرؓ فاروق کے حوالہ سے تھی اور یہ دونوں باتیں حق ہیں میں نے اس سے کہا خدا تجھے جزائے خیر دے میں نے بڑا استفادہ کیا۔

ہم پھر دو نمازوں کو ایک وقت میں انجام دینے میں الہی حکمت کی طرف پلٹتے ہیں۔ کہ خداوند عالم زمین و زمان کا خالق ہے اور ماضی، حال اور مستقبل سے آگاہ ہے۔ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہے۔

خدا کو علم تھا کہ ایک زمانہ میں لوگوں کی ذمہ داریاں زیادہ ہوں گی اور ان کی آزادی کم اور وقت محدود ہوگا۔ اور چونکہ حضرت محمدؐ خاتم الانبیاءؑ ہیں اور آپ کی شریعت قیامت تک باقی ہے اور حکمت الہی اس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ بندوں کے لئے آسانی پیدا کی جائے اور عسر و حرج کو ختم کیا جائے لہذا اپنے

رسولؐ سے فرمایا: نماز ظہر و عصر، مغرب و عشاء کو ایک ساتھ ادا کریں اور یہی روش امت کو تعلیم فرمائیں۔ تاکہ ان پر سے حرج اور سختی ختم ہو جائے۔

پیغمبرؐ نے اس حکم پر عمل کیا اور کئی مرتبہ مدینہ منورہ میں اسی روش پر نماز ادا کی اور جس وقت آپؐ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

میں اپنی امت پر سختی نہیں چاہتا۔ (۸۰)

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا:

رسول خداؐ نے مدینہ میں سات رکعتی اور آٹھ رکعتی نماز پڑھی، یعنی ظہر و عصر

اور اسی طرح مغرب و عشاء۔ (۸۱)

یہ ہے حکمت الہی اور یہ ہے رسول خداؐ کی نماز، جسے آنحضرتؐ نے پروردگار کے حکم کی بنیاد پر انجام دیا۔ تاکہ امت کے لئے فشار و سختی کا باعث نہ ہوں۔

ہم کیوں اس روش کو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ یہ سہل اور آسان ہے اور ملازم، کارگیر، طالب علم اور فوجی سبھی کے لئے سازگار اور ممکن ہے اور کوئی کام ایسا نہیں جو ان وقتوں سے بڑھ کر ہو۔ اس طرح اب کسی مسلمان کے لئے کوئی بہانہ نہیں۔

یہ بات دنیا میں معروف ہے کہ ڈیوٹی کا وقت آٹھ گھنٹے ہوتا ہے۔ اور دو حصوں میں کام ہوتا ہے صبح ۸ بجے سے لے کر ۱۲ بجے تک اور بیچ میں دو گھنٹہ استراحت پھر ۲ بجے سے لے کر شام کے ۶ بجے تک۔ اس صورت میں مسلمان نماز ظہر و عصر کو آرام کے وقت میں کام پر دوبارہ جانے سے پہلے انجام دے سکتا ہے۔ اس طرح اس نے نماز ظہر و عصر کو اس کے صحیح وقت پر انجام دیا ہے چنانچہ نہایت آرام سے کام پر آ سکتا ہے۔

لیکن اگر کام سارے دن کا ہو جیسے معدنیات یا اس سے مشابہ جگہوں پر کام تو (قانون کار) ۷ گھنٹے مسلسل کام کو تجویز کرتا ہے۔ اور آدھا گھنٹہ آرام کے

لئے دیتا ہے اس قسم کی کمپنیاں کام کو تین شفٹوں میں معین کرتی ہیں۔

۱۔ ایک گروہ صبح ۷ بجے سے ۲ بجے تک کام کرتا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ۲ بجے (بعد نماز ظہر) سے رات کے ۹ بجے تک کام کرتا

ہے۔

۳۔ اور تیسرا گروہ ۹ بجے رات سے ۴ بجے صبح تک کام کرتا ہے۔

نماز کے لئے اس حکمت الہی کے تحت یہ سارے گروہ بغیر کسی زحمت کے

اپنے وقت پر نماز ادا کر سکتے ہیں۔

اور کوئی بھی عذر نہیں کر سکتا کہ اس کے پاس نماز ادا کرنے کا وقت نہیں

ہے یا یہ کہ نماز کا وقت جا رہا ہے اور وہ نماز ادا نہیں کر سکتا۔

اس طرح ہم نماز ادا کرنے میں قرآن و سنت کی پیروی کریں گے۔

اس لئے کہ حکم یہی ہے کہ مومن نماز کو اس کے وقت پر انجام دیں۔ اسی

کے ساتھ ہم اپنی اور دوسروں کی سختی و مشقت کو بھی دور کر سکتے ہیں۔

شاید بہت سے جوان جنھوں نے اپنی نماز کو ترک کر دیا ہے پھر سے نماز

کی آغوش میں پلٹ آئیں۔ اگر انھیں یہ پتہ چل جائے کہ خدا نے اسی امر کی

تشریح کی ہے اور رسول خداؐ اور آپ کے اہل بیتؑ نے ایسے ہی انجام دیا ہے۔

اگر یہ اہل بیت کے دستور پر عمل کرے تو اسے ۲۰۰۰ ہزار دینار ادا کرنا ہوں گے۔ لہذا اگر مذہب اہل سنت کے مطابق ادا کرے تو اس کے پاس ۹۷۵۰ دینار بچتے ہیں اور اگر مذہب اہل بیت کے مطابق ادا کرے تو اس کے پاس صرف آٹھ ہزار (۸۰۰۰) دینار بچتے ہیں۔

اس مفروضہ کی بنیاد پر اہل سنت فقیر مسلمان کو پورے سال میں صرف ۲۵۰ دینار حاصل ہوتا ہے اور اہل بیت کے پیر و فقیر مسلمان کو ایک سال میں ۲۰۰۰ دینار حاصل ہوگا۔ اور ان دونوں قوم کے درمیان کافی فرق ہے۔

نیز اہل سنت فقیر اور دولت مند مسلمان کا باہم موازنہ کریں تو اس طرح ہوگا ۹۷۵۰ کے مقابلے میں ۲۵۰ دینار اور یہ بہت بڑا فرق ہے۔ یعنی چالیسواں حصہ۔ بالفاظ دیگر اگر دولت مند کے پاس چالیس روٹی ہوگی تو فقیر کے پاس صرف ایک روٹی ہوگی۔ لیکن اگر اہل بیت کے پیر و فقیر و ثروت مند میں موازنہ کریں تو اس طرح ہوگا۔

۸۰۰۰ کے مقابل ۲۰۰۰ دینار اور یہ نسبت معقول ہے یعنی چار کے مقابل ایک ہے یعنی اگر دولت مند کے پاس چار روٹی ہوگی تو فقیر کے پاس ایک روٹی۔

دوسرے لفظوں میں اہل سنت فقیر کا ایک حصہ ہے اور اہل سنت دولت مند کے ۳۹ حصے اور یہ فرق بہت زیادہ ہے خداوند عالم نے اس سے ہوشیار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یہاں تک کہ تمام غنائم امیروں کے ہاتھ میں نہ آجائیں اور صرف انھیں کے ہاتھوں میں رد و بدل ہوتے رہیں۔ (حشر/۷)

اور اسی طرح ہے بھی اس لئے کہ قوم کے فنی اور دولت مند افراد جو صرف ۲۰ فیصد ہیں ۹۵ فیصد دولت اور سرمایہ پر قابض ہیں۔ جبکہ باقی قوم صرف ۵ فیصد کی مالک ہے۔ لیکن اہل بیت کا پیر و ہر چار حصہ کے مقابل ایک حصہ کا

مالک ہے یہ فرق گرچہ زیادہ ہے لیکن اس قدر واضح نہیں ہے اور اس صورت میں دولت مند افراد ۷۵ فیصد پر قابض ہوں گے اور باقی ۲۵ فیصد دولت دوسرے تمام لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی۔

ان تمام حساب و کتاب کے باوجود اسلام نے لوگوں کو مستحق صدقہ دینے کی بھی کافی ترغیب فرمائی ہے بلکہ دوسری زکات کو بھی صرف دولت مندوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثلاً زکات فطرہ، قربانیاں، کفارے، نذریں، اسی طرح اسلام نے حاکم شرع کو حق دیا ہے کہ وہ سرمایہ داروں کے مال میں تصرف کرے اور اگر ضروری ہو تو ان سے لے اور فقراء کے درمیان تقسیم کرے یا بیت المال کے حوالہ کر دے۔

جو واقعیت سامنے ہے وہ کچھ اور ہے۔ اور خدا نے جس چیز کا قرآن میں حکم دیا ہے اور رسول خداؐ نیز آپ کے اہل بیت نے جس پر عمل کیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ملتوں میں طاقت، دولت مندوں کے ہاتھ میں ہے اور طاقت والوں اور دولت مندوں کی تعداد بھی کم ہے جبکہ وہ ہر چیز کے مالک ہیں۔ لیکن فقراء کی تعداد بہت زیادہ ہے جبکہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔

کیونستوں نے بھی عالم اسلام میں رائج اسی کمزوری کو پکڑ لیا اور آسانی کے ساتھ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں روشن فکر طلباء کو اپنی طرف جذب کر لیا اور انھیں قوم کے ہر فرد کے درمیان دولت کی مساوی تقسیم کا نظریہ بطور تحفہ پیش کر دیا۔

اس طرح بہت سے مسلمان نوجوان کمیونسٹ ہو گئے اور اس تھیوری کو اپنے لئے منتخب کر لیا اور دین کو خیر باد کہہ دیا۔ عقائد ترک کر دئے اور اپنے آباؤ اجداد سے نفرت کرنے لگے۔ اسلام نے کمیونزم سے بدتر خطرہ نہیں دیکھا اس لئے کہ وہ

اندر ہی اندر اپنے ہی روشن خیال فرزندوں کے ہاتھوں ویران ہو گیا۔ کیونکہ جب ایسے لوگ حکومت میں آئے تو انھوں نے اسلام سے جنگ کی اور اپنی قوم پر خاطر خواہ اثر ڈالا۔

اگر آج ہم کیونزم کی لعنت میں گرفتار ہو گئے تو ہمیں چاہیے گذشتہ مسلمانوں کو سرزنش کریں کہ جنھوں نے احکام خدا میں تحریف کی یہاں تک کہ فقر زیادہ ہو گیا اور جہل و پسماندگی تاریکی، تعصب، اور نادانی کا ان پر راج ہو گیا۔
﴿لا حول ولا قوة الا بالله العلیٰ العظیم﴾

موقت شادی (متعہ) کی اہمیت

سب سے خطرناک سماجی مشکل جو انسانی سماج کو تباہ کر رہی ہے وہ جنسی مشکل ہے۔ جنسی شہوت، جیسا کہ بھی جانتے ہیں بشری زندگی کی بقاء کے لئے اساس ہے اور خداوند عالم نے انسان، حیوان اور نبات سب کو نر و مادہ کی صورت میں پیدا کیا ہے:

خداوند عالم فرماتا ہے:

ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم متوجہ ہو جاؤ۔
(ذاریات/۳۹)

اور خداوند عالم نے تمہارے لیے بیویاں قرار دیں اور تمہاری بیویوں سے بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں پیدا کئے۔ (نحل/۷۲)

زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہے نر و مادہ باہم ملاپ کریں اور یہ خلق خدا کے درمیان اس کی سنت ہے۔

شادی اور نسل کو آگے بڑھانے کے لئے اللہ نے مرد و عورت میں جنسی خواہش پیدا کی ہے تاکہ ان میں سے ہر ایک مد مقابل سے جنسی رابطہ پیدا کرنے کے لئے میلان رکھے۔ اور ہر ایک کی جنسی خواہش پوری ہو اور اس کے نتیجہ میں اسپرم اور اوم بار آور ہوں۔ اور ایک بچہ وجود میں آئے۔ وہ بھی رشد و نمو کرے، بڑا ہو اور اسی طرح وہ بھی حیات بشری کو آگے بڑھائے۔

خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وہی ہے جس نے آب (نطفہ) سے آدمی کو خلق کیا اور ان کے درمیان

رشتہ نامہ برقرار کیا اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے۔ (فرقان/ ۵۳)

اسلامی شریعت نے اس جنسی غریزہ کے لئے قید و شرط اور ایک خاص حد معین کی ہے جس کی ہر شخص پابندی نہیں کرتا۔ لہذا اگر خاندان و نسل اور انسانی شرف کی حفاظت کی غرض سے شرعی شادی کے بغیر جنسی رابطہ برقرار کیا جائے تو حرام ہے۔

لیکن مغربی سماج میں جوان و نوجوان بغیر کسی قید و شرط کے نہایت آسانی کے ساتھ جنسی عمل انجام دیتے ہیں اور نہ صرف اس کو برا نہیں سمجھتے بلکہ ایک طبعی امر سمجھتے ہیں اور اس پر ان کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے۔ وہ اس عمل میں اس درجہ آگے بڑھ چکے ہیں کہ حیوانات کی طرح بلکہ حیوانات سے بھی برے اور قبیح ڈھنگ سے زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ اگر کوئی مرد شادی کرے اور بیوی کو باکرہ پائے تو اسے تعجب ہوتا ہے اور وہ اس کو ایک غیر معمولی بات سمجھتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کے ہاں مطلب بالکل مختلف ہے زن و مرد کا ایک جگہ جمع ہونا منع ہے۔ مگر خاص خاص مواقع پر حجاب اسلامی کے ساتھ ممکن ہے یعنی عورت کا چہرہ اور گلائیوں تک ہاتھ کے سوا کوئی حصہ کھلا نہ ہو۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اولاد کی تربیت ہے خصوصاً لڑکیاں اس طرح پرورش کی جاتی ہیں کہ وہ پردہ اور حیا و شرم کی پابند ہوں۔ بکارت یا کنوارا پن عفت و شرافت کا معیار ہے۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی شوہر کے گھر جاتی ہے لیکن جنسی عمل کے متعلق کچھ نہیں جانتی اسی طرح مرد بھی ناواقف ہوتا ہے۔

البتہ یہ مطلب اس اسلامی سماج میں جہاں احکام شریعت پر عمل ہوتا ہے صادق آتا ہے۔ یا یوں کہوں تو بہتر ہوگا اسلامی آئیڈیل سماج میں ہوتا ہے جو آج کے زمانہ میں سوائے ایک خواب کے کچھ اور نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس پر عمل اگر

محال نہ ہو تو دشوار ضرور ہے۔

بہر حال جوان چاہے لڑکا ہو یا لڑکی جسمانی اور جنسی رشد و کمال کے وقت اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ ممکن ہے گھر والوں کی شدید نگرانی کی صورت میں ہم جنس پرستی کا شکار ہو جائے جو خطرناک امراض کا باعث ہونے کے علاوہ خاندان اور بالآخر سماج کی ویرانی کا اصلی عامل ہوگا۔

بہر حال مغربی معاشرہ میں جنسی عمل کو انجام دینے میں، افراط سے کام لیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس نے حیوانی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور عورت و مرد کو حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح اور جس کے ساتھ بھی آتش شہوت کو ٹھنڈا کرنا چاہیں کریں، حتیٰ کہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہوں! اور دوسری طرف اسلامی اور عربی معاشرہ میں تقریباً سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اسلامی معاشرہ نفسانی مشکلات کا شکار ہو گیا اور عورت مرد کے درمیان شرعی رابطہ بھی مشکل ہو گیا۔ اور اس سے بھی بالاتر بعض اسلامی مذاہب کے فقہاء نے ﴿سسد باب الذرایع﴾ کے عنوان کے تحت زنا کے مراکز کھولنے کی اجازت دے دی ہے۔ تاکہ خود ان کے خیال میں لائابالی جوان پاکدامن مسلمان عورتوں اور باعفت لڑکیوں پر حملہ نہ کریں۔ لیکن اس نے نہ صرف مشکل کو حل نہیں کیا بلکہ سماج کھلی ہوئی بے راہ روی اور فساد کی طرف بڑھ گیا ہے۔

اسلامی سماج میں عورت کی مظلومیت

عورت آج بھی اسلامی اور عربی سماج میں مظلوم ہے۔
 شاید مسلمانوں کو ابھی تک نہ معلوم ہو کہ عورت بھی جسم، روح، فکر، قلب، شعور اور جذبات رکھتی ہے اور کسی ایسے شرف اور عزت کا مرد مدعی نہیں ہو سکتا جو عورت کے پاس نہ ہو۔

خداوند عالم نے قرآن میں عورت و مرد کے درمیان مساوات قرار دی ہے اور فرماتا ہے:

اے انسانوں! ہم نے تمہیں مرد و عورت کی شکل میں خلق کیا اور تمہیں قوم اور قبیلوں میں قرار دیا تاکہ پہچانے جاؤ۔ (لیکن جان لو) کہ خدا کے نزدیک تم میں سب سے محترم سب سے پرہیزگار شخص ہے (حجرات/۱۳)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

پس ان کے خدا نے اُن کی دعا کو مستجاب کیا (اور فرمایا) میں تم سے مرد ہو یا زن کسی کے بھی عمل کو ضائع نہ کروں گا۔ لوگوں میں بعض، بعض، پر فضیلت رکھتے ہیں (آل عمران/۱۹۵)۔

ہاں ہم انکار نہیں کرتے کہ خداوند عالم نے مرد کو عورت پر ایک درجہ فوقیت دی ہے اور وہ بھی خاندان کی ذمہ داری اور دوام کی خاطر اور اس کا فضیلت سے کوئی ربط نہیں ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

عورت و مرد کے ایک دوسرے پر جائز حقوق ہیں لیکن مرد عورتوں پر

ایک درجہ برتری رکھتے ہیں اور خداوند عالم حکیم و قادر ہے
 (بقرہ/۲۲۸)

خداوند عالم کی حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ عورت و مرد حقوق اور واجبات میں مساوی ہوں۔ (۸۲) چنانچہ یہ اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ ذمہ داری سنبھالنا مردوں کے حوالہ کرے اس لئے کہ اس نے مرد کے اندر اس کی قوت پیدا کی ہے کہ وہ اپنی بیوی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرے۔ خوف و وحشت کے حالات میں مرد، عورت کے لئے پناہ گاہ ہے۔ اور اسی مرتبہ نے مرد پر جہاد کو واجب قرار دیا ہے۔ جبکہ عورتوں پر جنگ و جہاد واجب نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ کبھی خدا نے عورت کی حفاظت اور نگہبانی کے لئے بھی جہاد کو مرد پر لازم و واجب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ راہ خدا میں، ناچار مردوں، عورتوں اور بچوں کے حق میں جہاد نہیں کرتے (نساء/۷۵)۔

یہ وہ چیز ہے جو ہمیں قرآن کریم سے حاصل ہوتی ہے اور اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ خداوند عالم نے مردوں کو عورتوں پر برتری دی ہو۔ چنانچہ ممکن ہے کہ ایک مرد لاکھوں عورتوں سے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے روز قیامت خدا کے نزدیک ایک عورت لاکھوں مردوں سے بہتر ہو۔

اور اس کے بعد ہمارے لئے رسول خدا کا اسوہ حسنہ ہے۔ جنہوں نے عورتوں کے ساتھ وہ نیک برتاؤ کیا کہ جس کی نظیر دنیا نے نہیں دیکھی۔ آنحضرتؐ نے اپنی تمام عمر میں کسی بھی زوجہ کی پٹائی نہ کی مگر چہ ان میں بعض سے خوش نہ تھے۔ اور ہمیشہ عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کو احسان کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ ان باتوں کے باوجود مسلمانوں میں آج بھی جاہلیت کا وہ جذبہ باقی ہے۔

آپ آج کل سنتے ہوں گے کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو صرف اس لئے

طلاق دے دی کہ اس نے لڑکا نہیں پیدا کیا۔ اور آج قرآن کے صرف اس نعرہ کو مرد زیادہ بلند کرتے ہیں ﴿واضربوهن﴾ ان کی پٹائی کرو۔ یا یہ کہ عورت فتنہ ہے! یہ شیطان ہے! ذلت و رسوائی کا سبب ہے!

عورت کو ہم مسلمانوں کے درمیان آج بھی پسماندہ رکھا گیا ہے۔ اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ تعلیم حاصل کرے اور بعض اجازت نہیں دیتے کہ باپ کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلے یہاں تک کہ شوہر کے گھریا پھر قبر کی طرف جائے۔ اور بعض جھوٹی یا ضعیف حدیثیں جو انوں اور روشن خیال افراد کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: عورت کے لئے بہترین چیز یہ ہے نہ کوئی مرد اسے دیکھے اور نہ وہ کسی مرد کو دیکھے۔

یہ کون سی آئیڈیالوجی ہے جو قرآن کی سراسر مخالف ہے۔ اس لئے کہ قرآن نے عورت کو آزادی دی ہے اور اسے بھی مردوں کی طرح حقوق بخشے ہیں وگرنہ کیا معنی تھا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

اے رسولؐ! مومنین سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو نا محرموں سے بچائیں اور اپنے دامن کو (حرام) سے محفوظ رکھیں اور یہ ان کے لئے بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے۔

اور جو کچھ وہ کرتے ہیں خداوند عالم اس سے آگاہ اور واقف ہے اور مومنہ عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نا محرموں سے بچائیں اور اپنے دامن کو محفوظ رکھیں اور اپنے بناؤ سنگسار کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہو۔ (نور/۳۰، ۳۱)

اور یہ عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی آزادی پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ (اس سے مراد عورت کا اصل باہر نکلنا ہے نہ کہ شوہر کی اجازت کے بغیر کہ یہ ناجائز ہے) اور اگر ان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر اپنی نگاہوں کو نا محرموں سے بچائیں اور دامن عفت کو محفوظ رکھیں تو مردوں کا بھی یہی فریضہ ہے۔

لیکن افسوس اسلامی سماج میں آج بھی جاہل عربی فکر نظر آتی ہے۔ اور قرآن نے مسلمانوں کے لئے جس مرتبہ کا اقرار کیا تھا انھوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا اور سارے حقوق اپنے لئے مخصوص کر لئے۔ عورتوں کو حتیٰ کہ ان کے شرعی حقوق سے بھی محروم کر دیا۔ اور ان کے لئے کچھ بھی باقی نہ چھوڑا۔

میں مبالغہ سے کام نہیں لیتا اگر کہوں کہ ہماری پسماندگی کا سبب وہ ظلم ہے جسے ہم نے اپنی عورتوں پر روا رکھا ہے اور ان پر تمام دروازے بند کر دیے ہیں یعنی نہ ثقافت، نہ تعلیم، نہ ارتباط۔ نہ باہر جانا، نہ آزادی، نہ انھیں اختیار ہے کہ وہ اپنے شریک زندگی کا خود انتخاب کریں۔ زیادہ دور کی بات نہیں ہماری عورتیں شادی تو کرتی تھیں لیکن انھیں انتخاب و اختیار کا حق حاصل نہ تھا اور پھر اختیار ہوتا بھی تو کس طرح وہ کسی کو پہچانتی ہی نہ تھیں۔ (۸۳)

اسی طرح عورت کو شب زفاف یہ پتہ چلتا کہ اسے ایسا شوہر نصیب ہوا ہے جو اس کے باپ کا ہم عمر ہے اور وہ مجبوراً اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتی ہے۔ ساتھ ہی اپنی بد قسمتی پر گریہ و غصہ کرتی اور اس کے جواب میں اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے تمہارے لئے یہی چاہا ہے۔ لہذا سوائے صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے! اور وہ بھی دودھ دینے والی گائے کی طرح بچہ دینے، دودھ پلانے اور ان کی تربیت کرنے میں مشغول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے شوہر کو زیادہ بچے اچھے لگتے ہیں۔

زیادہ عرصہ نہیں گذرتا کہ میاں بیوی کے درمیان شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شوہر اس سے عمر میں کافی بڑا ہوتا ہے اور اس کی شرعی ضرورت کو پورا کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ غالباً شوہر بھی اسے ترک کر دیتا ہے۔ اور خواہشات کے طوفان کے مقابل اسے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس اندیشہ کے پیش نظر کہ اس کی خوبصورت اور جوان بیوی پر کسی کی نظر نہ پڑے اس کے گھر سے باہر نکلنے پر مکمل

پابندی لگا دیتا ہے تاکہ نہ وہ کسی کو دیکھے اور نہ ہی اسے کوئی دیکھے۔

لیکن بہر حال ہمیشہ یہ صورت باقی نہیں رہتی اور جنسی خواہش اس عورت پر غالب آتی ہے اور پہلی فرصت جو اس کے ہاتھ لگتی ہے (خواہ رد عمل کے عنوان سے ہی کیوں نہ ہو) غیر مرد کے ساتھ ناجائز عمل کی مرتکب ہوتی ہے۔ بلکہ ممکن ہے شادی شدہ عورتیں عاشق و محبوب رکھتی ہوں۔ اسی طرح شادی شدہ مرد بھی غیر عورتوں کے ساتھ ناجائز روابط رکھتے ہوں اور اس حرام راہ سے بے گناہ بچے پیدا ہوں۔ اور سماج کو مشکلات اور فساد و تباہی میں مبتلا کر دیں اور اس طرح عظیم انسانی اقدار یا مال ہو جاتے ہیں اور اسلامی سماج کی فضیلت فنا ہو جاتی ہے۔ خیانت بڑھنے لگتی ہے، زنا، فحاشی، رذیلیت، بدبختی، بربادی، فضیلت و اعلیٰ اقدار کی جگہ لے لیتی ہیں۔

انفس یہ وہی چیز ہے جو ہمارے سماج میں پیدا ہو گئی ہے ہمیں اس درونک حقیقت پر توجہ دینی چاہیے اور شتر مرغ کی طرح اپنی گردن کو ریت میں چھپانے اور آنکھوں کو بند رکھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

میں نے جس روز سے اسلام کو پہچانا ہے اور سمجھا کہ بہترین شریعت یہی ہے، اسی روز سے عورتوں کی آزادی کے لئے فریاد کر رہا ہوں۔ اور تمام کانفرنسوں، نشستوں اور تحریروں میں عورتوں کی ترقی کا خواہاں رہا ہوں اور وہ اس لئے کہ انسانی سماج کا آدمے سے زیادہ حصہ عورتوں پر مشتمل ہے۔ لہذا اگر آدھا سماج مفلوج ہو جائے گا اور معاشرہ کا آدھا حصہ اپنے فریضہ کو انجام دینے سے قاصر ہوگا تو نابود ہو جائے گا۔ کیونکہ جس بدن کا ہاتھ اور پیر مفلوج اور ناکارہ ہو جائے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔

عورتوں پر معاشرہ کا ظلم یہ ہے کہ ہم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ ہم کس طرح مردوں کی جنسی خواہش کو پورا کر سکتے ہیں۔ اور ﴿مسد باب الذرایع﴾ کے

عنوان سے فحاشی کے عمومی مراکز مردوں کی شہوت رانی کے لئے کھول دیئے گئے ہیں۔ اور بجائے اس کے اس کو قبیح اور برا سمجھیں، ایسی جگہوں پر جانے کو اپنی مردانگی کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے دوستوں کے درمیان ایسی جگہ پر آمد و رفت پر فخر و مباحات کرتے ہیں۔ ان بیچاری عورتوں سے ہم بستہ ہوتے ہیں اور جس وقت گھر پلٹتے ہیں اور اپنی بہنوں کو کھڑکی سے لوگوں پر نگاہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ان کے سروں پر قیامت چاڑھتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے مردانہ لات و بکے سے ان کی ہڈی پہلی برابر کر دیتے ہیں۔

یہ کیسے فقیہ ہیں جن کو ان مردوں کی جنسی خواہش کی تکمیل کی تو فکر ہوتی ہے لیکن انہوں نے ان عورتوں کی خواہش کی تکمیل کو نظر انداز کر دیا؟ یہ کیوں انصاف نہیں کرتے۔

میں عورتوں کے لئے ہرگز مغربی طرز کی آزادی کا خواہاں نہیں ہوں۔ مغرب تو فاسد و فاسد ہے اور کسی بھی انسانی و اخلاقی اقدار کا قائل نہیں بلکہ مطلق آزادی کا معتقد ہے!

لیکن میں معتقد ہوں کہ خدا اور رسولؐ نے عورت کے لئے جو حدود و معین کی ہیں یعنی حجاب، عفت، حرام سے نگاہوں کو بچانا اور دامن کو محفوظ رکھنا، باپ کے گھر میں جو حقوق بھائی کو حاصل ہیں وہی بہن کو حاصل ہیں، اسی طرح گھر میں جو حقوق شوہر کو حاصل ہیں وہی بیوی کو بھی حاصل ہیں، اور اگر ہم اس کے قائل ہو گئے تو گویا ہم نے خود کو اور سماج کو پسماندگی سے نجات دیدی۔

لیکن (اہل سنت فقہاء) اگر صرف مردوں کا خیال کریں اور انھیں عورتوں کے انتخاب میں تو آزاد رکھیں اور عورتوں کا کوئی خیال نہ رکھیں تو یہ کھلی ہوئی بے انصافی ہے۔

اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ کیا اسلام نے بھی یہی رویہ برتا ہے؟ کیا اسلام نے جن چیزوں کو مردوں کے لئے مباح جانا ہے اسے عورتوں کے لئے حرام قرار دیا ہے؟

جنسی مسائل کے متعلق رسول اسلامؐ کے کثرت سے ارشادات موجود ہیں اس مشکل کے حل بھی بیان فرمائے ہیں جس کے ذریعہ اسلامی سماج کو فساد و فحاشی سے محفوظ کیا جاسکتا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا:

اے جوانوں! جو بھی شادی کر سکتا ہے اسے شادی کر لینی چاہیے اس لئے کہ حرام سے دامن اور نگاہوں کو بچانے کے لئے (یہی) بہتر ہے اور جو شادی نہیں کر سکتا اسے روزہ رکھنا چاہیے۔ (صحیح بخاری/ج ۷، ص ۳ کتاب النکاح)

یہ ان جوانوں کے لئے راہ حل ہے جو شادی کر سکتے ہیں۔ پس جو بھی شادی کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس نے اپنے جنسی غریزہ کو محفوظ کر لیا اور شادی دونوں کے لئے راہ حل ہے۔ لیکن جو جوان شادی نہیں کر سکتے ان کی مشکل ویسے ہی اپنی جگہ پر برقرار ہے۔ اور جب آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایسے جوان موجود تھے جو شادی کے لئے مالی امکان نہ رکھتے تھے جبکہ اس زمانہ میں شادی خرچ کے بغیر اور سادہ ہوا کرتی تھی، تو پھر آج کے جوان کے لئے کیا کہیں؟

آج شادی بہت مشکل ہے اس لئے کہ:

جوان چاہے لڑکا ہو یا لڑکی کم از کم ۲۵ سال تک تحصیل علم میں مشغول رہتا ہے اس کے بعد اسے کسی کام کی تلاش ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی زندگی کے اخراجات پورے کر سکے۔ پھر اس کے بعد ایک گھر کو آمادہ اور تیار کرنا ہوتا ہے جس میں زمانہ کے لحاظ سے پورے وسائل موجود ہوں، پس کم از کم پانچ سال مسلسل تلاش و کوشش کرنی پڑتی ہے تاکہ وہ شادی کر سکیں اس صورت میں شادی کے لئے جو سن ہوگا وہ ۳۰ سال ہے۔ پس وہ جوان مرد یا عورت جو ۱۵ اور بارہ

سال سے ہی شادی کے لحاظ سے جنسی غریزہ کی تدرت رکھتے ہیں لیکن ۳۰ سال تک شادی نہیں کر سکتے اس طولانی مدت میں کیا کریں؟ اگر یہ کہیں کہ وہ اس مدت میں راہب ہو گئے اور زہد سے کام لیا اور اصلاً جنسی غریزہ کی فکر میں نہ تھے تو ہم نے اپنے آپ سے جھوٹ بولا۔ اس لئے کہ وہ بشر ہیں فرشتے نہیں ہیں۔ اور خاص کر اس زمانہ میں کہ جب زن و مرد کا ملنا جلنا بشری زندگی کی ضرورت بن چکا ہے۔ اس لئے کہ یونیورسٹیوں میں دونوں ہی ایک جگہ پڑھتے ہیں۔ کم سنی سے قطع نظر کہ وہاں بھی خلط ملط ہیں پھر کیا ہوگا؟

اس کا نتیجہ طالب علم بھی جانتا ہے، استاد بھی جانتا ہے اور اہل خانہ بھی!

راہ حل، موقت شادی (متعہ)

جیسا کہ ہم نے دو نمازوں کو یکے بعد دیگرے پڑھنے کے بیان میں عرض کیا تھا کہ خداوند عالم بشر کا خالق ہے اور وہی انسان کا پالنے والا ہے، اور مہربانی و عطوفت کے تقاضے کی بنیاد پر چاہتا ہے کہ اس کے بندے آسانی اور آسائش کے ساتھ زندگی گزاریں وہ انھیں مصلحتوں اور فائدہ کی ہدایت کرتا ہے اور فرماتا ہے:

﴿إِلَّا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

کیا اس جہاں کا خالق نہیں جانتا جب کہ وہ خلقت کے تمام اسرار سے

آگاہ ہے۔ (ملک/۱۲)

لہذا عقل کیسے تصور کر سکتی ہے کہ خدا انسان کو مجبور بنائے اس میں شدید جنسی خواہش پیدا کرے اور اس کے بعد اسے خواہش کی تکمیل کے جرم میں سنگسار کرنے یا کوڑے لگائے جانے کا حکم دے۔

کیا اس بات کا امکان ہے کہ ہم اس طرح کے احکام کو بیان کرنے کے بعد لوگوں کو اسلام کی طرف بلا سکیں؟ اور لوگوں سے کہہ سکیں کہ خدا لطف کرنے والا اور مہربان ہے؟ یا خدا اپنے بندوں کے لئے آسانی چاہتا ہے؟ یا خدا ہر شخص کو اس کی قوت کے مطابق فرائض سپرد کرتا ہے؟ یا دین میں ہمارے لئے مشکل و مشقت قرار نہیں دی گئی؟ جب کہ ایسی بڑی مشکل کے لئے کوئی راہ حل پیش نہ کی گئی ہو؟

قبل اس کے کہ ہم دوسروں کو اس حقیقت کا قائل کریں کیا ہم خود قائل

ہو گئے ہیں؟ نہیں! اور ہزار بار نہیں! اس لئے کہ ممکن ہے جنسی عمل زور زبردستی کے ساتھ نہ ہو بلکہ زن و مرد کے مابین عشق و محبت بھی ہو اور ان میں مکمل موافقت اور رضامندی بھی پائی جاتی ہو چنانچہ اس صورت میں کسی کو نقصان بھی نہ ہوگا اس لئے کہ وہ احتیاط سے کام لیں گے کہ حمل و ولادت کا مسئلہ پیش نہ آئے۔ پس ایسا شخص کیوں قتل کیا جائے جبکہ اس نے ایک عورت کی جنسی خواہش کو پورا کیا ہے جو شادی نہیں کر سکتی ہے اور اس کی حیا و عفت کو زنا و فحاش گری سے باز رکھا ہے۔ اور خصوصاً اس وقت جب کہ ہم عورتوں پر اپنے سانچ کے ظلم و ستم کا اعتراف کرتے ہیں۔

لہذا اس میں شک نہیں کہ جس خدا نے مسافر اور مریض کو ماہ رمضان روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے یا مسافر کو اس بات کی اجازت ہے کہ نماز کو قصر یا بعض اوقات بیٹھ کر یا لیٹ کر یا مسلمان کو اس کی اجازت ہے کہ پانی نہ ملنے پر نماز کے لئے تیمم کرے اور مین مطہر کو سجدہ گاہ قرار دیا ہے یا اسی خدا نے اجازت دی ہے کہ مسلمان جان، مال، ناموس کی حفاظت کے لئے کفر کا اظہار بھی کر سکتا ہے یا اسی نے اجازت فرمائی ہے کہ ماہ رمضان کی شبوں میں مسلمان اپنی زوجہ سے ہم بستر ہو۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عورت و مرد دونوں کے لئے مشکل ہے کہ ایک ماہ تک صحت نہ کریں۔

لہذا اس نے فرمایا ہے:

تمہارے لئے جائز اور حلال ہے کہ ماہ رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مباشرت کرو۔ وہ تمہارا لباس اور تم ان کے لباس ہو۔ خداوند عالم کو علم ہے کہ تم (اس کام میں) نافرمانی کر کے اپنے نفس کو گناہوں میں ڈھکیل دیتے ہو۔ لہذا اس نے (ماہ رمضان کی شبوں) میں حرمت کے حکم سے درگزر کی اور تمہارے گناہ بخش دیئے پس اب تم اپنی زوجہ کے ساتھ ماہ رمضان کی شبوں میں (حلال طور پر) مباشرت

کر سکتے ہو۔

(بقرہ/ ۱۸۷)

پس جب ایسا ہے تو جس خدا نے اس جنسی خواہش کو خود خلق فرمایا اور اس کے بیجان و انقلاب سے اچھی طرح واقف ہونے کے ساتھ سماج کی دیرانی میں اس کے خطرناک نتائج کے متعلق دوسروں سے زیادہ واقف ہے تو کیا خود اس نے سکوت اختیار کر رکھا ہے؟

اگر خدا نے عورت کو مرد کے لئے اور مرد کو عورت کے لئے خلق کیا ہے تاکہ ذہنی اطمینان اور روحی سکون حاصل ہوا

اگر خدا نے عورت و مرد کو مٹی سے خلق کیا اور ان کو ایک دوسرے کا ہمسرہ بنایا ہے تاکہ قلبی سکون حاصل ہو! (۸۳)

تو اس کا مطلب ہے خداوند عالم نے اس خواہش کی تکمیل کے لئے جائز راہ حل بھی معین کی ہے تاکہ دونوں (مرد و عورت) محبت و عشق کے ساتھ ایک پر سکون زندگی گذاریں۔

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق نظر ہے کہ خدائے رحیم نے اپنے بندوں (عورت و مرد) کو اپنے لطف، رحم اور کرم کا مورد قرار دیا ہے اور انہیں موقت شادی (متعہ) کی اجازت فرمائی ہے۔ اور یہ الٰہی رحمت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اس لئے کہ اصحاب اپنی ان تمام پارسائی و تقویٰ کے باوجود جنسی غریزہ کے شدید بیجان پر صبر و تحمل نہ کر سکے اور آنحضرتؐ سے شکایت کی اور آنحضرتؐ سے خود کو نامرد بنانے کے اجازت طلب کی۔

بخاری نے اپنی صحیح میں قیس بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ہم ایک غزوہ میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے لیکن ہماری بیویاں ساتھ نہ تھیں۔ ہم نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، کیا آپ ہمیں اجازت دیتے

ہیں کہ ہم خود کو خسی بنالیں اور اپنی مردانگی ختم کر ڈالیں؟

تو آنحضرتؐ نے ہم کو سختی سے منع کیا اور پھر عورتوں سے موقت شادی (متعہ) کی ہمیں اجازت عطا فرمائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

اے ایمان والوں جن پاک و پاکیزہ چیزوں کو خدا نے تمہارے لئے

حلال کیا ہے اسے اپنے آپ پر حرام نہ کرو۔ (مائدہ/ ۸۷)، (۸۵)

اللہ اکبر! خدا کا شکر! خداوند عالم نے اپنے بندوں پر کس درجہ لطف و کرم کیا ہے اور ان پر کس قدر مہربان ہے۔ جو بندوں کو خود کو نامرد بنانے سے منع کرتا ہے اور اجازت دیتا ہے کہ عورتوں سے متعہ کریں۔ اور انہیں متعہ کو حرام کرنے سے منع کرتا ہے اس لئے کہ یہ ان طہیبات میں سے جس کو خدا نے ان پر حلال کیا ہے۔

یہ بندوں پر خداوند عالم کی مہربانی کی دلیل ہے کہ وہ خود کو نقصان نہ پہنچائیں اور خود کو نامرد نہ بنائیں کہ یہ حرام فعل ہے۔

اس بنا پر جنسی عمل آدمی کی فطرت کا حصہ ہے اور اس کو باقی رکھنا چاہیے اور بہتر طریقہ سے انجام دینا چاہیے۔ نہ یہ کہ اپنے آپ پر زبردستی کر کے اسے گھونٹ دیا جائے جو کہ جسمانی اور نفسانی امراض کے وجود میں آنے کا باعث ہوگا۔

البتہ یہ سارے مسائل انہیں حدود کے اندر انجام پانے چاہئیں جن کو خدا نے متعین کیا ہے اور پیغمبرؐ نے اس کے متعلق بیان کیا ہے۔

اور اب ہم ان سے کہتے ہیں کہ اس دعوے کو کوئی بھی عقل سلیم قبول نہ کرے گی۔ اس لئے یہ اجازت خداوند عالم کی جانب سے عطا ہوئی ہے جو مسلمان مرد و عورت کی جنسی خواہش کی مشکل کو حل کرتی ہے۔ کیا یہ مشکل حل ہوگئی ہے کہ اس اجازت کا خاتمہ ہو جائے؟ یا پھر رسولؐ کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ خدا نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسے حرام کر دیں؟ یا پھر ممکن ہے اسلامی شریعت

میں اجازت دی گئی ہو اور ایک حلال کا حکم دیا گیا ہو پھر خدا سے حرام کر دے؟
نہیں! خدا کی قسم ایسا نہیں ہے! خدا کی رحمت ہو! امیر المومنین حضرت علی
علیہ السلام پر کہ آپ نے فرمایا:

متعہ ایک رحمت ہے جس کے ذریعہ خداوند عالم نے اپنے بندوں پر رحم
فرمایا۔ اور اگر حضرت عمرؓ اسے منع نہ کرتے تو سوائے بدبخت و ردیہ
انسانوں کے کوئی زنانہ کرتا۔ (۸۶)

فی الحال ہمارا مقصد اس کی حلیت کو ثابت کرنا نہیں ہے اس لئے کہ ہم
نے اپنی کتاب، (بچوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں اسے ثابت کیا ہے۔ ہم تو صرف
یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل بیتؑ نے اسلام اور مسلمانوں کے حق میں شایان
تحسین، خدمات پیش کی ہیں۔ اور دین کو اس کے قیمتی مفہوم کے ساتھ محفوظ رکھا ہے
تاکہ ہر زمانہ میں وہ اپنا سراونچا رکھے اور ترقی کے ساتھ ہم آہنگ رہے۔
بہر حال مسلمانوں کو ایسی روش نہیں مل سکتی جو انھیں ہدایت و روشنی کی
طرف لے جائے اور اہل بیتؑ کے طرز و روش سے بہتر ہو۔ وہ مکتب کہ جو زمانہ
کے ساتھ چل رہا ہو اور ہر تمدن و ترقی سے متمدن ہو سوائے مکتب اہل بیتؑ کے
اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ مکتب ہے جسکی بنیاد قرآن اور پیغمبرؐ کی پاک سنت پر رکھی
گئی ہے۔

آیا جو شخص دین حق کی راہ دکھاتا ہے زیادہ حقدار ہے کہ اس کے (حکم
کی) پیروی کی جائے یا وہ شخص جو (دوسروں کی ہدایت تو درکنار) خود
ہی جب تک دوسرا اسے راہ نہ دکھائے، راہ نہیں دیکھ پاتا۔ تم لوگوں کو کیا
ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے ہو۔ (یونس/۳۵)

موقت شادی (متعہ) کے فائدے

موقت شادی بندگان خدا یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے رحمت ہے لیکن
جیسا کہ پہلے بھی ہم نے عرض کیا ہے کہ مرد مطلق آزادی کے مالک ہیں اور عمومی
مراکز (جس کی قانونی طور پر حمایت بھی ہوتی ہے) میں اپنی خواہش کی تکمیل بھی
کر سکتے ہیں حتیٰ کہ چار عورتوں کو اپنے دائمی عقد میں لاسکتے ہیں اور پھر ان کے
لئے موقت شادی کا امکان ہر جگہ اور ہر وقت ہے۔ لہذا میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ
موقت شادی جس کی خدا نے اجازت فرمائی ہے اس لئے ہے کہ عورتوں کے حقوق
مردوں کے برابر ہو جائیں۔ اس لئے کہ یہ شادی اس بات کی اجازت دیتی ہے
کہ عورت بھی ایک یا دو یا اس سے زیادہ شوہر اختیار کرے البتہ عدت اور دیگر
شرطیں جو کہ فقہائے مراجع کے توضیح المسائل میں موجود ہیں ان کو پورا کرنے کے
بعد۔ اس جگہ پر عورت و مرد کے درمیان فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد ایک وقت
میں چار عورتیں رکھ سکتا ہے لیکن عورت ایک سے زیادہ شوہر نہیں کر سکتی۔ اس لئے
کہ رحم میں دو مردوں کے مادہ منویہ کے مخلوط ہونے کا امکان ہے اور اس صورت
میں اگر حمل قرار پائے تو بچہ کے باپ کی تعیین نہیں ہو سکتی لیکن مرد کے لئے یہ
مشکل نہیں ہے چاہے اس کے پاس بیس عورتیں ہوں۔ (۸۷)

اور یہ بندوں کے درمیان خدا کی سنت ہے کہ اس کو ہم حیوانات کے
درمیان بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

کوئی زمین پر چلنے پھرنے والا (حیوان) یا اپنے دونوں پروں سے

اڑنے والا پر نہیں ہے مگر یہ کہ ان کی تمہاری طرح جماعتیں ہیں۔

(انعام/۳۸)

ایک روز ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے اگر ایسا ہے تو یا کہ عورت (جسے حیض آتا بند ہو چکا ہو) جو قطعاً حاملہ نہیں ہوتی، ایک وقت میں دو شوہر سے شادی کر سکتی ہے کیونکہ جو علت مانع تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔

ہم نے کہا: ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلامی احکام علت پر موقوف نہیں ہیں جو علت ساقط ہونے سے ختم ہو جائیں! اگر ہم کہیں کہ شراب اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ مست کر دیتی ہے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:

مستی کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ ہوتا کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس پر متوجہ ہو جاؤ۔ (نساء/۲۳)

تو اگر کوئی ایک یا دو گلاس شراب پیئے اور اس کی عقل پر اثر نہ ہو تو کیا شراب کی حرمت کا حکم ختم ہو گیا؟ نہیں! میرے عزیز دوست! زیادہ ہو یا کم نشہ آو تو نشہ آور ہے جب یہ زیادہ حرام ہے تو کم بھی حرام ہے۔

یا مثلاً ہم کہیں کہ سور کا گوشت اس لئے حرام ہے کہ وہ نجاست و کثافت ہے۔ تو کیا وہ اسرائیلیز کرنے سے حلال ہو جائے گا؟ اور پھر خداوند عالم کے احکام صرف ایک علت میں منحصر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ممکن ہے ہر چیز کے لئے متعدد علتیں ہوں اور انھیں سوائے خدا کے اور کوئی نہ جانتا ہو۔

لہذا احکام الہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے اور ان کی پوری پوری اطاعت کرنا چاہئے اس لئے کہ اس نے جو بھی حکم دیا ہے اس میں سوائے بندوں کی بھلائی اور کامیابی کے کچھ نہیں ہے:

کیا یہ لوگ تم سے بھی زمانہ جاہلیت کے سے حکم کی تمنا رکھتے ہیں حالانکہ یقین رکھنے والوں کے لئے حکم خدا سے بہتر کون ہوگا (مائدہ/۵۰)۔

یہ حکم خدا ہے جو وہ تمہارے درمیان ضاؤ کرتا ہے اور خدا بڑا واقف کار و حکیم ہے (ممتحہ/۱۰)۔

اس بنا پر مومنین کو چاہیے کہ آنکھ کان بند کر کے خدا کے حکم کی اطاعت کریں اور اسے دل و جان سے قبول کریں۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

اور نہ کسی ایماندار مرد کو یہ مناسب ہے اور نہ کسی ایماندار عورت کو کہ جب خدا اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اپنے اس کام (کے کرنے نہ کرنے) کا اختیار ہو اور (یاور ہے کہ) جس شخص نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا ہے۔ (احزاب/۳۶)

مومنین و مومنات کے اوپر فرض ہے کہ متعہ کے متعلق حکم خدا کو قبول کریں اور خدا کی اس بڑی رحمت پر شکر کریں خصوصاً عورت کہ اس وقتی شادی میں خدا نے تمام حقوق اس کے ہاتھ میں قرار دیئے ہیں اور مرد کو سوائے قبول یا انکار کے کوئی حق نہیں دیا ہے۔

دائمی شادی میں ہم بستری کا حق مرد کے ہاتھ میں ہے اور اگر شوہر نے عورت سے ہم بستر ہونا چاہا تو عورت کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے حتیٰ کہ وہ شرعاً مستحی روزہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں رکھ سکتی۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس جس وقت تم چاہو ان سے مباشرت کر سکتے ہو۔ (بقرہ/۲۲۳)

اسی طرح طلاق کا حق مرد کو دیا ہے۔

اے رسول، مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو تو ان کی عدت (پاکی) کے وقت طلاق دو (طلاق/۱)۔

اسی طرح عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرنے کا حق مرد کو دیا ہے اور فرمایا ہے:

اور اگر ان کے شوہر میل جول کرنا چاہیں تو وہ مدت (مذکورہ) میں ان کے واپس بلا لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ (بقرہ/۲۲۸)

نیز تین مرتبہ طلاق کا حق مرد کو دیا ہے۔

طلاق (رجعی جس کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے) دہی مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو شریعت کے موافق روک ہی لینا چاہیے یا حسن سلوک سے (تیسری دفعہ) بالکل رخصت۔ (بقرہ/۲۲۹)۔

دوسری جگہ پر فرمایا:

اور عورتوں سے اپنی خنی کے موافق دو دو اور تین تین اور چار چار نکاح کرو۔ (نساء/۳)

لیکن وقتی شادی (متعہ) میں ساری چیزیں عورت کے ہاتھ میں ہیں، اس میں وہ طے کرتی ہے حتیٰ خطبہ نکاح وہی پڑھتی ہے اور کہتی ہے: میں اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں قرار دیتی ہوں، معین مہر اور معین وقت کے لئے۔ (نیز وہ دیگر شرطوں کا اضافہ بھی کر سکتی ہے اور اس کے جواب میں مرد کو کہتا ہے کہ میں قبول کرتا ہوں یا رد کرتا ہوں۔ پس عورت ہی اس شادی کی تاریخ معین کرتی ہے اور وہی طلاق کی مدت کو بغیر کسی قید و شرط کے بیان کرتی ہے۔

اور اس وقت عورت جو شرط چاہے کر سکتی ہے مثلاً یہ شرط کرے کہ اس شادی کی تمام مدت میں تم مجھ سے الگ نہیں رہ سکتے یا یہ کہ ہنی مون مکہ مکرمہ میں منائیں گے۔

اہم یہ ہے کہ اس شادی میں عورت جو چاہے شرط کر سکتی ہے خداوند عالم فرماتا ہے:

جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انہیں جو مہر معین کیا ہے دے دو اور

مہر کے مقرر ہونے کے بعد اگر کم و بیش پر راضی ہو جاؤ تو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اور جان لو کہ خدا ہر چیز سے واقف اور حکیم ہے۔ (نساء/۲۳)

عورت کی شرافت کے لئے یہی بس ہے کہ نکاح متعہ خود اس کی جانب سے ہے اور اس کے ولی امر سے اس کا کوئی ربط نہیں، بالفاظ دیگر عورت خود مرد سے عقد کرتی ہے اور اس سے شادی کرتی ہے۔

لیکن افسوس مسلمان اس ازدواج کو صرف تنقید کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے بہت تھوڑے سے منفی پہلو پر تو نگاہ رکھتے ہیں لیکن اس کے بہت سے مثبت پہلو کو نہیں دیکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر کام کے مثبت اور منفی پہلو ہیں اور چونکہ یہ ازدواج حضرت عمرؓ بن خطاب کے زمانہ سے کھل کر سامنے نہ آ سکا اس لئے عمل کی منزل میں نہ آیا یہی وجہ ہے کہ بعض اسے زنا سمجھتے ہیں اور اسے تعجب و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ متعہ دراصل ایک برا کام ہے ہرگز نہیں! افسوس کہ لوگ اسے نہیں سمجھتے اور عمل نہیں کرتے۔

بطور مثال دو نمازوں کو یکے بعد دیگرے پڑھنا یا خُس دینا یا پیر کا مسح، جبکہ یہ تینوں چیزیں قرآن میں ہیں اور رسولؐ نے ان پر عمل کیا ہے اور اس کا حکم دیا ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس سے بے خبر ہیں اور تعجب کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس سے آشنا نہ تھے اور انہیں پہلے سے اس کی واقفیت بھی نہ تھی۔

تعجب تو اس بات پر ہے۔ کہ زنا پر اس درجہ حیرت نہیں کرتے جتنا متعہ پر کرتے ہیں حتیٰ کہ ایک برے کردار والی لڑکی نے ایک جوان سے زنا کرنے کو کہا تو اس جوان نے زنا سے گریز کرتے ہوئے کہا آؤ اس کے بجائے متعہ کر لیں تو عورت نے قبول نہ کیا اس لئے کہ وہ اس قسم کی شادی سے واقف نہ تھی۔

تحصیل صرف ساتھ بیٹھے، دوستی، یا پھر ہم بستر ہوئے بغیر لذت اٹھانے کی غرض سے وقتی شادی کر لیں تو پھر اس کے بعد اگر چاہیں تو دائمی نکاح بھی کر سکتے ہیں اس صورت میں وقتی شادی (متحدہ) ان دونوں کو ایک دوسرے سے آشنا ہونے کا موقع فراہم کرے گی۔ اور راستے کی تمام رکاوٹوں کو ختم کر دے گی۔

اس طرح یہ عقد ان کے لئے راحت و آسائش کے اسباب فراہم کر دے گا، وہ آسانی کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں گے۔ اور اس صورت میں ان کا ضمیر بھی مطمئن ہوگا نیز انھیں خدا کی رضائیت بھی حاصل رہے گی اور وہ دیگر طالب علموں کے اعتراض سے بھی محفوظ ہو جائیں گے۔

لیکن افسوس یونیورسٹی کی طالبہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ منتقل ہوتی رہے۔ اور اس کے پرس میں دسیوں عشقیہ خط موجود ہوں یا دیگر رسوائی کی چیزیں۔ یا پھر جوان لڑکے، لڑکیوں کے مقدّر سے کھیلتے رہیں اور سب کو آلودہ کرتے رہیں اور ان کے مستقبل کو کھلونا بنالیں اور ان کے جذبات کے ساتھ ان کے گھر والوں کے جذبات کا بھی مذاق اڑائیں۔ وہ بس اتنا سوچتے ہیں کہ یہ لڑکی دوران تحصیل علم ان کی دوست تھی اور اس کا زمانہ ختم ہوتے ہی وہ اپنی راہ جائے گی اور یہ اپنی راہ۔ خواہ اس کی طرف دسیوں انگلیاں اٹھیں یا اسے دسیوں حل نہ ہونے والی نفسیاتی مشکلات کے ساتھ گھر روانہ کر دیں اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں!!

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جھوٹے وعدے بھی ہوں، خیانتیں بھی ہوں جس کا نتیجہ سماج کے اندر سوائے کینہ، کدورت اور انتقام کی راہ کھلنے کے اور کچھ نہ ہوگا۔ لہذا اس طرح کا رابطہ معقول نہیں ہے!

۲۔ وہ مسافر جو بیوی کے بغیر طویل مدت تک سفر میں رہتا ہے، اگر صبر کر سکتا ہے تو کرنا چاہیے ورنہ اسے وقتی شادی (متحدہ) کرنا چاہیے جو کہ اس کے لئے

صبر و قرار کا باعث ہوگا۔ اور بلاشبہ بیوی اس بات کی اجازت دے گی اس لئے کہ وہ اپنے شوہر کو اچھی طرح پہچانتی ہے اس کا شوہر ہر روز طوائف اور بازاری عورتوں کے پیچھے جائے جو اس سے پیسہ بھی لیں اور خطرناک امراض بھی اسے منتقل کریں اس سے اس کے لئے کہیں بہتر ہوگا کہ اس کا شوہر شریف و پاکدامن عورت سے عقد کر لے جو اس کی شرافت کو محفوظ بھی رکھے گی۔ وقتی شادی کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ عورت عدت کے مکمل ہونے سے پہلے دوسری شادی نہیں کر سکتی یعنی (دو حیض یا دو ماہ تک اسے دوسرا شوہر اختیار کرنے کا حق نہیں ہے) لہذا یہ عقد سوائے طہارت، پاکدامنی اور شرافت کے اور کچھ نہیں ہے۔

۳۔ یہ عقد ان لڑکیوں کی مشکل کو بھی حل کرتا ہے جو شادی کے سن کو تو پہنچ چکی ہیں لیکن انھوں شادی نہیں کی ہے انھیں اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ حلال راستے سے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کریں۔

۴۔ یہ عقد بیوہ عورتوں کی بھی مشکل کو حل کر دیتا ہے کہ جو اپنے بچوں یا پھر دیگر اسباب کی بنیاد پر دائمی عقد نہیں کر سکتیں۔

۵۔ ہمارے عربی اسلامی سماج میں اکثر یہ اتفاق ہوا ہے کہ ایک خوبصورت بیوہ عورت ایسے جوان پر عاشق ہوتی ہے جو اس کے لڑکے کی عمر کا ہے اور افسوس! یہ جوان بھی اس کے ذریعہ جنسی مسائل سے واقف ہوتا ہے۔ ممکن ہے وہ حرام صورت میں ایک ساتھ رہتے اور ہم بستر ہوتے ہوں، وقتی شادی (متحدہ) ان کی اس معاشرت و معاشرت کو حلال کر دیتی ہے اور ان کی آبرو کو محفوظ رکھتی ہے۔

۶۔ وہ عورت جو سفر کرنے سے ڈرتی ہے یا بعض ممالک صرف اس صورت میں اپنے یہاں آنے کی اجازت دیتے ہیں جب ساتھ میں کوئی محرم ہو۔ تو یہ عورتیں صرف سفر کی غرض سے وقتی عقد (متحدہ) کر سکتی ہے اور یہ عقد بغیر کسی جنسی اختلاط کے ایک مصلحت کے لئے ہو سکتا ہے۔

۷۔ وہ شخص جس نے کسی عورت کو گھر کے کاموں میں بیوی کی مدد کرنے کے لئے رکھا ہے اسلام اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اسے ہاتھ لگائے یا بے پردہ اس کے رو برو ہو۔ اس لئے کہ شاید بے پردگی اسے کام سے روک دے لیکن یہ شخص اپنے چھوٹے بچے سے اس کا وقتی عقد کر کے اسے اپنے لئے محرم بنا سکتا ہے اور پھر بے پردگی کی مشکل نہ ہوگی۔

۸۔ اگر کوئی لڑکی جو درس و بحث یا زبان وغیرہ سیکھنے کی غرض سے کسی نامحرم جو ان کے ساتھ تنہائی کے لئے مجبور ہے تو اسلام اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ وہ نامحرم ایسی جگہ ہوں جہاں کوئی اور نہ ہو۔ روایت میں ہے کہ کوئی بھی مرد و عورت ایسے نہیں جو ایک ساتھ تنہائی میں ہوں اور ان میں شیطان تیسرا نہ بنا ہو۔

وقتی عقد (متحد) اس مشکل کو حل کر دیتا ہے حتیٰ کہ اسے اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے کہ وہ حجاب کو اتار دے۔ اہم یہ ہے کہ عورت جو چاہے شرط کر سکتی ہے۔

دیگر مختلف موارد موجود ہیں کہ ان میں متحدہ واقعا لوگوں کے لئے ایک رحمت ہے جس کی وجہ سے لوگ حرام سے محفوظ رہتے ہیں اور اسلامی سماج بھی ہر جہت سے پاک و پاکیزہ رہتا ہے نیز جسمانی و نفسیاتی امراض بھی دور رہتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ نسلوں کی عزت و آبرو محفوظ رہتی ہے۔

اے رسول کہہ دیجئے خداوند عالم برے اور فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا تو کیا جس کے بارے میں تم نہیں جانتے خدا پر (جھوٹ) باندھتے ہو۔ (اعراف/۲۸)

خدا نیکی، عدل اور اپنوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیتا ہے اور فحاشی، ظلم اور سرکشی سے روکتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پاؤ (خل/۹۰)

حضرت مہدیؑ

عام طور سے مسلمان ماضی و حال دونوں میں ایک نجات دینے والے کے آنے کے معتقد ہیں جو انھیں ان کی عزت و شوکت اور ان کی عظمت کو پلٹا دے اور جن چیزوں کو ظالموں نے تباہ کر دیا ہے ان کی اصلاح کر دے۔ وہ دین کی نشانیوں کو امت کے لئے پھر سے ظاہر کرے گا۔ اور یہ نجات دینے والا مصلح، حضرت مہدی منتظر (سلام اللہ علیہ) ہیں جن کے متعلق ان کے جد رسول اکرمؐ نے بشارت دی ہے اور فرمایا ہے:

اور دنیا کا وجود صرف ایک روز کے لئے رہ جائے تو بھی خدا اسے اس درجہ طولانی کر دے گا کہ اس میں حضرت مہدیؑ جو میری اولاد میں سے ہیں انھیں ظاہر کرے۔ ان کا نام میرے نام پر ہے وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جبکہ وہ ظلم و ستم سے بھر چکی ہوگی۔ (۸۸)

بشریت کا یہ نجات دہندہ جو انبیاء کی راہ کو آگے بڑھائے گا اور اسے کمال کی منزل پر پہنچائے گا تاکہ نور خدا اس کے ہاتھوں پوری طرح پھیل جائے، اس کا انتظار تینوں مذاہب (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) کر رہے ہیں اور بہت سی روایات جو مورد تائید ہیں اس کے متعلق بیان کرتی ہیں۔ اور یہ جو ہم معتقد ہیں کہ شریعت محمدیؐ آخری شریعت اور آخری آئین ہے آنحضرتؐ کی ہی نسل سے اور بارہ اماموں کی آخری فرد ہیں اور حضرت عیسیٰؑ ان کی عظمت کی خاطر ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

یہاں ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم حضرت مہدیؑ کے متعلق تاریخی اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں بحث کریں اس لئے کہ اس کے متعلق ہم نے اپنی کتاب (بچوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں بحث کی ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق دیگر بہت سے کتابیں بھی لکھی گئی ہیں (۸۹)۔

ہم یہاں صرف عقائد اور احکام میں اہل بیتؑ کے نظریات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے نظریات جو موجودہ زمانہ کی ترقی اور حالات کے ساتھ سازگار ہیں۔

مادی مسائل و مشکلات نے کسی حد تک یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے آنکھ کان بند کر دیئے ہیں اور ان کو دین سے دور کر دیا ہے گویا وہ اپنی زندگی میں المادی، مادی اور غیر جانبدار نظریات میں گرفتار ہیں۔ انکا معنوی اور روحی عقیدہ کمزور پڑ گیا ہے لہذا وہ ایسی راہ حل کی تلاش میں تھے اور انھیں یہ راہ صرف آسانی بشارتوں میں نظر آئی۔

اس کے علاوہ وہ خونی جنگیں جنھوں نے بشریت کو ناقواں اور کمزور بنا دیا ہے خصوصاً وہ افراد جو ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں بھوک سے موت کی بھیشت چڑھ رہے ہیں لیکن ظالم ذرا بھی باز نہیں آتے بلکہ ان کی حرکتوں میں مزید تیزی آ جاتی ہے وہ اور زیادہ تباہی اور ویرانی پھیلانے والے جدید ہتھیار تیار کرتے ہیں اور قوموں کو ثقافتی، معاشی اور تکنیکی مراحل میں اپنا غلام بناتے جا رہے ہیں۔

اگر آرزو نہ ہوتی اور مستقبل کے بہتر ہونے کی امید نہ ہوتی کہ جس میں اسے عدالت و امن و امان و شرف حاصل ہوگا تو نہ اس دنیا اور اس کی زندگی میں کوئی لذت ہوتی اور نہ ہی کوئی مفہوم ہوتا۔

اور اگر مسلمانوں کا خداوند عالم پر ایمان نہ ہوتا کہ اس نے اپنے دین کی

مدد کا وعدہ کیا ہے تاکہ اسے دیگر ادیان پر فوقیت حاصل ہو تو ناامیدی اور مایوسی لوگوں پر چھا جاتی اور وہ گھانا اٹھانے والوں میں ہوتے۔ لیکن یہ ایمان ہے جو نشاط، زندہ دلی، اچھے کل کی آرزو اور زندگی سے محبت کو انسان میں باقی رکھتا ہے۔ اور ان کو مشکلات و پریشانی میں شدت کے بعد اس کے خاتمہ کے لئے ظہور کے انتظار پر آمادہ رکھتا ہے۔

یہی وہ حضرت مہدیؑ ہیں جو مسلمانوں اور انسانیت کی آرزو ہیں۔ ان کے اوپر ایمان رکھنے پر دوسروں کو ہرگز مذاق نہیں اڑانا چاہیے خداوند عالم فرماتا ہے:

اے پیغمبر! میرے ایمان دار بندوں سے کہہ دیجیے جنھوں نے (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں (تم لوگ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے اور اپنے اسی پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اسی کے فرمانبردار بن جاؤ اس وقت سے قبل کہ تم پر عذاب آنا نازل ہو اور پھر تمہاری مدد نہ کی جاسکے اور جو اچھی باتیں تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہیں ان پر چلو اس کے قبل کہ تم پر یکبارگی عذاب نازل ہو اور تم کو اس کی کوئی خبر بھی نہ ہو) کہیں ایسا نہ ہو) کہ (تم میں سے) کوئی شخص کہنے لگے کہ:

ہائے افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے خدا (کی بارگاہ) کا تقرب حاصل کرنے میں کی اور میں تو بس ان باتوں پر ہنستا ہی رہتا تھا۔ (زمر/۵۶، ۵۳)

اہل بیتؑ کی کتاب

﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾

اہل بیتؑ، صاحب کرامت ہیں اور اس وقت بھی ان کی کرامات جاری و ساری ہیں اور مختلف جگہوں پر ہم شیعوں کو اہل بیتؑ کی کرامات بیان کرتے ہوئے سنتے ہیں، ایسی کرامات جن کے وہ خود شاہد و ناظر رہے ہیں۔ اور پھر ایسا کیوں نہ ہو یہ ہدایت کرنے والے ائمہؑ، خدا کی علامتیں اور تاریکی کے چراغ ہیں۔ اگرچہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنے زمانہ میں ان کی قدر و منزلت کو نہ پہچانا لیکن ہمیں یہ بتایا کہ یہ خدا کے نزدیک عظیم شان و مرتبہ کے حامل ہیں۔ اس لئے کہ خود انھوں نے رسولؐ کے چچا جناب عباسؓ سے توسل کیا۔ جبکہ عباسؓ ان میں سے نہیں ہیں جن سے اللہ نے ہر نجاست و پلیدی کو دور کیا ہو۔ اور پاک و طاهر قرار دیا ہو اور نہ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر درود بھیجتا خدا نے اسی طرح واجب کیا ہے جیسے اپنے رسولؐ پر واجب کیا ہے۔ نہ ہی ان میں سے ہیں جن کی محبت و مودت کو خدا نے مسلمانوں پر واجب اور فرض قرار دیا ہے۔ وہ ان میں سے بھی نہیں ہیں کہ خدا نے انھیں علم کتاب عطا کیا ہے۔ اور قرآن میں ان پر سلام کیا ہے۔ اور فرمایا ہو ﴿سلام علی ال یاسین﴾ وہ ان ائمہؑ میں بھی نہیں جن کی پیروی رسولؐ نے اپنی امت پر واجب قرار دی ہے۔ اور نہ ہی علم رسولؐ کے وارث ہیں۔

لیکن اس کے باوجود خدا نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی دعا کو مستجاب کیا

کیوں کہ انھوں نے رسولؐ کے چچا کو وسیلہ بنایا تھا۔ اور اگر انھوں نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، علیہم السلام سے توسل کیا ہوتا تو خدا آسمان و زمین سے اپنی نعمت ان پر نازل کرتا۔ اور وہ اپنے قدموں کے نیچے اور سر کے اوپر کثرت سے خدا کی نعمتیں دیکھتے اور استفادہ کرتے۔

اہم یہ ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ہمارے لئے ایک اہم چیز کشف کی اور وہ یہ کہ رسولؐ کے اقرباء، کرامات کے مالک ہیں جو صاحبان عقل سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر یہ خدا سے کوئی چیز طلب کریں تو یقیناً خدا ان کی دعا مستجاب کرے گا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ بن خطاب نے دیکھا کہ مسلمانوں کو قحط اور بھوک جیسے خطرات لاحق ہیں تو انہوں نے رسولؐ خدا کے اقرباء کی پناہ لی۔ اور اس وقت پروردگار عالم کی اجازت سے رسولؐ کے اقرباء کے احترام میں بارش ہو گئی۔

ان روشن حقائق کے بعد، وہابیت بھلا کیسے انکار کر سکتی ہے اور وہ مسلمان جو خود کو حق کی شناخت سے دور کر لیتے ہیں کہاں ہیں؟

ان باتوں کے اوپر مجھے ایک قصہ یاد آتا ہے کہ مرحوم شیخ جلول جزائری جو، تیونس میں زیتونہ کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے، خداوند عالم نے ان پر احسان کیا اور میرے ذریعہ راہ ہدایت دکھائی۔ انھوں اپنی آخری کتاب تحریر فرمائی اور اس میں غدیر کا واقعہ، امیر المومنینؑ کی بیعت اور اہل بیتؑ کے فضائل تحریر میں لائے ہیں۔

انھوں نے مجھے ایک واقعہ بتایا:

گزشتہ زمانہ میں، تیونس کا (دارالحکومت) سخت قحط میں گرفتار ہوا اور نزدیک تھا کہ لوگ ہلاک ہو جائیں، گرچہ کئی مرتبہ نماز استسقاء پڑھی گئی لیکن زمین ویسے ہی خشک پڑی رہی اور آسمان سے کوئی قطرہ نہ ٹپکا۔ لوگ اپنی فریاد لے کر ایک خدا پرست شخص بنام شیخ ابراہیم ریاچی کے

پاس آئے اور ان سے دعا کرنے کو کہا، کہ شاید ان کی دعا مستجاب ہو جائے۔

انھوں نے ان سے کہا:

اشراف (۹۰) میں سے (یعنی سادات بنی فاطمہؑ) ۱۰۰ افراد کو اکٹھا کرو اور میرے پاس لاؤ تاکہ ان کے ساتھ نماز استسقاء پڑھیں۔ اشراف میں سے ۱۰۰ آدمی آئے اور انہوں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ ابھی ان کی نماز تمام بھی نہ ہوئی تھی اور شدید گرمی پڑ رہی تھی لیکن ایسی تیز بارش آئی کہ گویا بادل پھٹ پڑا ہو۔ اور تین روز تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور تمام درے پانی سے بھر گئے۔ یہ بھی اہل بیت کی کرامت ہے جو زماں و مکاں کی پابند نہیں ہے۔

بجہ اللہ میں نے اہل بیتؑ کے مذہب کی ہدایت پانے کے بعد جو سب سے پہلی کتاب تحریر کی وہ ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ ہے مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس درجہ مشہور ہوگی اور لوگوں میں مقبول ہوگی۔

لہذا اس مناسبت سے بہتر ہوگا ایک بہترین نکتہ کا تذکرہ کروں جسے میرے گرانقدر دانشور عزیز بھائی جناب ڈاکٹر اسعد علی صاحب نے بیان کیا اور ہمیں متوجہ فرمایا:

جب میں ان سے ملاقات کی غرض سے ﴿مزہ﴾ ﴿شام﴾ گیا تو ان سے مختلف باتیں ہوئیں۔ ان کے کچھ دوست اور مرید بھی اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے ایک ایسی بات کہی جس سے میرا دل شاد ہو گیا۔ کہنے لگے ہم نے تمہاری کتاب ﴿پھر میں ہدایت پا گیا﴾ کو پڑھا اور اس کتاب کے راز کو سمجھ گیا۔ میں نے تعجب سے کہا:

کیسا راز؟

انھوں نے کہا: جس وقت پہلی مرتبہ تم امام موسیٰ کاظمؑ کی زیارت کو گئے

اور ان کے یہاں وارد ہوئے اور کہا:

خدا یا اگر یہ صالح لوگوں میں سے ہیں تو ان پر رحم کر۔ انھوں نے بھی خدا کے حکم پر عمل کیا کہ وہ فرماتا ہے: پس اگر کسی نے تم پر درود بھیجا اور تمہیں سلام کیا تو تم بھی اس کے سلام کا جواب دو یا پھر اس کے سلام سے بہتر جواب دو۔ (نساء/۸۶)

جب تم نے کہا خدا یا ان پر رحم کر تو انھوں نے تمہیں اس سے بہتر جواب دیا اور خدا سے تمہاری ہدایت چاہی۔ اور کہا: ﴿اللھم اھدہ﴾ خداوند عالم نے بھی ان کی دعا کو مستجاب کیا اور تمہاری ہدایت فرمائی اور پھر تم نے یہ کتاب لکھی تمہاری کتاب کی کامیابی کا یہی راز ہے۔

یہ وہ حقیقت ہے جس پر مجھے یقین ہے اور میرے دل میں راسخ ہو چکی ہے مجھے اس بات پر یقین ہے کہ اہل بیت علیہم السلام میری کتاب کی کامیابی کا راز ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور اس لئے کہ جس کو بھی دیکھا وہ اس کتاب کے متعلق خوشی اور تعجب کا اظہار کرتا نظر آیا۔ یہ کتاب بیس بار سے بھی زیادہ چھپ چکی ہے (۹۱)۔ اور ستر زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہے اور اس روئے زمیں پر ہزاروں مسلمان، خصوصاً افریقا جہاں پہلے کوئی شیعہ نہ تھا اور وہ مسلمان جو کوئی مذہب نہیں رکھتے اور اپنی فطرت کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں انھوں نے بھی اس کتاب کے ذریعہ ہدایت پائی ہے۔ اور اہل بیتؑ سے متمسک ہوئے ہیں۔

ہے، پھر انٹیلی جنس کے افسر سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: یہ شخص اپنے ساتھ ۳ ہزار کتاب لایا جو کفر سے بھری ہے اور دس کروڑ کی رقم لایا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان تقسیم کرے اور ان کو انقلاب اور سرکشی کے لئے بھڑکائے!

میں نے سخت لہجہ میں جواب دیا:

۱۔ میری کتاب کفر نہیں ہے اور انقلاب کی دعوت نہیں دیتی اگر ایسا ہوتا تو اس کا ایک نسخہ صدر جمہوریہ کو بطور ہدیہ نہ بھیجتا اور اصلاً تیونس نہ آتا۔

۲۔ اگر تین ہزار نسخہ اپنے ساتھ لانا چاہتا تو مجھے ایک ٹرک کی ضرورت ہوتی جس پر اسے لاد سکتا تھا۔ اور آپ نے اس گاڑی کو دیکھا ہے اور اس وقت آپ کے قبضہ میں ہے آپ خود اس میں بھرے اور دیکھئے اس میں کتنی جگہ ہے! ۳۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے دس کروڑ کی خطر رقم لوگوں میں تقسیم کی ہے اگر سچ کہتے ہیں تو ایک آدمی کو لائیے جو کہے میں نے اسے ایک پیسہ بھی دیا ہے۔

اور پھر میں چوری سے نہیں آیا ہوں بلکہ قانونی ڈھنگ سے آیا ہوں اور دیگر لوگوں کی طرح میری مکمل تلاشی لی گئی ہے۔ اگر دس کروڑ میرے پاس ہوتا تو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑتے اور مجھ سے جواز مانگتے آپ خود ان مسائل کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔

اسے لگا کہ میری باتیں صحیح ہیں، تو اس نے سوال کیا: تم کتنی جلد کتابیں لائے ہو۔

میں نے کہا: ۲۰۰ جلد

اس نے کہا: تم نے جن ۲۰۰ لوگوں کو کتابیں ہدیہ کی ہیں ان کے نام بتاؤ۔

میں نے کہا: یہ ممکن نہیں ہے! ایسا نہیں کہ میں بتانا نہیں چاہتا بلکہ ان کے

نام سے واقف نہیں ہوں۔ ان میں بہت سے میرے پرانے شاگرد ہیں کہ ۱۰ سال سے زائد عرصہ سے انھیں دیکھا نہیں ہے اور صرف قیافہ اور چہرہ سے انھیں پہچانتا ہوں نہ کہ نام سے۔

خلاصہ یہ کہ رائے دشورہ کے بعد انہوں نے یہ طے کیا کہ آج شب مجھے رہا کر دیں پھر کل صبح میں ان کے پاس آ جاؤں، میں نے ان کے پاس دوسرے روز صبح اوّل وقت پہنچ گیا۔ مجھے ایک گاڑی پر سوار کیا گیا اور میرے ساتھ دو نگہبان بھی کر دیئے کہ میں اطراف کے دیہاتوں میں جاؤں اور جہاں تک جانتا ہوں کتابیں لوگوں سے واپس لے لوں۔

راستے میں مجھے پتہ چلا کہ دونوں نگہبان بھی ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا: استاد! آپ نے مجھے فراموش کر دیا اور بھول گئے؟ میں آپ کا شاگرد ہوں۔ ۱۹۷۰ء کے بعد سے میں مدرسہ تہذیب و علمین میں تھا۔ خدا کی قسم کل رات مجھے نیند نہ آئی کیونکہ میں نے آپ کی کتاب مرکز سے حاصل کی تھی اور پوری پڑھ ڈالی اور اس وقت میں آپ کی طرح ہوں۔ (یعنی شیعہ ہوں)

دوسرے نے کہا: میں بھی دور روز قبل آپ کی کتاب کا مطالعہ کیا اسے میرے ایک دوست نے مجھے دیا تھا۔ یقین جانیے میرے لئے اس کتاب نے بہت سی باتوں کو واضح کر دیا وہ مشکلات جو میرے ذہن میں تھیں ان کو قائل کرنے والا جواب میرے پاس نہ تھا وہ آپ کی کتاب میں مل گیا پس میں بھی شیعہ ہوں۔

اس عجیب اتفاق پر میں بہت ہنسا اور پورے راستہ میں ذرا بھی تھکاوٹ محسوس نہ ہوئی۔

لیکن جہاں تک ممکن تھا تین روز میں مختلف علاقوں سے کتابیں اکٹھا کر

لیس اور حکم کے مطابق جس کے پاس بھی کتاب ملی اسے پولیس اسٹیشن بلایا گیا۔
گورنر صاحب سے میں نے ملاقات کی۔ ایک مختصر گفتگو کے بعد انھوں
نے مجھ سے کہا: مجھے تم سے بہت ڈرا دیا گیا تھا اور تمہارے متعلق کہہ رہے تھے کہ
یہ ایک کٹر شیعہ ہے جسے غصینی (قدس سرہ) کی طرف سے مدد حاصل ہے اور وہ
ہمیں شادی کو جائز سمجھتا ہے!

میں مسکرایا اور بولا: اب مجھے یاد آیا شیر خوارگی کی وہ داستان جو اسی کتاب
میں تحریر ہے۔ وہ بھی مسکرائے اور میز کی دراز سے کتاب کو باہر نکالا اور کہا: تم نے
جو کچھ کہا وہ صحیح ہے لیکن میں تمہیں اس بات پر سرزنش کرتا ہوں کہ تم نے ایک نسخہ
ہمیں کیوں نہ ہدیہ کیا؟

اگر تم فوراً پہلے جب قصہ میں وارد ہوئے تھے کتاب مجھے دیتے تو
ان مشکلات کا سامنا نہ ہوتا۔ لیکن افسوس کہ بات اب ہماری قدرت سے نکل چکی
ہے اور عدالت کے ہاتھوں میں ہے اور اب آخری فیصلہ انھیں کا ہوگا۔

اس کے بعد تم ہمارے پاس آؤ تاکہ تمہارا پاسپورٹ تمہارے حوالہ کر دیں
تاکہ سلامتی کے ساتھ سفر کر سکو۔

ان کی باتوں سے ہمیں اندازہ ہوا کہ ان کے نزدیک ہماری بے گناہی
ثابت ہوگئی اور وہ اس پروپیگنڈوں کو سمجھ گئے اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہو گیا کہ
میری کتاب پیرس سے رئیس جمہوریہ کے پاس آئی ہے تو اس قضیہ کو عدالت کے
حوالہ کر دیا تاکہ صرف کتاب کے متعلق بحث کریں کہ آیا یہ کتاب دین اور نظام
نئے لئے خطرہ ہے یا نہیں؟

میں عدالت روانہ ہوا جبکہ ہدایت پانے والے ساتھیوں نے کہا کہ جن
لوگوں سے بھی پوچھ گچھ کی گئی انھوں نے آپ کے متعلق سوائے بھلائی کے اور
کچھ نہیں کہا۔

جو سوالات ان سے کئے گئے یہ ہیں:

۱۔ ”تجانی سے تمہارا کیا رابطہ ہے؟“

۔ ”وہ میرے دوست یا استاد ہیں۔“

۲۔ ”کیا تمہیں پیسہ بھی دیا ہے؟“

۔ ”ہمیں انھوں نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔“

۳۔ ”کیا تم سے پیسہ مانگا؟“

۔ ”نہیں، مجھ سے کوئی پیسہ نہیں مانگا۔“

میں نے عدالت میں قاضی صاحب سے ملاقات کرنا چاہی۔ اجازت کے
بعد ان کے پاس پہنچا، دیکھا میری کتاب ان کی میز پر ہے۔

میں نے کہا: جناب عالی! میں اس کتاب کا مصنف ہوں اور صرف ایک
ہفتہ کے لئے تینس آیا تھا لیکن اس وقت ایک ماہ سے زیادہ ہے کہ میں کسی گناہ
کے بغیر معطل ہوں میرے اعصاب پریشان ہیں اس لئے کہ میرے بیوی بچے
اکیلے پیرس میں پڑے ہوئے ہیں!

وہ میری بات کو کاٹ کر کہنے لگے: میں پوری کتاب پڑھوں گا پھر حکم دوں
گا، ابھی صرف تیسرا حصہ پڑھا ہے اور ان شاء اللہ آج رات مکمل کر لوں گا پھر کل
حکم دوں گا۔

میں نے کہا جناب عالی میں جلدی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا۔

انھوں نے کہا: کل بعد از ظہر آ جاؤ۔

میں واپس آ گیا۔ اور مقررہ وقت پر وہاں پہنچا اور دیکھا جج صاحب
دروازہ پر کھڑے ہیں انھوں نے مجھے گلے سے لگالیا اور خاص احترام کے ساتھ
کہا: جناب ڈاکٹر صاحب! اس کتاب میں جو کچھ ہے اس کی میں تصدیق کرتا
ہوں اور ان سب پر میرا ایمان ہے۔

(الف) جغرافیہ اور سیاحت میں: رازی، ابو عبیدہ بکری، غروی، اور یسعی، ابن جبیر اور ابن بطوطہ تھے۔

(ب) علم ہیئت اور نجوم: طلیطلہ، قرطبہ، بغداد، دمشق، سمرقند اور فارس میں بڑے علمی رصد خانے تھے۔

(ج) ہندسہ میں: گوستالوبون کہتا ہے: یورپ نے فن معماری عربوں سے حاصل کیا لہذا بعض فرانسیسی گرجا گھروں میں سنگ کاری کے اندر عربی خطوط کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔

(د) ریاضی میں: سدریورپی مستشرق کہتا ہے: علم ریاضی پر عربوں کی خاص عنایت تھی اس میدان میں وہ واقعا ہمارے استاد ہیں۔ لوانار والہیزی نے ﴿الجبر﴾ سے متعلق ۱۲۰۰ رسالے لکھے اور یہ سب کچھ اس نے عربوں سے حاصل کیا حتیٰ کہ وہ اپنی کتاب (تاریخ عرب) میں لکھتا ہے: صفر جس نے ریاضی کی سب سے بڑی مشکل کو حل کیا وہ اندلس سے یورپ لایا گیا۔

(ه) فیزکس میں: ابن جہیم اس علم کے استاد شمار ہوتے ہیں۔

(و) کیمسٹری، صنعت، زراعت اور علم طب وغیرہ میں مسلمان ہی پیش پیش تھے اس کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی طرف رجوع کریں۔ یہی کافی ہے کہ آج بھی مغربی یونیورسٹیوں میں بوعلی سینا کی کتاب ﴿شفاء﴾ پڑھائی جا رہی ہے۔

۲۲۔ نفع البلاغہ، کلمات قصار، نمبر ۳۳۸۔

۲۳۔ صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۹۸۷۔

۲۴۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۲۷۔

۲۵۔ سورہ حج، آیت ۷۸۔

۲۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۷/۲۸، ج ۸، ص ۳۶۔

۲۷۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۳۳۳۔

۲۸۔ اگر صیہونیوں نے فلسطین پر قبضہ کر رکھا ہے تو بہت سے اسلامی ممالک پر اقوام متحدہ کے فرمانبرداروں اور کارندوں کا قبضہ ہے۔ من جملہ ان میں حجاز ہے۔ میں عراق سے اردن اور اردن سے حج کے لئے روانہ ہوا اور سات گھنٹے تک جدہ ایئر پورٹ پر معطل رہا، وہیں پر اندازہ ہوا کہ حاجیوں کے ساتھ کس قسم کا معاملہ ہو رہا ہے۔ حجاج فریاد بلند کر رہے تھے۔ لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ایئر پورٹ کے کارندے بدترین اور سخت ترین رویہ حجاج کے ساتھ برت رہے تھے۔ گویا کہنا چاہ رہے تھے کہ ہم بے نیاز ہیں اور ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے، جاؤ اور خیموں میں پڑے رہو، وہی خیمے جنہیں دراصل پورے امکانات کے ساتھ بلڈنگ کی صورت میں ہونا چاہیے تھا۔ اور حجاج کے آرام و آسائش کے اسباب مہیا ہونے چاہیے تھے جو کہ خود حاجیوں کے پیسے سے تیار کئے گئے ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ پیسہ اور پیٹرول کا ایک بڑا حصہ امریکا روانہ ہو جاتا ہے تاکہ امریکی قوم اور صیہونی اس سے فائدہ اٹھائیں اور ان کے آرام و آسائش میں فرق نہ پڑنے پائے۔ اور فرانس کے سکے ﴿فرانک﴾ کو قوت ملتی رہے۔

۲۹۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۳۹۱/السنن الکبریٰ، ج ۱۰، ص ۹۳۔

۳۰۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۶۹، ج ۸۷۔

۳۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۷۰، ج ۸۰۔

۳۲۔ کتنا دردناک ہے کہ مغرب میں تو سننے والے کان موجود ہیں لیکن اسلامی ملکوں میں دور دور تک ان کا پتا نہیں ہے۔

۳۳۔ نفع البلاغہ کے خط نمبر ۵۶ کی طرف رجوع کریں۔

۳۴۔ نووی کی ﴿ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین﴾، انور رفاعی کی

﴿الانسان العربی والحضارة﴾، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی «دوائع حضارتنا» اور محمد کرد علی کی «الاسلام والحضارة العربیہ» اور بھی دیگر کتب موجود ہیں۔

۳۵۔ کتاب «امام الصادق (ع)» کا عرفہ علماء الغرب کی ترجمہ ڈاکٹر نور الدین آل علی۔

۳۶۔ ڈاکٹر ہاشمی کی «الامام الصادق ملہم الکیمیاء» ص ۱۵۶۔

۳۷۔ سورہ بینہ، آیت ۷۔

۳۸۔ مناقب خوارزمی، ص ۶۲۔

۳۹۔ الدر المنثور، ج ۸ ص ۵۸۹ / تذکرۃ الخواص، ص ۱۸۔

۴۰۔ گذشتہ حوالہ۔

۴۱۔ الدر المنثور، ج ۸ ص ۵۸۹۔ تذکرۃ الخواص، ص ۱۸۔

۴۲۔ ابن حجر کی الصواعق المحرقة، ص ۱۶۱۔

۴۳۔ مناقب خوارزمی حنفی، ص ۶۲۔

۴۴۔ اور ہم شیعہ بھی ایسے ہی ہیں۔ لہذا جب ان سے کہتے ہیں کہ علی شہر علم کے باب ہیں تو فوراً چیخ کر کہتے ہیں شہر علم کے کئی دروازے ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم حضرت کی شجاعت کا تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ نے اسلام کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا تو دواویلا کرتے ہوئے شور مچائیں گے کہ تم تاریخ کو بالائے طاق رکھنا چاہتے ہو۔

اور ان تمام اسلامی فتوحات کو فراموش کرنا چاہتے ہو!

اور یہ باتیں اس صورت میں ہیں جب گفتگو ٹھنڈے انداز میں ہو رہی ہو۔ لیکن شیعوں کے حق میں ظلم و ستم کے یہ پوری طرح موافق ہیں۔ جناب فاطمہ زہراء کا گھر جلانا، امام حسینؑ کے قتل کا فتویٰ علویوں (اولاد رسولؐ) کا قتل، حلب

وجملہ اللزہر کو سنی بنا دینا، سادات اور اولاد رسولؐ کا قتل عام، اور حج کے موسم میں سینکڑوں ایرانی زائرین خاندانہ خدا کا قتل، اسلامی جمہوری ایران کے ساتھ جنگ، عراق کے مشہور علماء مثلاً آیت اللہ سید حسن حکیم کے فرزندوں کا قتل، عظیم مفکر آیت اللہ سید باقر الصدر قدس سرہ کا قتل۔

ہم تو ان کو ایک مثبت گفتگو کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ حق اور اہل حق پہچانے جائیں لیکن وہ ہم کو چپ رہنے اور سکوت کا حکم دیتے ہیں ان سے ہمیں جو کچھ ملا وہ ہمارا قتل، ظالموں اور ستم گروں کے ساتھ تعاون، ظالم و جابر حکام و امراء کے دفاع کے سوا اور کیا تھا؟

۴۵۔ یہ بظنی صرف شیعوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہم بہت سی جگہوں پر دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کے مختلف فرقے مساجد (بالخصوص مسجد النبیؐ اور مسجد الحرام میں) اس مسئلہ پر توجہ نہیں دیتے۔

۴۶۔ جب حضرت امام خمینیؑ پیرس میں تھے ایک روز نماز جماعت کی اہمیت اور صف کے متعلق لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے ان کے من جملہ فرمودات جو میں بھول نہیں سکتا یہ ہے:

جب ہم بورسا (ترکیہ) شہر بدر گئے گئے تھے تو کبھی کبھی نماز جمعہ میں شرکت کرتے تھے اور میں اس نظم و صف بڑی میں لذت محسوس کرتا تھا۔ اور کتنا دلچسپ تھا کہ امام کے تکبیر کہنے کے ساتھ ہی ایک لحظہ میں سب لوگ منظم صف کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور پوری نماز کے دوران اور اس کے بعد سوائے سانس لینے کی آواز کے کوئی اور آواز نہ آتی تھی۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کیوں ہم شیعہ حوالہ کے درمیان ایسی کیفیت نہیں پائی جاتی۔

۴۷۔ لیکن توجہ رکھنی چاہیے کہ جو گناہ گار علی اللہ اعلان گناہ نہیں کرتا اس کی بھی اقتدا نہیں کی جاسکتی۔

۴۸۔ گذشتہ اور عصر حاضر کے بعض علماء بھی نماز جمعہ کو واجب جانتے ہیں اور اسے قائم کرتے ہیں مثلاً آیۃ اللہ العظمیٰ اراکئی نے پچاس سال سے پہلے شہر قم میں نماز جمعہ قائم کی جبکہ اسی زمانہ میں بعض علماء نماز جمعہ قائم نہیں کرتے تھے (مترجم)

۴۹۔ سگریٹ نوشی کی مذمت بہتر اور پسندیدہ ہے لیکن مراجع کے لئے فریضہ معین کرنا ایک طرح کی افراط ہے جس سے خود جناب مصنف کو گریز کرنا چاہئے علماء اپنے فرائض کو بہتر سمجھتے ہیں، البتہ جناب مصنف کی یاد دہانی بجا ہے اور اگر علماء اسے صریحاً حرام نہیں کرتے تو بہتر ہے کہ اس سے اپنی نفرت کا قطعی اظہار فرمائیں اس لئے کہ اس کا نقصان کسی سے چھپا نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ حکماء اور ڈاکٹر سبھی اس کے نقصان پر متفق نہیں ہیں ورنہ اگر کوئی چیز انسان کیلئے قطعاً مضر ہو تو بہت سے علماء کے فتوے کے مطابق حرام ہے، بہر حال اس مسئلہ میں زیادہ غور کرنا چاہئے اس لیے کہ مراجع کے نظریات لوگوں کے اظہار نظر سے کہیں بالا ہیں۔ مگر چہ ممکن ہے کہ علماء ایک کلی نظریہ دیں اور اس کے جزئیات یا موضوع کی تطبیق میں خاموش رہیں۔ (مترجم)

۵۰۔ صحیح مسلم/ ج ۲ ص ۶۵۴ (باب الشفاعة) مرحوم سید حسن امین اس روایت پر حاشیہ لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: (حتماً یہ چالیس آدمی نجدی (وہابی) عربوں میں سے ہونے چاہئیں تاکہ ان کی شفاعت قبول ہو۔

۵۱۔ صحیح مسلم/ ج ۲ ص ۶۵۴۔

۵۲۔ طبرانی نے معجم الصغیر/ ج ۲ ص ۸۲ پر اس کو روایت کیا ہے بیہقی نے اسناد صحیح اور معتبر دلائل کے ساتھ اپنی کتاب دلائل النبوة کی جلد ۵/ ص ۳۸۹ پر پر تذکرہ کیا ہے اور دیگر احادیث میں آیا ہے کہ آدمؑ و نوحؑ نے خدا کو آلِ عبا (پنجتن پاک) کی قسم دی اور انھیں وسیلہ بنایا۔

۵۳۔ صحیح بخاری، ج ۸/ ص ۱۱۲ کتاب المرقاق/ باب الخوض۔

۵۴۔ سورۃ مائدہ/ آیہ ۳۷۔

۵۵۔ سورۃ مائدہ/ آیہ ۳۳۔

۵۶۔ سورۃ مائدہ/ آیہ ۳۷۔

۵۷۔ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت رسول اکرمؐ خدا کے اذن سے تشریح کا حق رکھتے ہیں۔

۵۸۔ صحیح بخاری، ج ۴ ص ۱۰۰، باب دعا النبیؐ الی الاسلام والنبوة۔

۵۹۔ صحیح بخاری، ج ۵ ص ۱۰۴، کتاب المغازی باب الشھود والملائکہ۔

۶۰۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۷۲ اور ۷۳ کی طرف اشارہ ہے۔

۶۱۔ صحیح بخاری، ج ۱ ص ۵۹، کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضو۔

۶۲۔ صحیح بخاری، ج ۳ ص ۲۵۴، کتاب الشروط باب الشروط فی

الجهاد والمصالحة مع اهل الحروب

۶۳۔ صحیح بخاری، ج ۱ ص ۷۰، کتاب الوضوء باب البراق والخطا۔

۶۴۔ صحیح بخاری، ج ۴ ص ۷۳، کتاب الجہاد والسیر/ صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۷۲،

ج ۲ ص ۲۴۰

۶۵۔ ظاہراً یہاں پر مرگی مقصود ہے۔

۶۶۔ صحیح بخاری، ج ۱ ص ۹۶۔

۶۷۔ صحیح بخاری، ج ۴ ص ۲۳۳، کتاب بدء الخلق باب علامات

النبوة فی الاسلام

۶۸۔ صحیح بخاری، ج ۲ ص ۲۳۴، کتاب بدء الخلق باب علامات النبوة فی

الاسلام

۶۹۔ صحیح بخاری، ج ۴ ص ۲۳۵، کتاب بدء الخلق

۷۰۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۱۹۳ / صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۹۵۹۔

۷۱۔ صحیح بخاری، ج ۶، ص ۱۷۔

۷۲۔ اس گفتگو کو ابن ابی الحدید معتزلی نے (جلد ۵، ص ۱۳۰) پر نقل کیا ہے اور اسی طرح کتاب ﴿النصائح الکافیہ لمن یتولی معاویہ﴾ ص ۱۲۳ میں ابن اثیر و طبری سے نقل ہوا ہے۔

۷۳۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۶۶۹، حدیث نمبر ۱۰۳۔

۷۴۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۹، باب زیارت القبور، کتاب الجنائز

۷۵۔ تاریخ الخلفاء، ج ۲، ص ۱۷۳۔

۷۶۔ بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۱۷۷۔

۷۷۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۷۔

۷۸۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۰۵ / سنن ابوداؤد، ج ۳، ص ۲۷۶، حدیث ۳۹۰۴۔

۷۹۔ البیہ کتب اہل بیتؑ میں بھی مکلف بیماری کے خوف کے تحت وضو کی جگہ پر تمیم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ امام صادق سے روایت ہوئی ہے ﴿التراب احد الطہورین﴾ مٹی پاک کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔

۸۰۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۹۰، حدیث ۷۰۸، کتاب الصلوٰۃ باب الجمع بین الصلاتین۔

۸۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۳۳، کتاب مواقیات الصلوٰۃ۔

۸۲۔ اس معنی میں کہ ہر ایک کیلئے اس کی ضرورت کے مطابق حق قرار دیا ہے (بنیاد معارف اسلامی)۔

۸۳۔ کتب تاریخ نے نقل کیا ہے کہ عورتیں آنحضرتؐ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور ان میں سے بعض نے آنحضرتؐ سے یہ بھی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے لئے ایک شوہر کا انتخاب فرمائیے۔

روایت ہے کہ عورتیں آنحضرتؐ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ہم آپ کے وجود سے مستفید ہونا چاہتے ہیں لیکن مردوں کی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان کے لئے ایک وقت معین فرمایا کہ فلاں وقت فلاں شخص کے گھر حاضر ہوں اور خود آنحضرتؐ اس مقررہ وقت میں وہاں تشریف لے جاتے اور ان سے گفتگو کرتے۔ اسی طرح بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے بعض عورتوں کو کام کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ من جملہ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی جو شوہر اور بچوں کی خاطر کام کرنے پر مجبور تھیں، آنحضرتؐ نے فرمایا: تیرے لئے اجر و ثواب ہے۔ تو ہمیشہ ان پر اتفاق کرتی ہے پس اتفاق کرتی رہ۔

۸۴۔ اس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے: ﴿ومن آیاتہ ان خلق لکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنشرون﴾ اور ﴿ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودة ورحمة ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون﴾ (روم/ ۲۱-۲۰)۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر یکا یک تم آدمی بن کر زمین پر چلنے پھرنے لگے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ساتھ رہ کر چین کرو اور تم لوگوں کے درمیان پیار و الفت پیدا کر دی اس میں شک نہیں ہے کہ اس میں غور کرنے والوں کے لئے (قدرت خدا کی) یقینی بہت سی نشانیاں ہیں۔

۸۵۔ اور یہ روایت صحیح بخاری کی جلد ۶ صفحہ ۶۶۔ کتاب تفسیر القرآن باب قولہ ﴿یا ایہا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم﴾ کے بیان میں ملاحظہ ہو سکتی ہے۔

۸۶۔ شرح معانی الآثار، ج ۳، ص ۲۶ تفسیر طبری، ج ۵، ص ۹۔ اور مزید تفصیل کے

لئے مولف محترم کی کتاب ﴿پچوں کے ساتھ ہو جاؤ﴾ کا مطالعہ کریں۔ نیز اس کے متعلق دیگر کتب بھی موجود ہیں من جملہ۔ ﴿فصول الہمہ﴾ (شرف الدین) ﴿مسائل قصیہ﴾ (شرف الدین) ﴿البیان﴾ (الحوئی) ﴿القدر﴾ (المنی) ﴿الحجۃ فی الاسلام﴾ (سید حسن علی) ﴿الزواج الموقت﴾ (سید محمد تقی حکیم) ﴿الزواج الموقت فی الاسلام﴾ (سید جعفر تھری)۔

۸۷۔ البتہ وقتی شادی (محبہ) کی صورت میں۔

۸۸۔ کتاب الجمع بن الصحاح الستہ، باب علامات الساعۃ اور کتاب عقائد الاسلامیہ از سید سابق اور مسند احمد ابن حنبل، ج ۱، ص ۶۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، ص ۱۹۸، ج ۱۹۴، ۱۹۳۔

۸۹۔ اس سلسلہ میں بنیاد معارف اسلامی نے عربی زبان میں بے نظیر دائرۃ المعارف ۳۲۰ مصادر کے حوالہ سے چھپایا ہے جس میں سنی و شیعہ دونوں ہی مصادر شامل ہیں اور پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

۹۰۔ اشرف تیونس میں آل رسول کو کہتے ہیں جو اولاد حضرت زہرا (س) اور حضرت علی علیہ السلام سے ہوں۔

۹۱۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ ﴿نگاہ ہدایت شدم﴾ بنیاد معارف اسلامی کی جانب سے ابھی تک ۱۹ مرتبہ کافی تعداد میں چھپ چکا ہے اسی طرح اردو زبان میں مختلف مرتبہ چھپ چکا ہے (مترجم)۔

Nazar Philips
7-5-2004

اتماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱[شیخ صدوق	۱۳) سید حسین عباس فرحت	۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲[علامہ مجلسی	۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی	۲۶) سید ممتاز حسین
۳[علامہ طاہر حسین	۱۵) سید نظام حسین زیدی	۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۴[علامہ سید علی نقی	۱۶) سیدہ نازہ	۲۸) سید محمد علی
۵[بیگم و سید عابد علی رضوی	۱۷) سیدہ رضویہ خاتون	۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی	۱۸) سید نجم الحسن	۳۰) سید مظفر حسین
۷) بیگم و سید رضا احمد	۱۹) سید مبارک رضا	۳۱) سید باسط حسین نقوی
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی	۲۰) سید تنہیت حیدر نقوی	۳۲) غلام محی الدین
۹) بیگم و سید سبط حسن	۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم	۳۳) سید ناصر علی زیدی
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری	۲۲) سید باقر علی رضوی	۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۱۱) بیگم و سید جبار حسین	۲۳) بیگم و سید باسط حسین	۳۵) ریاض الحق
۱۲) بیگم و مرزا تو حید علی	۲۴) سید عرفان حیدر رضوی	۳۶) خورشید بیگم